جس تن لگیا عشق کمال

عُشنا کوثر سَردار

معیاری اور خوبصورت کتابیں

بااہتمام محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اوّل 2010ء

مطبع ..... نیئر اسد پریس لاہور

ڈیزائن ..... ذاکر

کمپوزنگ ..... کلاسیکس گرافکس

قیمت ..... -/300 روپے

جس تن لگیا عشق کمال

اور پھر یک دم ہی مینہ چھاجوں ٹوٹ کر برسنے لگا۔ حالانکہ صبح جب وہ گھر سے نکلی تھی' تو موسم اعتدال پر تھا' اور اچھی خاصی دھوپ بھی چمک رہی تھی' مگر اب.....

بادل زور سے گرجنے کی آواز پر اس کا ننھا سا دل یک دم ہی کانپ گیا۔ اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی' اور پھر اٹھ کر دوپٹہ اچھی طرح اوڑھنے لگی۔ سٹاف کے لوگ آہستہ آہستہ نکل رہے تھے۔

''تمہارا گھر تو بہت دور ہے' کس طرح جاؤ گی؟'' اس کی کولیگ اسماء نے کہا' تو وہ مسکرا دی۔

''ظاہر ہے جس طرح روز جاتی ہوں' ویسے تم کیسے جاؤ گی؟''

''میرے تو فیانسی مجھے پک کر لیں گے۔'' اسماء ہنس کر بولی' تو وہ جواباً حسرت و یاس بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

''کاش خدا سب کو تم جیسے سعادت مند منگیتر عطا کرے۔'' اور اسماء ہنسنے لگی۔

''نگلی کر والو تم بھی' قسم سے مزے ہوتے ہیں۔''

''قیمتی اور نایاب مشورے کا شکریہ' ویسے مجھے اپنی خوش بختی پر رتی برابر یقین نہیں' پھر ضروری بھی نہیں کہ جیسا فرمانبردار آپ کو ملا ہے' ویسا ہی سب کو بھی مل جائے۔'' وہ بولی تو اسماء مسکرا دی۔

تب ہی پھر بادل زور سے گرجا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''ابھی تو بہت زور ہے بارش کا' ٹھہر جاؤ' کچھ دیر بارش ختم جائے تو نکل جانا۔''

''نہیں' بہت دیر ہوگئی ہے پہلے ہی۔ سکول ٹائم دو بجے ختم ہو جاتا ہے' اور اب اڑھائی بج رہے ہیں۔ کاپیاں دیکھتے دیکھتے مجھے بالکل بھی دھیان نہیں رہا۔ امی تو پریشان ہو رہی ہوں گی' حالانکہ روزانہ بھی دو دو بسیں بدلنے کے بعد میں تین سوا تین بجے تک پہنچتی ہوں' مگر آج چونکہ موسم خراب ہے' اس وجہ سے ان کی پریشانی بھی عروج پر ہوگی۔'' اس نے کہا' پھر اس کے ساتھ ہی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

آسمان سے ٹوٹ کر برستا ابرِ کرم اسے بڑی تیزی کے ساتھ بھگونے لگا۔ اس نے اپنا فیروزی کلف لگا دوپٹہ کس کے سر پر جما لیا' اور تیز تیز چلنے لگی۔

اس کا سکول اگرچہ شہر کے معروف ترین علاقے میں تھا' مگر اب اس طوفانی موسم کے باعث ہر سُو ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ اکا دُکا لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ سڑک پر جمع پانی کسی جھیل کا منظر پیش کر رہا تھا' اور اس جھیل میں تیرتی اور بعض ساکت و جامد گاڑیاں دیکھنے والوں کے لئے اور خصوصاً پیدل چلنے والوں کے لئے ایک عبرتناک نمونہ بنی ہوئی تھیں۔

اے کراچی! تیرا نصیب بھی خوب ہے' کبھی تو برسوں پانی کی بوند بوند کو ترستا ہے' اور ابرِ کرم نہیں برستا' اور جب خدا اپنی رحمت برساتا ہے تو تیرے گلی کوچے' ندی' نالوں اور جھیلوں جیسے نمونے پیش کرنے لگتے ہیں۔ سوچ خاصی دلچسپ تھی' تب ہی اس تیز بارش میں بری طرح بھیگنے کے بعد بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی۔ فٹ پاتھ کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جب روڈ کراس کر کے دوسری سمت جانے کی ضرورت پڑی' تب وہ ایک دم پریشان سی ہو کر رک گئی۔ چہار سو گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سامنے موجود بس سٹاپ پر کسی بندہ بشر کا وجود تک نہ تھا۔ اس نے جھک کر آہستہ سے اپنی سینڈل اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی کہ پانی میں بھیگ کر جواب ہی نہ دے جائے' اور پھر پانی میں اتر گئی۔ ٹو وے روڈ کے درمیان موجود فٹ پاتھ پر قدم رکھنے کے بعد اس نے سکھ کا سانس لیا' مگر ابھی ایک اور دریا کو بھی پار کرنا تھا۔ تب ہی اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا' اور ہمت کر کے پھر جھیل نما پانی میں اتر گئی' مگر یکدم جانے پاؤں میں کیا چبا کہ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

بس سٹاپ پر موجود شٹر کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے جھک کر پاؤں کو دیکھا' جس میں سے کافی تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ جائزہ لینے پر اس نے قیاس کیا کہ شاید کوئی کانچ کا

ٹکڑا تھا' جس نے کھال کو کاٹ کر زخمی کر دیا ہے۔ بغور جائزہ لینے کے بعد اس نے پرس میں سے رومال نکالا' اور اس پر کس کر باندھ لیا' اور پھر سینڈل پہن کر بس کا انتظار کرنے لگی۔

اس دوران کئی من چلے اس پر فقرے کستے ہوئے اپنے ''مہذب'' ہونے کا پتا دیتے رہے۔ کچھ ہمدرد دل صاحبان نے اسے رک کر باقاعدہ گھر تک چھوڑنے کی آفر بھی کی' مگر وہ سامنے روڈ پر نگاہ جمائے یوں کھڑی رہی' جیسے آنکھ اور کان سرے سے اس کے پاس ہیں ہی نہیں۔ وہ ایک کی شاعرانہ حسِ لاجواب تھی۔

نہ جانے کہاں سے آئی ہے
نہ جانے کہاں کو جائے گی
دیوانہ کسے بنائے گی
یہ لڑکی.....!

کچھ قدرے درمیانے طبقے یعنی مڈل کلاس کے خراج تحسین پیش کرتے جملے تھے' اور دو چار جو اپنے حلیے سے خاصے ماڈ لگ رہے تھے' ان کے لبوں سے بھی انگریزی ملی اردو کے اشعار جھڑ رہے تھے۔ یہ وہ امیر زادے تھے' جو محض موسم کو انجوائے کرنے نکلے تھے' اور بھرپور طور پر انجوائے بھی کر رہے تھے۔ اوپن اور قیمتی گاڑیوں میں سوار من چلے جو اب تک نظروں سے گزرے تھے' اور یقیناً دل جلا گئے تھے۔

''کاش اپنے پاس بھی لمبی گاڑی ہوتی' اور چاہے ہم انجوائے نہ کرتے' مگر یوں کھڑے کھڑے پانی پانی تو نہ ہو رہے ہوتے۔ تب ہی منی بس کا ہارن دور سے سنائی دیا' تو وہ چوکس ہو کر کھڑی ہوگئی۔ منی بس اسی کے روٹ کی تھی۔

✦ ◈ ✖

آج موسم بڑا ہے سہانا
ہائے مشکل ہے دل کو بچانا

دروازے میں جونہی قدم رکھا ڈرائیور کی چیختی چنگھاڑتی آواز کانوں میں پڑی' تو وہ جل کر چھیے کباب ہوگئی۔ وہ بڑے مزے سے کرسی پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھا' گرم گرم چائے کے ساتھ پکوڑے کھانے میں مشغول تھا' اور ساتھ ہی ساتھ گا بھی رہا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی' پرس ایک طرف پٹخا اور دھم سے کرسی پر گر گئی۔

آج موسم.....

''خبردار جواب تم نے موسم کے متعلق ایک جملہ بھی کہا۔'' وہ ابھی گانے جا ہی رہا تھا' کہ اس نے انگلی اٹھا کر کہا' ساتھ ہی کھا جانے والے انداز میں گھورا بھی۔ مگر وہ ہنس پڑا' اور ساتھ ہی پکوڑوں والی پلیٹ اٹھا کر اس کے آگے کر دی' مگر وہ نظر انداز کر کے سینڈل اتارنے لگی۔

''کیا ہوا' مس صاحبہ کے مزاج شریف برہم نظر آتے ہیں؟'' اس نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ثوبان پلیز کچھ مت کہو' میرا موڈ سخت آف ہے۔ دو گھنٹے کی خواری کے بعد پہنچی ہوں۔ یہ بارش کا سارا حسن اعلیٰ طبقوں تک محدود ہے۔ ہم جیسے مڈل کلاس اور لوئر کلاس والوں کے لئے تو یہ موسم نرا عذاب ہے۔''

ابھی وہ مصیبت کی شان میں مزید کچھ اور کہنے والی تھی کہ چھینکوں نے اسے بولنے ہی نہیں دیا۔

''دیکھا' اللہ میاں کی رحمت کو عذاب کہا تو کیسی سزا ملی؟'' ثوبان ہنستے ہوئے بولا۔ تب وہ جھک کر پھر سے سینڈل کے اسٹیپ کھولنے لگی۔

''پاؤں پر کیا ہوا؟'' وہ رومال بندھا دیکھ کر پریشانی سے بولا۔ رومال کا سفید رنگ اب سرخ پڑ چکا تھا۔

''تمہارے اس ''سہانے'' ایمان موسم کے کرشمے ہیں سارے۔'' وہ کہہ کر پھر ''آچھیں آچھیں'' کرنے لگی۔ تب ہی سومیہ اس کے لئے چائے لے آئی۔

''مجھے آپ کی چھینکوں کی آواز آ گئی تھی۔'' اسے کپ تھماتے ہوئے وہ بولی۔ ''امی اتنی پریشان ہو رہی تھیں آپ کے لئے' کئی بار آپ کے سکول بھی رنگ کروایا' مگر کوئی اٹھا ہی نہ رہا تھا۔''

''ظاہر ہے اس موسم میں وہاں کون موجود ہوتا۔ ویسے بھی دو اڑھائی بجے تک پورا سکول خالی ہو جاتا ہے' اور اب تو پانچ بجنے کو آئے ہیں۔'' اس نے آہستہ سے رومال زخم پر سے اتارا' پھر بھی ایک سسکی اس کے لبوں سے نکل گئی۔

''ہائے آپی! یہ کیا ہوا؟'' اس کا گہرا زخم دیکھ کر جہاں ثوبان چونکا' وہاں سومیہ بھی ...

کر قریب آ گئی۔

''کچھ نہیں' امی کہاں ہیں؟'' وہ اپنی پریشانی ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی' اس لئے ماں کو پوچھنے لگی' مگر سومیہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ثوبان اس کا پاؤں تھام کر جھکا۔

''ارے رہنے دو معمولی زخم ہے' ابھی دوا لگاتی ہوں۔'' اس نے چھینکوں کے درمیان جملہ مکمل کیا' اور ساتھ ہی پاؤں بھی پیچھے ہٹانا چاہا' مگر ثوبان نے اسے ایک نظر خاموشی کے ساتھ تکا' پھر اس کا پاؤں اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا' اور بغور جائزہ لینے لگا' وہ پھر چھینکنے لگی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کی سمت بڑھا دیا۔

''شکریہ!''

''زخم لگا کیسے' کیا جوتے نہیں پہنے تھے؟'' وہ اس کا شکریہ نظر انداز کرتا ہوا بولا۔

''نہیں وہ.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ مگر وہ ہنسنے لگا۔

''کنجوس کہیں کی' دو اڑھائی سو کی سینڈل بچانے کے لئے پاؤں زخمی کروا لیا۔ پہنے رہتیں تو کیا ہو جاتا۔'' جانے وہ کیسے جان گیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر سر جھکا گئی۔ پھر بولی۔

''ٹوٹ جاتی اور پھر نئی لانے کے لئے پیسے خرچ کرنے پڑتے' اور فی الحال میں اس خرچ کو افورڈ نہیں کر سکتی تھی' کیونکہ تنخواہ ملنے میں بھی ابھی بیس دن پڑے ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا' مگر ثوبان ہنستا چلا گیا۔

''ریم بی بی! تمہارا بھی جواب نہیں' اس صدی کی سب سے ذہین ترین خاتون ہو تم۔ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ ابھی تک تمہارا نام ''گینز بک'' میں شامل کیوں نہیں کیا گیا۔'' وہ بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔ تب ہی امی' سومیہ' سعدیہ اور نوریا اندر داخل ہوئیں۔

''کیا ہوا میری بچی کو؟'' امی فکرمندی سے بولیں۔

''کچھ نہیں امی معمولی زخم ہے' آپ کہاں تھیں؟'' اس نے پاؤں ثوبان کی گود سے ہٹا کر میز پر رکھ دیا۔

''یہ سعدیہ اور نوریا کی ٹیوشن کی ٹیچر نے بلوا لیا تھا۔ کم بختوں پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہوں' مگر عقل میں پھر بھی کچھ نہیں سماتا ان کی۔'' وہ بولتی ہوئی جھک کر اس کے پاؤں کو دیکھنے لگیں۔ ''ہائے اتنا گہرا زخم' اس پر تو ٹانکے لگیں گے۔'' امی کا دل ہول گیا۔

''ارے نہیں امی' اتنا بڑا اور گہرا زخم تھوڑی ہے۔''

"ارے رہنے دیں پھوپھو' یہ کنجوس کی نانی ایک پائی بھی خود پر خرچ نہیں ہونے دے گی۔"

"ہاں تو کیوں خرچ ہونے دوں' پائی کوئی آسانی سے تو نہیں کمائی جاتی۔" وہ جلدی سے بول پڑی۔

"واہ جی کیا کہنا' تب ہی تو حیرت ہے گینز بک والے اب تک متوجہ کیوں نہیں ہوئے۔" ثوبان بولا تو سعدیہ' نوریا اور سومیہ ہنسنے لگیں۔ تب ہی امی نے ان کی سمت گھورا۔

"یہاں کھڑی کھڑی دانت کیا نکال رہی ہو' جاؤ ڈیٹول اور مرہم پٹی لے کر آؤ۔"

تب وہ تینوں سر جھکا کر باہر نکل گئیں۔

"یہ حمزہ کہاں ہے؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کر رہا ہوگا دوستوں کے ساتھ مٹر گشت' اور اسے کام بھی کیا ہے۔" امی جھلائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"امی یہی تو عمر ہے گھومنے پھرنے دیں۔"

"ہاں' مگر اب وہ بچہ تو نہیں رہا' خیر سے بیس برس کا ہو گیا ہے۔"

"امی! بیس برس بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔"

تب ہی سومیہ ڈیٹول' روئی اور مرہم وغیرہ لے کر آ گئی' جسے ثوبان نے لے لیا' اور اس سے مخاطب ہوا۔

"چلو ریم بی بی! فٹافٹ پاؤں اوپر رکھو۔" اس نے ایک نظر دیکھا' پھر پاؤں آگے کر دیا۔

"یہ تم نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے۔

گیلے کپڑوں کے باعث بیمار پڑ گئیں تو؟" اور وہ جواب میں چھینکیں مارتی چلی گئی۔

"دیکھا' ہو گیا نا اثر تب ہی کہہ رہی تھی کہ....."

"امی! دراصل تھکن اس قدر ہو گئی تھی کہ.....آچھیں.....آچھیں.....آچھیں!"

ثوبان زخم کو ڈیٹول سے صاف کر کے مرہم لگانے لگا۔ اس کی درد کی شدت سے سسکی نکل گئی۔

"اُف....."

"ابھی تو کہہ رہی تھیں زخم معمولی ہے۔" وہ جواباً شرارت سے مسکرایا تو وہ گھور کر امی کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں تمہارے لیے دودھ میں ہلدی ڈال کر لاتی ہوں۔ وہ تینوں تو جانے کس بل میں جا گھسی ہیں۔" امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"امی! دودھ اور ہلدی رہنے دیں' بس ایک کپ جوشاندہ لا دیں۔" وہ ثوبان کے رومال سے ناک پونچھتے ہوئے بولی۔

"بس چپکی رہ اب۔ جو اتنا خون بہا ہے وہ کیا جوشاندے سے پورا ہو جائے گا؟" امی نے ڈانٹا۔

"پھوپھو! اس کا بس چلے تو کھانے کی جگہ صرف ہوا کھائے۔ جانے کہاں سے آ گئی ہے اتنی کنجوس۔" ثوبان ہنس کر بولا تو امی بھی مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"تم مجھے بار بار کنجوس مت کہو۔ بچت کرنا اور عقل مندی کا ثبوت دینا کنجوسی کے زمرے میں قطعی نہیں آتا۔ بزرگ کہتے ہیں آج سنبھالو کل کھاؤ۔" اس نے عقل مندی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ کوئی نیا محاورہ ہے کیا؟ اس سے پہلے تو میں نے کبھی نہیں سنا۔" ثوبان نے یکسر لاعلمی کا اظہار کیا' تو وہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"یہ میرا ایجاد کیا ہوا محاورہ ہے۔"

"واہ تو کیا اب تم یہ کام بھی کرنے لگی ہو؟" وہ خاموش رہی' تو وہ مسکرا کر اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"پتا ہے اس وقت تم کیا لگ رہی ہو؟ بھیگی ہوئی چوزی۔"

ریم نے اسے گھور کر دیکھا پھر پاؤں پیچھے ہٹا لیا۔

"تم بھی ایک بار باہر کا چکر لگا آؤ۔ خود ہی بھیگے ہوئے شتر مرغ بن جاؤ گے۔"

"ہاہاہا..... ہاہا.....!" اس نے قہقہہ لگایا۔ تب ہی اچانک وہ بولی۔

"تمہاری جاب کا کیا بنا؟"

"کون سی جاب؟" اس کا لہجہ بے نیازانہ تھا۔ ریم نے اسے ایک نظر دیکھا' پھر گہرا سانس خارج کر کے بولی۔

"وہ جس کو تم نے دو ہفتے پہلے جوائن کیا تھا۔"

"آ..... چھا..... وہ.....!" وہ یوں بولا' جیسے مدتوں پہلے کی کوئی بات یاد آئی ہو۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔ ریم اسے حیرت سے' مگر خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"اسے تو ختم ہوئے بھی ہفتہ ہو گیا۔" اس کا انداز نہایت مطمئن تھا۔

"خرابی کیا تھی اس میں؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھتی پوچھنے لگی۔

"بس وہ مابدولت کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی اور.....!"

"تم آخر ایک جگہ ٹک کر ڈھنگ کا کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟"

"ڈھنگ کا ملے بھی تو!" اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

"ایم اے اکنامکس' ایم اے انگلش کیا یونہی در بدر بھٹکنے کے لیے کیا تھا۔" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کاش ہمارے ملک میں ڈگریوں کی کوئی وقعت ہوتی۔" اس کا لہجہ تاسف بھرا تھا۔ "وہ شاید شاعر نے ہم جیسوں کے لیے ہی کہا ہے۔

در بدر بھٹکنا کیا دفتروں کے جنگل میں
ڈگریاں جلا دینا بیلچے اٹھا لینا

"مگر تم تو یہ کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔ یہ بھی تمہاری شان کے خلاف ہے' اور کچھ نہیں تو کم از کم ماموں کا ہی خیال کر لو۔ وہ تمہاری وجہ سے کس قدر پریشان رہتے ہیں۔ زوہیب بھائی' وقار بھائی دونوں اپنے پیروں پر کھڑے ہیں اور ایک تم ہو....."

"ہا.....س....." اس نے اچانک بیچ میں بول کر اسے مزید کچھ بولنے سے باز رکھا۔

"یہ نصیحت سن سن کر میں تنگ آ گیا ہوں۔ کم از کم پلیز تم تو کوئی اور بات کر لیا کرو۔" اگر میں بے روزگار ہوں' یا مجھے کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں ملتی' تو اس میں بھلا میرا کیا قصور ہے۔ تم مجھے مورد الزام تب ٹھہراؤ جب میں کوئی کوشش ہی نہ کروں یا ہاتھ پاؤں نہ چلاؤں' مگر تم دیکھ رہی ہو۔ دو سال سے جگہ جگہ جوتیاں چٹخانے کے باوجود اب تک میں ہمت نہیں ہارا۔ آج بھی اخبار میں' میں "ضرورت ہے" کا کالم پوری رغبت سے پڑھتا ہوں اور درخواستیں بھی پوسٹ کرتا ہوں مگر....." مگر وہ خدا حافظ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا' جبکہ ریم کافی دیر تک بیٹھی یوں ہی اسی سمت دیکھتی رہی۔ پھر دوپٹہ ایک طرف ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور دوسرے دن جب وہ سو کر اٹھی تو بارش پھر ہو رہی تھی۔ صبح اس کی آنکھ خاصی دیر سے کھلی تھی' اور کچھ پاؤں میں بھی تکلیف تھی۔ تب ہی وہ اسکول نہ گئی تھی' اور اک نہایت معقول وجہ چھت کا رات بھر ٹپکنا بھی رہی تھی۔ جس کے باعث وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکی تھی۔ رات بھر چھت سے پانی "ٹپ.....ٹپ.....ٹپ" گرتا رہا۔ گو اس کا بیڈ قدرے سائیڈ میں تھا' اور پانی عین درمیان سے ٹپک رہا تھا' مگر اس کے باوجود وہ آنکھیں کھولے پانی کے قطروں کو فرش پر رکھے گئے۔ دیگچے میں گرتے ہوئے شمار کرتی رہی۔

"ایک.....دو.....تین....."

"ٹپ.....ٹپ.....ٹپ.....!! ایسی شاندار آواز تو تان سین کے تاروں سے بھی نہ نکلی ہو گی۔"

"اُف!" اس نے آخر کار ان سریلے سروں سے بچنے کے لئے کانوں پر تکیہ رکھ لیا کہ یہ شاندار موسیقی اس کی نازک سماعت پر بہت گراں گزر رہی تھی۔ اس کے ساتھ لیٹی سومیہ نہایت اطمینان سے سو رہی تھی۔

جیسے تیسے رات گزر گئی' مگر صبح وہ اسکول کے لئے نہ اٹھ سکی۔ پھر ناشتہ کرنے کے بعد وہ تکیہ لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی کہ ایک یہ واحد کمرہ تھا' جو ان حسین سروں سے اور جلترنگ بجاتی بوندوں سے محفوظ تھا' اور پھر اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کب وہ گہری نیند میں اتر گئی۔

رم جھم رم جھم
رم جھم رم جھم
بھیگی بھیگی رات میں
ہم تم' تم ہم
چلتے ہیں' چلتے ہیں

پتا نہیں خواب تھا یا حقیقت۔ ریم کو تو گہری نیند میں یہی محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی سہانا سپنا ہے' اور کوئی سریلی دھن میں گا کر اسے ایک حسین دیس میں چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔ آواز نہایت دلکش اور بھاری تھی۔ مگر آواز کسی ایک شخص کی تو نہ تھی۔ یہ تو بہت سے لوگ شاید کورس میں گا رہے تھے۔ مگر آواز بہت واضح تھی۔

آوازوں کا ردھم اسے آخر کار صحیح صورتحال دکھلانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اس نے

چادر منہ پر سے ہٹا کر سر پر موجود ثوبان' حمزہ' سومیہ' سعیدہ وغیرہ کو ایک نظر دیکھا' جو کھلی کھڑکی سے باہر برستا ہوا' ساون دیکھ کر لہکتے ہوئے گا رہے تھے' بلکہ حمزہ تو ساتھ ساتھ نیل بھی مہارت سے بجا رہا تھا۔ وہ اس طرح ڈسٹرب کیے جانے پر تیخ پا ہی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"تم لوگوں کو تکلیف کیا ہے؟" مگر جیسے کسی نے سنا ہی نہیں۔ ویسے ہی لہک لہک کر گاتے رہے۔

آئی ہے دیکھنے جھیلوں کے آئینے بالوں کو کھولے گھٹائیں راہیں دھواں دھواں جائیں گے' ہم کہاں آؤ یہیں رہ جائیں۔

"شٹ اپ!" وہ نہایت زور کے ساتھ کانوں پر ہاتھ کر کے دھاڑی تو یکدم کمرے میں سکوت سا چھا گیا۔ "یہ کیا ہے؟"

"کھی.....کھی.....کھی.....کھی....." کمرے میں دبی دبی ہنسی کی آوازیں پھیل گئیں۔ تب ہی ثوبان گویا ہوا۔

"یہ لائف انجوائے کرنے کے لئے ہے۔ پھر یہ موسم روز روز تو نہیں آتا۔ اگر دل بہلانے کو ذرا سا....."

"ذرا سا' گھنٹہ بھر سے تم لوگ ڈھول پیٹ رہے ہو' میرے سرہانے اور میں سمجھ رہی تھی میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔" اس نے کھلے دراز گیسوؤں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے کہا' تو ثوبان سمیت سب ہنسنے لگے۔

"خیر اتنی مبالغہ آرائی سے تو کام مت لو تم۔ گھنٹہ بھر سے تو نہیں۔ بس پندرہ منٹ سے۔"

"کیا یہ پندرہ منٹ کم ہوتے ہیں' اور تم لوگوں کو انجوائے کرنے کے لیے کیا ایک یہی کمرہ ملا تھا۔" وہ ثوبان کی بات درمیان سے ہی کاٹ کر گویا ہوئی۔ تب حمزہ بول پڑا۔

"ہم تو دوسرے کمرے میں جا رہے تھے' مگر ثوبان بھائی نے کہا کہ اس کمرے سے باہر کا نظارہ حسین نظر آ رہا ہے' لہٰذا اسی کمرے میں قیام کیا جائے۔"

"رات بھر سوئی نہ تھی میں' اب اگر آنکھ لگی ہی تھی تو....." وہ تاسف سے بولی۔

"محترمہ! پھوپھو کی اطلاع کے مطابق آپ صبح دس بجے سوئی تھیں' اور اب تین بج رہے ہیں' سہ پہر کے پانچ گھنٹے کی نیند تو آپ لے ہی چکی ہیں۔ اگر اور سونا مقصود ہو تو آپ

بہ خوشی یہ شوق دوسرے کمرے میں جا کر پورا کر سکتی ہیں۔" ثوبان نے کہا' پھر سومیہ سے بولا۔

"سومی ڈیئر! کیا خیال ہے باہر نہ چلیں آئس کریم کھانے؟" سومیہ' سعدیہ اور نوریا مسکرانے لگیں۔

"ارے زبردست!" حمزہ نے بھی فوراً تائید کی۔

"کیوں کزن تم بھی چلو گی؟" وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"جی نہیں' اور تم لوگوں میں سے بھی کوئی نہیں جائے گا' آئس کریم گھر لے آؤ' سب بیٹھ کر مزے سے کھالیں گے۔ باہر کا موسم ٹھیک نہیں۔" اس نے نادر مشورے سے نوازا' مگر سب کے چہرے اتر گئے۔

"موصوفہ کس صدی کی روح ہو تم؟" ثوبان اس کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا' تو وہ گھور کر رہ گئی۔ تب وہ بولا۔ "اکیسویں صدی میں قدم رکھ رہے ہیں ہم' اور تم اب بھی ایسی دقیانوسی باتیں کرتی ہو۔ "موسم ٹھیک نہیں۔" اس نے باقاعدہ اس کے انداز میں کہا' تو سب ہنسنے لگے۔

وہ ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی۔

"ثوبان بھائی! اگر آپی نہیں جاتیں تو نہ سہی' ہم نہیں جاتے۔" سومیہ نے کہا۔

"ہاں میں گھر ہی لے آتا ہوں آئس کریم۔" حمزہ بھی اٹھنے لگا۔

"رکو یار۔" اس نے فوراً ہاتھ تھام لیا۔ پھر ریم کی طرف دیکھ کر بولا۔ "محترمہ کنجوس صاحبہ! آپ تیار ہو جائیں' مل سیری جیب سے ادا ہوگا۔" اور تب ایک دم ریم کے ہونٹوں پر دھیمی مسکان پھیل گئی۔

"کیوں کیا بیٹھے بیٹھے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟"

ہم مزاجاً فقیر ہیں اور لوگ
شاہ بن بیٹھے ہیں پل بھر میں

وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"چلو ناریم اب تو اٹھ جاؤ۔" حمزہ بولا۔ تب وہ مجبوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ البتہ چلتے وقت اسے چھاتا ساتھ لے جانا نہ بھولا۔

اور جب سب ہلکی ہلکی پھوار سے محظوظ ہوتے ہوئے آئس کریم کھانے میں مشغول تھے'

تب وہ چھاتا کھولے بے حد سج سج کر قدم اٹھا رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں آئس کریم تھی۔

"تمہاری آپا کے خیال میں یہ موسم صرف امیروں کے انجوائے کے لئے ہے۔" ثوبان ہنستا ہوا بولا۔

"میں نے کب کہا ایسا؟" وہ چونک کر بولی۔

"کہا نہیں مگر سوچتی تو ہونا؟" وہ اعتماد سے پوچھ رہا تھا' اور تب وہ جواب دیئے بغیر سر جھکا گئی۔

"کاش ہم بھی بہت امیر ہوتے' ہزار دو ہزار گز پر مشتمل اپنا گھر ہوتا۔ ایک لمبی گاڑی ہوتی اور....." سومیہ جو ایک جذب سے بول رہی تھی' یکدم چپ ہو گئی۔

"بس سومی ڈیئر واپس لوٹ آؤ' اس سے آگے میرے سپنوں کا محل ہے۔ کہیں اسے دیکھ کر تم رستہ ہی نہ بھٹک جاؤ۔" ثوبان بولا تو حمزہ ہنس پڑا۔

"ثوبان بھائی! کیا آپ بھی خواب دیکھتے ہیں؟"

"یہ پوچھو کب خواب نہیں دیکھتے؟" ریم ہنستے ہوئے بولی' تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"ہوں' کبھی سچ بھی ہوں گے اپنے سپنے۔" انداز کھویا کھویا سا تھا۔

"سچ تو تب ہوں گے' جب تم ڈھنگ سے ایک جگہ ٹک کر کام کرو گے۔" ریم بولی تو وہ دیکھنے لگا' پھر بولا۔

"ڈیئر کزن! اپنے جو خواب ہیں وہ ہزار دو ہزار میں ہرگز خریدے نہیں جا سکتے۔ ان کے حصول کے لئے رقم بھی تگڑی چاہیے۔"

"مگر یہ تگڑی رقم آئے گی کہاں سے ثوبان بھائی؟" سعدیہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

"یہی تو پتا نہیں۔" وہ گردن نفی میں ہلاتا ہوا بولا اور پھر یونہی چلتے چلتے گھر آ گیا۔

"وہ کچن میں کھڑی کھانا تیار کر رہی تھی' جب اچانک وہ آ گیا۔

"ریم! کچھ پیسے مل سکتے ہیں؟" وہ چونک کر دیکھنے لگی' تب وہ بولا۔

"ادھار!"

"کتنے؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"پانچ سو تک۔" وہ بولا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اندر چلی گئی' پھر آئی تو اس کے ہاتھ میں پانچ سو کا نوٹ تھا۔ جسے اس نے ثوبان کی سمت بڑھا دیا۔

"جاب ملتے ہی میں لوٹا دوں گا۔" اس نے تھامتے ہوئے یقین دلایا' تو وہ مسکرا کر بولی۔

"میں دعا کروں گی' تمہیں جلد نوکری مل جائے۔" اس کے لبوں پر شرارت تھی۔

"تھینک یو ریم۔"

"بس.....بس....." وہ بولی اور پھر مڑ کر ہانڈی میں ڈوئی چلانے لگی۔

"کیا بنا رہی ہو؟"

"بیسن کی کڑھی اور چاول۔ تمہیں پسند ہیں نا؟"

"ہوں مگر آج میں بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ کھا نہیں سکوں گا۔" وہ بولا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ ریم تا دیر پلٹ کر اسے دیکھتی رہی۔

✦ ◈ ✦

"نالائق' نانہجار' دو سال سے مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہے۔ والدین اولاد کے جوان ہونے پر اس لیے خوش ہوتے ہیں' کہ وہ ان کے بڑھاپے کی لاٹھی بنتے ہیں۔ مگر آپ کے یہ ہونہار صاحب زادے الٹا خود ہم پر بوجھ بنے بیٹھے ہیں۔" عمر قریشی خاصی تیز آواز میں بول رہے تھے' جب ریم نے دہلیز پر قدم رکھا۔

"آداب ماموں جان اور مامی جان!" اس نے سر جھکائے خاموش مجرم نظر آتے ثوبان قریشی کو ایک نظر دیکھا۔

عمر صاحب جو آج دل کی تمام بھڑاس نکال لینا چاہتے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر یک دم چپ ہو گئے' اور ریم کے آداب کا جواب دیتے ہوئے بولے۔

"کیسی ہو بیٹا تم؟"

"ٹھیک ہوں۔" اس نے پھر ثوبان کو دیکھا' جواب اس کی سمت دیکھے بغیر اٹھ کر پہلے اندر گیا' اور پھر دوسرے ہی پل نکل کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ ریم نے اس صورتحال کو دیکھا' پھر مامی کے پاس بیٹھ گئی۔ تب ہی مامی گویا ہوئیں۔

"آپ کو اتنا سخت رویہ نہیں رکھنا چاہیے' عمر صاحب! جوان اولاد ہے۔ غصے میں آ کر کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ وہ اپنے شوق اور خوشی سے تو بے روزگار نہیں پھر رہا۔ بندے کے اختیار میں تو جو ہوتا ہے وہ کرتا ہے۔ وہ بھی مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ اب اگر کامیابی نہ ہو

تو آپ اسے قصوروار نہیں کہہ سکتے۔" انہوں نے بیٹے کا پورا پورا دفاع کیا۔

"بیگم! آپ بلاوجہ اس نالائق کی سائیڈ نہ لیں۔ اس دو سال کے عرصے میں تین عدد ملازمتیں میں نے اسے خود دلوائیں' مگر وہ پانچ کسی ایک جگہ بھی نہ ٹک سکا۔"

"ان تین میں سے کوئی معقول بھی ہوتی تب ناں۔ کہیں کلرکی' کہیں سیلز مین' اب اتنا پڑھ لکھ کر وہ اس طرح کی چاکریاں تو کرنے سے رہا۔"

"ہاں آپ کے ہونہار سپوت کو تو اعلیٰ قسم کی ملازمت طشتری میں کی سجائی مل جائے گی۔ ارے اس ملک کی 131.1 ملین آبادی میں سے 36.70 ملین صرف لیبر ہیں' اور 4.84 فیصد لوگ Unemployment کا شکار ہیں۔ ہمارا ملک ان ترقی پذیر ملکوں میں سے ہے' جس میں Dependacy روز بروز Increase ہو رہی ہے۔ کمانے والا ایک ہے تو کھانے والے دس ہیں۔ ایسے میں اگر کسی کو کلرکی یا اسی جیسی کوئی اور نوکری مل جاتی ہے' تو ان کے لئے وہ بھی غنیمت ہے۔ یہاں لوگ مزدوری کے لئے بھی ترستے ہیں۔ کبھی باہر نکل کر دیکھو لائن لگی ہوتی ہیں' ایسے لوگوں کی جو سیمنٹ اور بجری ڈھونے کے لئے اینٹیں اٹھانے کے لئے بے قرار نظر آتے ہیں۔ آپ کے صاحب زادے نے کوئی انوکھی ڈگریاں نہیں حاصل کر رکھیں۔ اس لمبی قطار میں کئی نوجوان ایسی ہی ڈگریوں کے حامل نظر آتے ہیں۔ اور وہ لوگ بغیر کسی شرم یا جھجک کے وہ کام سرانجام بھی دیتے ہیں۔ آپ کے سپوت کی طرح اس آس میں نہیں بیٹھے رہتے کہ کوئی آئے اور پلیٹ میں ان کی مرضی اور پسند کی نوکری رکھ کر انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش کر دے۔" ماموں تند لہجے میں طنز کے تیر برساتے ہوئے اندر غائب ہو گئے۔ تب مامی گہرا سانس خارج کر کے اس کی سمت متوجہ ہوئیں۔ جو سر جھکائے ایسے بیٹھی تھی' جیسے اصل مجرم وہی ہو۔

"ناہید کیسی ہے؟ کتنے دنوں سے آئی نہیں وہ؟"

ریم چونک کر دیکھنے لگی' پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔ امی کہہ رہی تھیں' وہ چکر لگائیں گی۔"

"باقی بچے سب ٹھیک ہیں؟"

"جی۔"

"تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"جی ٹھیک جا رہی ہے۔" وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔

"تم بیٹھو' میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" مامی اٹھنے لگی تھیں' تب ہی وہ بولی۔

"نہیں' اس وقت موڈ نہیں۔ یوں بھی میں ابھی کھانا کھا کر آ رہی ہوں۔ یہ آمنہ اور رقیہ بھابی نظر نہیں آ رہیں۔ بچوں کا شور بھی نہیں ہے؟" وہ مسکرائی۔

"ہاں دونوں میکے گئی ہوئی ہیں' بھائی کی شادی ہے نا۔ ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد ہی واپسی ہو گی اب۔"

"تب ہی آپ اتنی اداس نظر آ رہی ہیں' بچوں کے بنا دل نہیں لگتا نا آپ کا؟"

"ہاں یہ تو ہے۔ تم بیٹھو ثوبان کے لئے میں نے کھیر بنائی تھی' مگر اس لڑائی جھگڑے میں وہ کھا ہی نہیں سکا۔ تمہارے لیے لے آتی ہوں میں۔" مامی اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ تب وہ بھی اٹھ کر یونہی ٹہلنے لگی۔ پھر ایک دم نظریں ثوبان قریشی کی دیوار پر لگی تصویر پر جا ٹھہریں۔ وہ کئی لمحے یونہی خاموشی سے دیکھے گئی۔

"کیوں کرتے ہو تم ایسا۔ بے عزتی تمہاری ہوتی ہے' اور شرمندہ میں ہوتی ہوں اور تم....." وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی' جب مامی جان اس کے لئے کھیر لے کر آ گئیں' اور تب وہ پلٹی اور پھر مامی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی کھیر کھانے لگی۔

پھر کتنی ہی دن ثوبان قریشی اس سے نہ ملا۔ اسکول سے واپسی پر وہ گھر جانے کے بجائے دو گلیاں کراس کر کے عمر ماموں کے ہاں چلی گئی۔ گیٹ پر سے کنڈی اتار کر وہ اندر داخل ہوئی تو گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ شاید آمنہ اور رقیہ بھابی ابھی واپس نہ آئی تھیں' اور مامی شاید سو رہی تھیں۔ اس نے خاموشی سے یہی نتیجہ اخذ کیا۔ تب ہی شام میں آنے کا ارادہ کر کے پلٹنے والی تھی' جب اچانک وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"آئی ہو اور ملے بغیر واپس بھی پلٹ رہی ہو؟" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ تب وہ اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں' میں سمجھی تھی سب سو رہے ہیں۔ تم اتنے دن سے کہاں تھے؟" اس نے بتانے کے ساتھ ہی پوچھ بھی ڈالا' تو وہ اس کی جانب شرارت سے دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔

"کیوں، دل اداس ہو گیا تھا کیا؟"

"شٹ اپ!" وہ آنے والی مسکراہٹ کو دبا کر ہونٹ بھینچ گئی۔

"پھر کوئی کام تھا کیا؟" وہ پھر پوچھنے لگا' اور تب وہ سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔ پھر اس کے چہرے پر پھیلی دلفریب مسکراہٹ کو دیکھ کر جلدی سے بولی۔

"دراصل اس روز کے ماموں جان کے الفاظ میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بنے رہے' مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم....."

"خودکشی ہی نہ کرلوں' ہیں ناں؟" وہ اس کی بات کاٹ کر ہنسنے لگا۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔ "ثوبان قریشی اتنا بزدل ہرگز نہیں ریم بی بی۔ جو ذرا ذرا سی پریشانیوں اور تکلیفوں سے گھبرا جائے۔ خدا نے اگر اسے پہاڑ جیسا مضبوط اور فولادی وجود دیا ہے' تو اس سے کئی گنا مضبوط دل بھی عطا کیا ہے۔"

ریم نے اس کی جانب دیکھ کر نظریں نیچی کرلیں۔

"اسکول سے سیدھی آئی ہو کھانا لاؤں؟"

"نہیں کھانا میں گھر جا کر کھاؤں گی' بس تم ایک گلاس پانی پلادو۔" وہ اٹھ کر فریج سے بوتل نکال لایا اور پانی گلاس میں ڈال کر اس کی سمت بڑھا دیا' جسے اس نے لے کر ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اتار لیا۔

"باہر بہت گرمی ہے نا؟" وہ اس کی ترپیشانی کو دیکھتے ہوئے پنکھے کی اسپیڈ تیز کرنے لگا۔

"ہاں پہلے میں سیدھی گھر ہی جانے والی تھی' مگر پھر سوچا پہلے تمہاری خیریت معلوم کر لوں۔" وہ بولی تو وہ یکدم اسے بغور تکنے لگا' اور وہ جیسے اس کی نظروں سے خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں اب۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ اس کی کیفیت کو بھانپ کر دلکشی سے مسکرا دیا۔

"بیٹھو نا ابھی تو آئی ہو۔" پھر نہایت شرارت سے جھک کر بولا۔ "اگر تم اکیلی ہونے کے باعث خوفزدہ ہو رہی ہو تو میں اماں کو اٹھا دوں؟" وہ جواب میں گھورنے لگی' تو وہ ہنستا چلا گیا' پھر بولا۔

"چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی' اور پھر اس کی سنگت میں چلنے لگی۔

"ریم! کیا تم بھی خواب دیکھتی ہو؟" وہ اچانک بولا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر مکمل سنجیدگی تھی' اور وہ سامنے موجود ہجوم کو دیکھ رہا تھا۔ تب وہ بھی دھیمی آواز میں بولی۔

"ظاہر ہے۔ جب ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے تو پھر میں کیوں محروم رہوں۔"

"کیسے خواب دیکھتی ہو تم؟"

وہ اس کی سمت دیکھنے لگی' پھر یکدم مسکرا دی۔

"کون سے والے خوابوں کی بات کر رہے ہو' نیند والے یا جاگتی آنکھوں والے؟"

"نیند والے خواب ہم دیکھنے پر قدرت نہیں رکھتے' وہ خود بخود آتے ہیں' میں جاگتی آنکھوں کے خواب پوچھ رہا ہوں۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہوئے بولا تو وہ بولی۔

"میرے خوابوں کی عمارت اتنی بلند و بالا نہیں' اور نہ ہی ان کا حصول مشکل ہے۔ بہت سادہ اور عام سے خواب ہیں میرے۔" وہ اس کی سمت دیکھتی ہوئی دھیمے لہجے میں بولی۔

"ویسے ہی عام سے خواب' جو پاکستان کی تقریباً ہر لڑکی دیکھتی ہے۔ بلکہ مشرق کی تمام بیٹیوں کی آنکھوں میں یہ خواب ازل سے ابد تک جھلملاتا رہتا ہے۔ ایک گھر ہو' در بچہ ہو....."

"اور....." وہ شرارت سے تکنے لگا' تب وہ جھینپ گئی اور مزید کچھ نہ بولی۔ گھر آیا تو چپ چاپ دہلیز پار کر گئی۔ وہ جب باہر ہی کھڑا رہا' تب وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"اندر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں شام کو آؤں گا۔" وہ بولا اور پھر اسے ایک نظر مسکراتی آنکھوں سے دیکھ کر واپس پلٹ گیا۔ تب ریم بھی دروازہ بند کر کے اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

اس دن وہ اسکول میں تھی' جب دس بجے پیون نے آکر اچانک اطلاع دی کہ کوئی گھر سے لینے آیا ہے۔ وہ یکدم پریشان ہو کر اسٹاف روم کی سمت بھاگی' اور سامنے ثوبان قریشی کو دیکھ کر بے اختیار ہو کر پوچھ ڈالا۔

"تم..... یہاں..... گھر میں خیریت تو ہے نا۔ سب ٹھیک ہے نا؟" اسے وہ لمحہ یاد آیا جب تین سال پیشتر ثوبان ابو کے انتقال کی خبر لے کر آیا تھا' اور اب.....

اس کا دل بے حد خوفزدہ ہو چکا تھا۔ مگر ثوبان کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ پاس بیٹھی اس کی کولیگ اسماء بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

"ہاں بھئی سب خیریت ہے۔" وہ مسکرا کر بولا' مگر اس کا تاثر پھر بھی نہ بدلا۔

"امی تو ٹھیک ہیں' حمزہ تو.....؟"

"سب ٹھیک ہیں بھئی۔" وہ ارد گرد ایک نظر ڈال کر آہستہ سے بولا۔ "تم پرس اٹھاؤ اور چلو میرے ساتھ۔"

"مگر....."

"سب ٹھیک ہے نا۔ چہرے کا زاویہ کیوں بگاڑ رہی ہو' پہلے ہی کیا کم بدصورت ہو۔" وہ اگرچہ دانت بھینچ کر نہایت دھیمی آواز میں بولا تھا' مگر اس کے باوجود قدرے فاصلے پر بیٹھی اسماء کے کانوں تک اس کی آواز پہنچ گئی تھی' اور وہ مسکرائی بھی تھی' اس کے جملے پر۔

ریم نے ایک نظر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر آگے بڑھی اور ٹیبل پر سے اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ پھر پلٹی اور پرس وغیرہ اسے تھما کر دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمانے لگی۔ تب ہی اسٹاف روم میں اس کی کولیگ لبنیٰ داخل ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" ایک نظر دروازے میں ایستادہ بلو جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس لمبے چوڑے مضبوط سراپا کے مالک بے نیاز نظر آتے شخص پر ڈالی' پھر ریم سے پوچھنے لگی۔ وہ کیا کہتی' بے ساختہ ثوبان کی سمت دیکھنے لگی اور تب لبنیٰ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ایک ادا سے جھٹک کر ہنستے ہوئے بولی۔

"کیا "ڈیٹ" پر جا رہی ہو؟" ریم یکدم بوکھلا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔ تب لبنیٰ پلٹ کر ثوبان کی طرف ایک نگاہ ڈالتی ہوئی دوبارہ اس کی سمت گھومی۔

"ساتھ جانے والی پرسنالٹی تو بلاشبہ زبردست ہے۔ "ڈیٹ" کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" اس کا انداز بے باک اور شرارت سے پُر تھا۔ ثوبان بھی متوجہ ہو گیا تھا' اور ریم جانے کیوں اس لمحے خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

"میرے کزن ہیں وہ اور جس طبقے سے ہمارا تعلق ہے اس میں....."

"ہاؤ فنی یار۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔" وہ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو ایک نظر دیکھ کر ہنسی پھر مسکرا کر بولی۔

"اپنے کزن سے کیا میرا تعارف نہیں کراؤ گی؟"

"یہ میرے کزن ہیں ثوبان قریشی اور ثوبان یہ میری کولیگ لبنیٰ۔"

ثوبان نے سر سے پاؤں تک اسے بغور تکا پھر مسکرا دیا۔

"گلیڈ ٹو میٹ یو۔" تب وہ ماڈسی نظر آنے والی لڑکی یکدم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ "وہ کسی شاعر نے شاید ہمارے لیے ہی کہا ہے۔

ہم سے ملنے کی جستجو کرنا!
ہم سے مل کر تمہیں خوشی ہو گی

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"کچھ ایسا ہی دعویٰ ہم بھی کرتے ہیں۔" ثوبان کا انداز شاہانہ تھا۔ لبنیٰ نے اسے دیکھا پھر مسکرا دی۔

"پھر تو آپ سے تفصیلی ملاقات کرنا پڑے گی۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ ریم ہونٹ کاٹتی ہوئی سر جھکائے رہی۔ ثوبان کی نظریں بھی تو کیسی چپک کر رہ گئی تھیں اس پر۔ وہ تب ہی اپنے پیچھے دلچسپی سے تمام صورتحال کو تکتی اسماء کی سمت گھومی۔

"ثوبان' ان سے ملو۔ یہ اسماء وجاہت ہیں۔" تب اس نے اس کی سمت دھیرے سے دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ پھر اس کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا خیال ہے چلیں؟" ثوبان کی نظریں پھر لبنیٰ کے سراپا سے الجھنے لگی تھیں۔

"ہوں۔" وہ بولی اور پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر جلدی سے اسے لے کر باہر نکل آئی۔ عمارت سے باہر نکلنے تک اس نے کوئی بات نہ کی۔ موڈ جانے کیوں بے حد آف ہو چکا تھا۔ تب ہی باہر نکلی تو سامنے کھڑی سرخ گاڑی کو دیکھ کر بھی نہ پوچھ سکی کہ یہ کس کی ہے۔ بس چپ چاپ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ثوبان قریشی نے ایک نظر مسکرا کر اسے دیکھا' مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ بازو کھڑکی پر دھرے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

وعدے نہ ہوں' قسمیں نہ ہوں
شرطیں نہ ہوں' رسمیں نہ ہوں
پیار میں پیار ہی پیار ہو!
لا لا لا.....لا لا لا.....لا

ثوبان ساتھ ساتھ گنگنانے لگا۔ وہ اضطرابی انداز میں ہونٹ کاٹتی رہی۔

نہ کوئی روٹھے اور نہ منائے
بس ایک دوجے پہ دھڑکن لٹائیں
کھوئے رہیں صنم ہم تو!
پیار میں پیار ہی پیار ہو

"اچھا گیت ہے نا؟" اس کے پھولے پھولے سے چہرے کو دلچسپی سے تکتے ہوئے پوچھا۔ اس نے ویسے ہی بیٹھے بیٹھے سر ہلا دیا۔ "ناراض ہو؟" بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواب پھر سر ہلا کر دیا گیا۔ اسے جانے کیوں ہنسی آ گئی۔

"پھر چپ کیوں ہو؟"

"میری مرضی۔" وہ بولی پھر گاڑی کو ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رکتے دیکھ کر چونک گئی۔

"یہ تم کہاں لے آئے ہو؟"

"اطمینان رکھو۔ علاقہ غیر نہیں ہے۔"

"مگر۔"

"چلو اتر داب۔" اس نے اتر کر اس کی سمت کا دروازہ کھول دیا۔ تب وہ بادل نخواستہ اتر آئی۔ ثوبان نے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر اعتماد کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا اسے لے کر اندر داخل ہونے لگا۔ ایک خالی میز کے قریب جا کر وہ رکا۔

"تم بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ بولا اور پھر مڑ کر غائب ہو گیا۔ ریم بیٹھ کر گلاس ڈور کی سمت دیکھنے لگی۔ جہاں ابھی ابھی ثوبان غائب ہوا تھا۔ شہر کا بہت مشہور و معروف ریسٹورنٹ تھا یہ۔ ریم نے اردگرد ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر جائزہ لیا۔ تب ہی ثوبان پشت پر ہاتھ باندھے اس کی طرف آ گیا۔

"کیا ہو رہا ہے' یہ آخر تم مجھے یہاں کس لیے لائے ہو؟" وہ تیز لہجے میں بولی' مگر اسی پل ثوبان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی' پھر مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ حیرت سے تکنے لگی۔ تب اس نے پیچھے سے ہاتھ نکال کر سامنے کیا۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا بے حد خوب صورت اور نفیس بوکے تھا۔ سائیڈوں پر گرین پتے' گلابوں کی دلکشی میں بے پناہ اضافہ کر رہے تھے۔

"یہ.....؟" ریم الجھ کر بولی۔

"ہیپی ہیپی ریٹرن آف دی ڈے۔" اس کا دھیما لہجہ جذبوں کے بے پناہ گلاب لٹاتا تھا۔ ریم کتنی ہی دیر بے یقینی سے تکتی رہی پھر حیرت سے بولی۔

"تمہیں کیسے یاد رہا؟"

"بس رہ گیا۔" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

"مگر مجھے تو اپنی برتھ ڈے بالکل بھی یاد نہ تھی۔"

وہ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "تم نے صرف اس مقصد کے لئے میرا اتنا قیمتی وقت برباد کیا۔ مجھے اسکول سے اٹھا لائے اور....." تبھی وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"کیا تمہارے نزدیک ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی کوئی قیمت نہیں؟"

"مگر تم کو اتنا فضول کا خرچا کرنے کی کیا ضرورت تھی' اور یہ سب پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟"

"چوری کی ہے' ڈاکہ ڈالا ہے۔" وہ برہم ہو کر بولا' تو ریم ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی۔

"یہ سب کرتے وقت کتنا خوش تھا میں۔ اس امید کے ساتھ کہ تم یہ سب دیکھو گی' اور خوش ہو گی کہ' مگر تم.....!" وہ تیز مگر دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے بولا اور چہرہ موڑ لیا۔ اس کی ناراضی کے خیال سے ہی ریم کی روح دہل گئی۔ فوراً نظر اٹھا کر دیکھا۔ دھیرے سے مسکرائی۔

"تھینک یو۔" مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہ ہوا۔ تب ریم نے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ناراض ہو گئے ہو؟ چلو سوری۔ اب بولو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

ثوبان نے اسے ایک نظر دیکھا' وہ اس کی سمت دیکھ کر مسکرا رہی تھی' تب وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔

"او کے۔" ویٹر آیا تو اس نے اپنی پسند سے آرڈر دے دیا۔ "پتا ہے تم آج کے دن گیارہ بجے پیدا ہوئی تھیں' اور میں چاہ رہا تھا کہ اسی وقت تمہیں وش کروں۔"

"کیوں؟" دل سے بے ساختہ صدا ابھری' مگر لبوں تک نہ آ سکی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور وہ بولتا گیا۔

"انسان کی زندگی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے ہی خوب صورت بنتی ہے' چھوٹی چھوٹی

باتوں کو' لمحوں کو اگر ہم فراخ دلی کے ساتھ کیش کرواتے رہیں تو زندگی حقیقی معنوں میں دلکش ہو جاتی ہے۔'' وہ بولتے بولتے ایک دم رکا' پھر چونک کر جیب میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

''یہ تو تمہارا گفٹ۔'' ریم نے سر اٹھا کر دیکھا بہت دلکش ریپر میں کوئی شے نفاست سے پیک تھی۔

''کیا ہے یہ؟'' اس نے تھامتے ہوئے پوچھا۔

''کھول کر دیکھ لو۔'' وہ مسکرایا۔ مگر اس نے عمل نہیں کیا اور یونہی بیٹھی رہی۔

''کھولو نا۔''

''نہیں گھر جا کر دیکھوں گی۔''

''تنہائی میں؟'' وہ مسکرایا اور خجل سی ہو کر سر جھکا گئی۔ پھر چونک کر بولی۔

''یہ گاڑی کس کی ہے اور تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟''

تب ہی ویٹر آ گیا تو وہ دونوں چپ ہو گئے۔ وہ آرڈر سرو کر کے چلا گیا' تب ریم نے اپنی بات دوبارہ دہرائی۔ وہ گہرا سانس لے کر خاموشی سے دیکھنے لگا۔

''تم آم کھانے سے غرض رکھو' پیڑ گننے سے نہیں۔'' وہ کہہ کر چائے کے سپ لینے لگا۔

''پھر بھی؟'' وہ ہر صورت جاننا چاہ رہی تھی۔ تب وہ اکتا کر بولا۔

''گاڑی ایک دوست کی ہے اور پیسے میری حق حلال کی کمائی کے ہیں۔ کچھ مزید بھی پوچھنا ہے یا جو جاننا چاہتی ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ ریم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''نوکری کب ملی تمہیں؟''

''نوکری نہیں ملی۔''

''پھر؟''

''بابا ٹیوشن کر رہا ہوں آج کل۔ بس یا کچھ اور۔'' وہ جل کر بولا تو وہ گھورنے لگی۔

''اس طرح کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو؟''

''تم بھی تو الٹے سیدھے سوال پوچھ رہی ہو۔''

ترکی بہ ترکی جواب آیا تھا۔

''الٹے سیدھے کہاں' میں تو.....''

''چلو بس کرو۔ ہم یہاں لڑنے جھگڑنے کے لیے نہیں آئے۔ اب یہ حال ہے تو آگے جا کر پتا نہیں کیا ہوگا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو ریم جھینپ کر سر جھکا گئی۔

اور جب وہ واپس باہر نکلے تو موسم بے پناہ دلکش ہو رہا تھا۔ بادلوں نے آسمان کو احاطہ رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔

''دیکھو موسم بھی تمہیں وش کر رہا ہے۔ مطلع ہوائیں تمہیں جنم دن پر مبارک کہہ رہی ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ ہنس دی۔

''یہ سیلی بریشن یادگار ہوگی میرے لئے' تاحیات۔''

ثوبان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا' اور وہ جو ہاتھ اس کی گرفت میں آنے پر پہلے ہی کن فیوز ہو گئی تھی' تب بے تحاشا چونک کر دیکھنے لگی۔ مگر اس کی آنکھوں میں شاید کچھ تھا' جو زیادہ دیر دیکھ نہ سکی۔ اور دوسرے ہی پل سر جھکا گئی۔ وہ ہنس دیا۔ تب ہی اس نے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا۔

اس کی پرتپش نظریں اس کے چہرے کو گویا جھلسانے لگیں۔ تب ہی وہ جلدی سے بولی۔

''پلیز تیز چلاؤ نا۔'' پھر راستوں پر دھیان دیا تو مزید چونک گئی۔

''یہ تم اب کہاں لے کر جا رہے ہو؟ گھر چلو بھئی۔''

''ابھی صرف بارہ بجے ہیں' اور کم از کم تین بجے تک ہم ساتھ رہیں گے۔''

''مگر امی کو پتا نہیں اور۔''

''میں بتا کر آیا تھا۔'' اس نے جھوٹ بولا۔ مگر وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے اصل جان گئی۔

''جھوٹ مت بولو۔ گھر چلو۔''

''میں جھوٹ تو نہیں بول رہا۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بغیر مسکرایا۔

''اب آنکھیں چرانے سے کوئی فائدہ نہیں' میں سچ پڑھ چکی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا' صرف یہی سچ؟ کچھ اور نظر نہیں آیا تمہیں؟'' وہ شرارت سے مسکرا کر بولا تو وہ جھکا کر ناخنوں پر لگی کیوٹکس کو دیکھنے لگی اور ثوبان قریشی کے لبوں پر رقص کرتی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

رات جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں سونے کے لئے آئی تو یکدم صبح والا

حسین منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ تازہ گلابوں کی مہک سے یکدم ہی کمرا معطر ہو گیا۔ تب اس کے لبوں کو ایک دلکش تبسم چھو گیا۔ انھی اور آہستہ سے پرس میں سے اس کے دیے گئے گفٹ کو نکالنے لگی۔ پیکٹ کھولا تو ایک ننھا منا سا کارڈ پھسل کر نیچے جا گرا۔ اس نے دھیان دیئے بغیر پیکٹ میں سے برآمد ہونے والی نازک سی گولڈن رسٹ واچ کو دیکھا' جس کی سوئیاں سوا گیارہ پر ٹھہریں ہوئی تھیں۔ وہ کتنے ہی پل ساکت سی دیکھتی رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے سر جھٹک کر کارڈ اٹھا لیا۔

My Best Friend

کارڈ کی پیشانی پر سنہری حروف میں تحریر تھا۔ جانے کیوں اس کے ہاتھ لرز رہے تھے' اور دل دھڑکنوں کی مدہوش کن لے پر کئی ترانے گنگناتی محسوس ہو رہی تھی۔

دل میں یہاں سے وہاں تک کوئی خوشبو سی پھیلتی چلی گئی۔ اس نے کارڈ اور گفٹ کو لفافے میں ڈال کر الماری کے لاکر میں رکھا' پھر پلنگ پر آن لیٹی۔ ایک عکس اپنی پوری آن بان کے ساتھ مسلسل پلکوں کی چلمن پر ایستادہ دلربا لفظوں کے مدھر گیت چھیڑتا رہا تھا۔

محبتوں کی وحی پڑھتا رہا۔

وہ مسکراتی ہوئی کروٹ بدل گئی۔ مگر تب بھی یہ تسلسل ٹوٹا نہیں۔ تخیل کا رنگ اور بھی گہرا ہوتا چلا گیا۔

دھڑکنیں انوکھے سروں کے راگ الاپنے لگیں۔ تب وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور پھر کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ چیت کا چاند عین آسمان کے وسط میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر بے خودی میں اسے دیکھتی رہی' پھر جیسے اس چاند میں ایک چہرہ ابھرنے لگا۔ مسکراتا' چمکتی صاف و شفاف جذب لٹاتی نگاہوں والا تر و تازہ چہرہ۔

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب منا جاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں

یہ سارے دلربا منظر
طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے موسم
یا ہلکے سکھ کی برساتیں
سبھی اک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یہ کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی!!

اندر کہیں جیسے سرگوشیاں سی ہونے لگیں۔ تب اس نے سر جھٹکتے ہوئے تمام کیفیات کو جیسے جھٹکنا چاہا' اور پھر کھڑکی بند کر کے دوبارہ پلنگ پر آن لیٹی۔ لیمپ آف کرتے کرتے اس نے ایک نظر کلاک کو دیکھا تو جان لرز گئی۔ نصف شب وہ اسی خیال کو سوچتے ہوئے گزار چکی تھی' اور صبح اسے جلدی اٹھ کر اسکول بھی جانا تھا۔ تب اس نے جلدی سے لیمپ آف کیا۔ سر تک چادر تان لی اور سختی سے آنکھیں میچ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

✦ ◈ ✖

اس روز بسوں کی اسٹرائیک تھی۔ وہ آتو جیسے تیسے گئی تھی' مگر اب جانے کا مسئلہ درپیش تھا۔ لبلی اس کی صورت سے اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی' تب ہی دوستانہ انداز میں بولی۔

''تمہیں میں ڈراپ کردوں؟'' وہ جواب میں خاموشی سے دیکھنے لگی۔ تب وہ مسکرادی اور ساتھ ہی بولی۔

''مجھ پر اعتبار کرو بھئی' تمہیں اغوا ہرگز نہیں کروں گی۔ یوں بھی میں خاصی بے ضرر سی لڑکی ہوں۔ اپنی ذات میں مست رہنے والی۔ دوسرے کیا کررہے ہیں؟ کیوں کررہے ہیں مجھے اس سے قطعی کوئی سروکار نہیں ہوتا۔''

ریم نے سراٹھا کر اسے ایک نظر دیکھا' پھر دھیرے سے مسکرادی' اور ساتھ ہی اس کے ساتھ چلتی ہوئی اس کی نیو ماڈل کی سلور گرے گاڑی کی طرف چلی آئی۔

''ایک بات پوچھوں؟'' فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہوئے اس نے لبلی کی سمت دیکھا۔ جواب میں اس نے ریم کو سیاہ سن گلاسز کے پیچھے سے دیکھا' پھر اے سی کی کولنگ بڑھاتے ہوئے اثبات میں سرہلا دیا۔

''یہ چار پانچ ہزار کی جاب تم آخر کس شوق کی تسکین میں کررہی ہو۔ جبکہ دیکھنے میں تم قطعی ضرورت مند نہیں لگتیں۔''

جواب میں لبلی نے اسے ایک نظر دیکھا' پھر مسکرادی۔

''تمہیں کیسے پتا کہ میں ''ضرورت مند'' نہیں ہوں؟''

''تمہارا ظاہر چیخ چیخ کر یہ راز افشا کررہا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی تو وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگی' اور ریم کو اس کی یہ ہنسی بے حد کھوکھلی محسوس ہوئی۔ تب ہی وہ گویا ہوئی۔

''میرے پاس سب کچھ ہے' مگر سکون نہیں ہے۔ اور اسی کی تلاش میں' میں مگری مگری

پھر رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ یاس بھرا تھا۔ ریم نے اس کی سمت دیکھا' مگر اس کے تمام تاثرات سیاہ چشمے کے پیچھے چھپے رہ گئے۔ وہ مکمل توجہ کے ساتھ ونڈ اسکرین کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''پہلے امریکہ میں مگر مگر گھومتی رہی اور اب یہاں۔ مگر ڈیڑھ سال کی تلاش کا حاصل فقط صفر ہے۔ اب سوچتی ہوں تو ہنسی بھی آتی ہے کہ جب بائیس سال تک امریکہ اور یورپ گھوم کرنا کام رہی ہوں تو اس چھوٹے سے ملک میں بھلا کہاں تقدیر کا سورج چمکے گا۔'' اس بظاہر شوخ و شنگ نظر آنے والی لڑکی کا لہجہ کسی بہت گہرے کرب کی غمازی کررہا تھا۔ تب ہی وہ دوستانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''کوئی مسئلہ؟''

لبلی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر مسکراتی ہوئی یکدم نفی میں سرہلانے لگی۔

''تم مجھے اپنا دوست جان کر دل کا بوجھ ہلکا کرسکتی ہو۔'' ریم نے دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ تب ہی سگنل پر گاڑی رکی تو لبلی اس کی سمت دیکھنے لگی۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئی۔ سگنل کھلا تو اس نے تیزی کے ساتھ گاڑی آگے بڑھادی۔ پھر تلخی سے مسکرائی۔

''میری کہانی خاصی طویل اور لمبی چوڑی ہے اسے سننے کے لئے وقت بھی اتنا درکار ہے' اور تمہاری منزل آگئی ہے۔'' اس نے مین روڈ سے گاڑی اندر موڑی۔ تب ریم نے اسے آگے کا راستہ سمجھایا اور کچھ لمحوں بعد گاڑی اس کے گھر کے گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

''اندر آؤ نا!'' ریم نے مسکراتے ہوئے کھڑکی میں جھک کر پرخلوص دعوت دی' مگر وہ نفی میں سرہلانے لگی۔

''نہیں' پھر کبھی سہی۔ ابھی ذرا جلدی میں ہوں۔''

''صرف چند پل کے لئے ہی سہی اندر تو چلو۔ میں تمہیں امی سے ملواؤں گی۔ وہ یقیناً تم سے مل کر خوش ہوں گی۔'' وہ بولی تب لبلی نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے آنکھوں سے گلاسز ہٹائے' اور پھر گاڑی بند کرکے باہر نکل آئی۔

سفید کلر کے کاٹن کے سوٹ میں شولڈر کٹ بالوں کے ساتھ لبلی کی پرسنالٹی قابل رشک تھی۔ پاؤں میں ہائی ہیل کے سفید شوز' کاندھے پر رکھا کلف لگا اڑھائی گز کا دوپٹہ۔ دوسرے کاندھے پر نفیس سا لیدر کا سفید بیگ۔ سر پر گلاسز رکھے وہ بلاشبہ سب کو مرعوب کرگئی تھی۔ امی اس سے مل کر واقعی خوش ہوئی تھیں' اور اس کی وجہ اس کی ظاہری آن بان نہیں' بلکہ

اس کا عاجزانہ رویہ تھا۔ جس طرح اس نے انہیں جھک کر آداب کہا تھا' امی کو اس کا یہ انداز بہت پسند آیا تھا۔ سعدیہ اور نویرا جو بالترتیب آٹھویں اور پانچویں کلاس کی اسٹوڈنٹس تھیں' اس سے مل کر واقعی بے پناہ خوش ہوئی تھیں۔ سومیہ البتہ اپنی جلد نہ گھلنے والی طبیعت کے باعث زیادہ دیر پاس نہ بیٹھی تھی' اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

''ہمارا گھر بہت چھوٹا سا ہے۔ اس میں اتنی سہولتیں بھی نہیں۔'' ریم نے اس کے ماتھے کو پسینے کے قطروں سے تر بتر دیکھ کر پنکھے کی اسپیڈ بڑھائی۔ تب وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''گھر چھوٹا بڑا ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دل چھوٹا نہیں ہونا چاہیے۔ بعض اوقات گھر بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں' مگر اس میں بسنے والے مکینوں کے دل اتنے ہی چھوٹے اور تنگ ہوتے ہیں۔'' وہ ابھی بول ہی رہی تھی' جب ثوبان بے دھیانی میں پردہ اٹھا کر اندر جھانکا۔ وہ غالباً یہی سمجھا تھا کہ اندر فقط ''اپنے'' ہوں گے مگر للی کو سامنے بیٹھا دیکھ کر اس نے سلام کیا' اور پھر وہیں سے پلٹ کر شاید اندر چلا گیا۔

''یہ تمہارا وہی ہینڈسم کزن ہے نا جس کے ساتھ تم اس دن؟'' ریم نے اس کی بات پر قریب بیٹھی نویرا اور سعدیہ کو گھورا۔ اشارہ تھا کہ ''یہاں سے ہٹ جاؤ'' تب ہی وہ منہ کے زاویے بگاڑتی ہوئی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ پھر سومیہ آئی اور چائے کے برتن رکھ کر چلی گئی۔ ریم اس کے لئے چائے تیار کر رہی تھی۔ جب اچانک للی بولی۔

''تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو نا؟'' بات ایسی تھی کہ یکدم ریم کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر نیچے جا گرا' اور وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

جو بات خود سے بھی کبھی نہ کہی جائے' وہ اگر کسی اور کی زبان سے سنو تو شاید اسی طرح کا شاک لگتا ہے' جیسا کہ ریم کو اس وقت لگا تھا۔ اس نے یہ بات آج تک خود سے بھی چھپائی تھی اور آج.....

''کیا ہوا؟ کیا میں نے کچھ غلط پوچھ لیا؟'' للی نے نہایت شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی' تو اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا' پھر چائے کا کپ اسے تھما دیا اور ساتھ ہی نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''تم کو یہ احساس کیسے ہوا؟''

''بھئی دیکھنے والے قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں۔ ویسے سچ ہے نا؟'' للی مسکرائی تو تب

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پتا نہیں آج تک ہماری اس ٹاپک پر کبھی گفتگو نہیں ہوئی۔ اس نے کبھی کچھ نہیں کہا' اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی ایسا اظہار کیا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی تو للی ہنس پڑی۔

''احمق' محبت کا اظہار کرنے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ یہ جذبہ اپنا آپ خود منواتا ہے۔ ویسے حیرت ہے تمہیں کیونکر خبر نہ ہوئی' جب کہ میں تو پہلی مرتبہ دیکھ کر ہی جان گئی تھی کہ جھوٹ بول رہی ہو ورنہ تمہارا چہرہ.....''

ریم نے ہونٹوں پر اچانک در آنے والے مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے ہونٹ بھینچ لیے' اور مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔ تب وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ پھر چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی حالانکہ امی کا اصرار تھا کہ وہ کھانا کھا کر جائے' مگر پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔

''یہ موصوف یہاں کیا کرنے آئی تھیں؟'' وہ للی کو دروازے تک چھوڑ کر واپس پلٹی تھی۔ جب وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ تب وہ جواب دیے بغیر دیکھنے لگی' تو وہ دوبارہ مسکرا کر بولا۔

''اس روز تو جل کر کباب ہو گئی تھیں۔ آج موصوفہ کو ساتھ کس خوشی میں اٹھا لائیں۔''

''تمہیں کس نے کہا کہ میں جل کر کباب ہو گئی تھی۔ میں کیونکر بھلا جلتی اور کس بات پر؟'' وہ انجان بنتے ہوئے اعتماد سے بولی' تو وہ اسے دیکھتا ہوا نہایت دلکشی کے ساتھ مسکرا دیا۔

''لوگوں کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے کیا؟ حالانکہ ابھی 6 اگست کو زیادہ دن تو نہیں گزرے۔''

اس کے شرارت سے پُر انداز پر یکدم ریم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' جسے چھپانے کے لئے وہ سر جھکا گئی۔ پھر دوسرے ہی پل اسے پرے دھکیل کر آگے بڑھ گئی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سب سو رہے تھے۔ وہ کھانا کھانے کے بعد سوتی نہیں تھی' بلکہ کچھ دیر تک چہل قدمی کرتی اور پھر اسکول کا کوئی کام لے کر بیٹھ جاتی یا یونہی کوئی اچھی سی کتاب پڑھنے میں مشغول ہو جاتی' اب بھی وہ اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھا کر حسبِ معمول لیٹ کر کتاب پڑھ رہی تھی' جب وہ آ گیا۔

''سب سو رہے ہیں کیا؟ دروازہ بھی کھلا چھوڑ رکھا ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور قریب رکھا

دوپٹہ اٹھا کر سلیقے سے اوڑھ لیا۔

"ہاں وہ حمزہ باہر گیا تھا۔ میں شاید بند کرنا بھول گئی۔" اسے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا' تب وہ پوچھنے لگا۔

"باقی سب کہاں ہیں؟"

"حسبِ معمول سو رہے ہیں۔"

"اور تم حسبِ معمول جاگ رہی ہو۔" وہ مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔ تب ہی اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے ایک شاپر اس کی سمت بڑھایا۔

"کیا ہے؟" اس نے تھامتے ہوئے پوچھا۔

"سینڈل ہے' آئندہ جب بارش ہو تو اسے اتار کر ہاتھ میں مت پکڑنا بلکہ پہنے رکھنا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ جھینپ کر سر جھکا گئی۔ پھر خفت مٹانے کو بولی۔

"اتنی پرانی بات ہو گئی' اور تم اب فکر مند ہو رہے ہو؟"

"ریم بی بی فکر مند تو میں اس دن بھی بہت ہوا تھا' مگر اس وقت میری جیب میں پیسے نہیں تھے اور اب۔"

"مگر وہ زخم تو کب کا مندمل ہو گیا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی' تو وہ خاموش نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"بعض زخم ایسے بھی ہوتے ہیں محترمہ جو لگتے کسی اور کو ہیں' اور ان کا درد کوئی اور محسوس کرتا ہے۔ وہ زخم اگرچہ مندمل ہو چکا ہے' مگر اس لمحے کی تکلیف اب بھی میرا دل پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔" اس کی پرتپش نظروں نے اس کے چہرے کے گرد ایک حصار قائم کر لیا' تو وہ چہرے کا رخ پھیر گئی۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔

"بہت شاہ خرچیاں کر رہے ہو ان دنوں' کیا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟" اس نے اس کی بات سنی پھر دلفریب انداز میں مسکرا دیا۔

"جس کے پاس محبت کا خزانہ وافر مقدار میں موجود ہو' اسے بھلا کسی اور خزانے کی کیا حاجت۔"

"تم چائے پیو گے۔" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ہنس دیا۔

"ہوں بشرطیکہ تم چاہت سے پلاؤ۔" وہ سنے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔

✦◈✦

لبنیٰ حبیب ان کے اسکول میں تقریباً چھ ماہ قبل آئی تھی' تو اس کے متعلق اس کا تاثر یہی تھا کہ وہ کوئی بہت مغرور سی اپنے آپ میں گم رہنے والی امیر زادی ہے' مگر پھر آہستہ آہستہ اس کی طبیعت کی شوخی ریم پر کھلتی چلی گئی۔ وہ اکثر کولیگز کے ساتھ ہنسی مذاق اور شگفتہ جملے کہتی نظر آتی۔ مگر ریم جانے کیوں اس کی سمت بڑھ نہ سکی۔ حالانکہ اوروں کی طرح اس کا رویہ ریم کے ساتھ بھی دوستانہ اور بے تکلف تھا' مگر شاید اس میں دخل ریم کی اپنی ریزرو طبیعت کو بھی حاصل تھا۔ کہ وہ بہت جلد کسی کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس روز جب وہ اسے گھر چھوڑنے آئی تب ریم نے اس کے لہجے میں چھپی محرومیت کو واضح انداز میں محسوس کیا تھا۔ اس کے بعد یہ ضرور ہوا تھا' کہ اب اگر لبنیٰ اس سے کوئی بات کرتی تو نہایت توجہ کے ساتھ سنتی' بے تکلفی سے بات چیت کرتی' اور اس سے ریم پر ظاہر ہوا' کہ وہ دراصل ویسی لڑکی نہیں تھی' جیسا اس نے قیاس کیا تھا۔ وہ اس کی سوچوں سے یکسر مختلف تھی۔

ان کا اسکول شہر کے کھاتے پیتے علاقے میں واقع تھا۔ پوری عمارت میں وال ٹو وال کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ عمارت مکمل طور پر ائرکنڈیشنڈ تھی' اور شہر کے امیر و رؤساء کے بچے یہاں پر پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اسٹاف بھی خاصا رکھ رکھاؤ والا تھا۔ تقریباً سب کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہی تھا۔ بس وہی کچھ معمولی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اپنے رکھ رکھاؤ اور پہناوے کی بدولت وہ ان سے بھی خاصی "اپر" نظر آتی تھی۔ ایک ہی شوق تھا اسے اور وہ تھا روز نت نئے فیشن کے جدید تراش خراش کے ملبوسات تیار کر کے پہننا۔ اسے کسی طرح کا بھی احساس کمتری فیل نہیں ہوا تھا۔ مگر لبنیٰ کو دیکھ کر اسے جانے کیوں لگا تھا' یہ کسی امیر گھرانے کی بگڑی ہوئی رئیس زادی ہے۔ جو محض وقت پاس کرنے کے لئے یہ جاب کر رہی ہے' اور ممکن تھا اس کا یہ تاثر ہمیشہ برقرار رہتا۔ اس دن اس پر اس کی اصلیت کھل گئی' اور تب اسے لگا کہ وہ درحقیقت ویسی نہیں ہے' بلکہ بے حد مختلف ہے۔

تب ہی اس دن' جب وہ اسے اپنی برتھ ڈے کا کارڈ دینے آئی' اور سختی سے آنے کی تلقین بھی کر گئی تو اس کے لیے جانا ناگزیر ہو گیا۔ امی سے اجازت لے کر وہ حمزہ کے ساتھ اس کے گھر روانہ ہو گئی۔ حمزہ نے اسے گیٹ پر ہی اتارا' اور پھر واپسی کا وقت معلوم کر کے اپنی راہ لیے اڑا لے گیا۔ تب وہ مڑ کر گوگو کی کیفیت میں وسیع و عریض عمارت کو دیکھنے لگی۔ لبنیٰ

حبیب آ گئی۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو اندر آؤ نا بھئی!" وہ اسے تھام کر اندر لے گئی۔ اس کی اور بھی کئی کولیگز آئی ہوئی تھیں۔ لِلی کچھ دیر تک تو کھڑی اس سے باتیں کرتی رہی' پھر ایکسکیوز کر کے دوسرے لوگوں کی طرف بڑھ گئی۔ تب وہ اپنے اسٹاف ممبران کی طرف چلی آئی۔ پھر ہنسی مذاق اور باتوں کے درمیان وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ کیک کٹا تو دس بج رہے تھے' تب ہی گیٹ کیپر نے آ کر بتایا کہ اسے کوئی لینے آیا ہے۔ وہ لِلی سے اجازت لے کر گیٹ کی سمت چلی آئی۔ لِلی اسے چھوڑنے گیٹ تک ساتھ آئی۔

"تم کچھ دیر اور رکتیں تو میں تمہیں اپنے ڈیڈی سے بھی ملواتی۔" وہ بولی تو ریم مسکرا دی۔

"پھر کبھی سہی۔ شاید حمزہ آ گیا ہے۔" وہ گیٹ پر پہنچی تو سامنے حمزہ کی بائیک پر ثوبان قریشی کو بیٹھے دیکھ کر چونک گئی۔

"حمزہ نہیں آیا؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"کیوں میں برا لگ رہا ہوں؟" وہ جل کر بولا' تو لِلی ہنسنے لگی۔ تب وہ اس کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"کیسے ہیں آپ؟" لِلی نے پہل کی۔

"اے ون آپ سنائیں۔"

"ہم تو ہمیشہ اے ون رہتے ہیں۔ آپ اندر چلئے نا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں' ابھی تو دیر ہو رہی ہے پھر کبھی سہی۔"

"آپ پہلی بار ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں' اور باہر ہی سے واپس جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ اچھا فیل نہیں ہو رہا!" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی' تو وہ سرخ جارجٹ کی ساڑھی میں ملبوس وجود کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر دھیرے سے مسکرایا۔

"آپ کا شکوہ بجا ہے' مگر اب دیر ہو رہی ہے۔ مزید ٹھہرنا ممکن نہیں اور....." اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا۔ ریم دھم سے اس کے پیچھے جا بیٹھی اور لِلی کو ہاتھ ہلا کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"جلدی چلو اب۔" دانت پیس کر بولی' تو اس نے لِلی کی سمت مسکراتی نگاہ سے دیکھتے

ہوئے بائیک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"یہ تم اپنے لمبے ناخن میرے معصوم سے کندھے میں چبھو کر کس جرم کی سزا دے رہی ہو؟" مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ "ریم صاحبہ! آپ موجود ہیں ناں میرے پیچھے' کہیں آپ کی جگہ کوئی بدروح تو....."

مگر اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی وہ بول پڑی۔

"خبردار جو مجھے بدروح کہا۔"

"یہ مطلع اچانک ابر آلود کیوں ہو گیا ہے۔ حالانکہ کچھ دیر قبل جب رخِ روشن اندر سے برآمد ہوا تھا تو موسم خاصا خوشگوار تھا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ اس کی پشت کو گھورنے لگی۔

"تم اسے ویسے کیوں دیکھ رہے تھے؟" اصل مدعا بیان کیا۔

"کیسے بھئی؟" وہ محظوظ ہو کر ہنسا۔

"معصوم چوزے مت بنو۔" وہ دانت پیس کر بولی' تو وہ ہنستا چلا گیا' وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔

"اونچی آواز میں بولو مجھے آواز نہیں آ رہی۔" وہ چڑانے والے انداز میں بولا' مگر اس نے چپ ہو کر ہونٹ بھینچ لیے۔ تب وہ شرارت سے مسکرایا۔

"حسد کر رہی ہو؟" مگر وہ پھر بھی چپ رہی۔ "سنو یار میری سمجھ میں نہیں آتا' جب میں کسی خوب صورت لڑکی کی طرف بغور دیکھتا ہوں تو تمہیں جلن کیوں ہونے لگتی ہے' کہیں تم....."

اس کا جملہ ابھی درمیان میں ہی تھا' جب ریم نے بہت زور سے اس کی پشت پر مکا دے مارا۔ اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا اور اسپیڈ بڑھا دی۔

اسپیڈ اتنی تھی کہ بائیک یکدم ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ تب ریم نے گھبرا کر اور بھی مضبوطی کے ساتھ اس کا شانہ تھام لیا۔

"اسپیڈ کم کرو نا۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ "ثوبان پلیز! میری دھڑکن تھم جائے گی۔" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولی تھی' اور یکدم بائیک رک گئی تھی۔ وہ پلٹ کر اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"انسان کی اگر صورت اچھی نہ ہو تو اسے کم از کم بات تو اچھی ہی کرنی چاہیے۔"

تب اچانک ہی ریم کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی۔

"میرے مرنے سے بھلا کسی کا کیا نقصان ہوگا؟" تب وہ جواب دیئے بغیر رخ پھیر کر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اے ثوبان! ریم نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی پشت پر ہاتھ بجایا۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" دوسری سمت سے جلے ہوئے انداز میں جواب آیا۔

"کیا اکیلی؟" وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ تب وہ آہستہ سے مسکرا دیا۔

"میری جان بہت قیمتی ہے اسے فضول میں ضائع نہیں کرسکتا۔" اس کا موڈ بحال دیکھ کر ریم کی جان میں جان آئی۔

عجیب چاہنے والے تھے یہ۔ محبت بھی کرتے تھے بلندی کی انتہا تک اور اظہار کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔

شاید دونوں ہی ان کہی' جانتے تھے۔

ایک دوسرے کی سوچیں اور جذبے سمجھتے تھے۔ اور پھر ضروری تو نہیں جو چیز سمجھ میں آجائے خواہ مخواہ اس کا ڈھنڈورا پیٹا جائے۔

جب نظر سے نظر شناس تھی۔

جب دل سے دل قریب تھا تو

پھر لفظوں کے سہاروں کی کیا ضرورت تھی۔

اس شام ثوبان آیا تو اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔

"یہ کس خوشی میں؟" ریم نے دیکھتے ہی پوچھا۔

"مجھے جاب مل گئی ہے۔" وہ مٹھائی سومیہ کو تھماتے ہوئے بولا۔

"کتنے دن کے لئے؟" وہ بولی تو وہ چونک کر دیکھنے لگا' پھر ہنس کر بولا۔

"قبل از وقت کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ویسے تمہیں کیا خوشی نہیں ہوئی؟"

"کیوں نہیں' سب سے زیادہ دعائیں میں نے ہی مانگی تھیں' تمہاری کامیابی کے لئے۔"

"ظاہر ہے تمہیں میرا قرض جو چکانا تھا۔" یہ کہہ کر وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔ سومیہ مٹھائی پلیٹ میں رکھ کے لئے آئی تو وہ ایک گلاب جامن اٹھاتے ہوئے بولی۔

"بائی دی وے جاب ہے کس نوعیت کی؟ پہلے کی طرح ہی یا تمہاری من پسند "افسری" کی۔" وہ مسکرا دیا۔

"بس گزارہ ہے۔"

"ہاں کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔" امی نے کہا تو اس نے فوراً تائید میں گردن ہلائی۔

"اب تو ماموں تم سے خوش ہوں گے' ہے نا۔" وہ یونہی پوچھنے لگی۔

"پتا نہیں۔" اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔ "شاید انہیں بھی تمہاری طرح اس کے جاری رہنے کا یقین نہیں۔"

"ہاں۔ تمہارا سابقہ رویہ کچھ تھا ہی ایسا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ویسے میں بھی اب سوچ رہی ہوں یہ ٹیچری وغیرہ چھوڑ کر کوئی ڈھنگ کی جاب کروں۔ چار پیسے آئیں تو گھر کی حالت بھی بدلے۔ اب کے بارشوں نے بھی خوب تنگ کیا اور....." وہ ابھی بول ہی رہی تھی کہ امی نے اسے گھورتے ہوئے ٹوک دیا۔

"تمہیں مستقل نہیں کمانا حمزہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے گا' تو دو بول پڑھا کر تمہیں بھی چلتا کردوں گی۔ تب تک کوئی اور فضول سوچ ذہن میں بھی مت لاؤ۔ یوں بھی ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کے لئے اس پیشے سے زیادہ عزت دار پیشہ کوئی نہیں۔ آفس میں مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کام کرنا مجھے قطعی پسند نہیں۔"

وہ غیر ارادی طور پر ہی سر اٹھا کر ثوبان کی طرف دیکھنے لگی' اور وہ جس انداز سے مسکرایا اس پر اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔ پھر ناخنوں سے کیوٹکس کھرچتی ہوئی بولی۔

"امی کوئی بھی ماحول انسان کے لئے برا نہیں ہوتا۔ اسے خود انسان اپنے لیے اچھا یا برا بناتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آفس ورک کرنے والی لڑکیاں سبھی بری ہوتی ہوں' یا وہاں کے لوگ برے ہوتے ہوں اور ٹیچنگ معزز پیشہ ضرور ہے' مگر یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہی جاسکتی ہے کہ اس شعبے میں برے لوگ سرے سے موجود ہی نہیں۔ امی ماحول تو انسان خود بناتا ہے اور پھر زمانہ اب اتنی ترقی کر چکا ہے' عورتیں ہر جگہ' ہر مقام پر مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں اور....."

"ضروری نہیں کہ اور لوگ کنوئیں میں گر رہے ہیں' تو ہم بھی چھلانگ لگا دیں۔ پھوپھو

ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' ثوبان اس کی بات کاٹ کر بولا' تو وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور ابھی ثوبان قریشی کو جاب ملے مہینہ بھی نہیں ہوا تھا' جب عمر ماموں اور طاہرہ مامی اس کے لئے اس کا پروپوزل لے کر آ گئے۔ گو اس دن اسے نہیں پتا تھا کہ وہ کس مقصد کے تحت آئے ہیں۔ وہ یونہی مگن سی ان کی خاطر مدارات کرنے میں لگی رہی تھی' پھر جب مامی نے جاتے ہوئے اسے گرم جوشی سے پیار کیا' تب بھی وہ نہیں چونکی' کیونکہ ان کا رویہ ریم کے ساتھ ہمیشہ بہت پُرشفقت اور محبت بھرا رہا تھا' اور اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ وہ شروع سے ہی ریم کے ساتھ بہت پیار و محبت سے پیش آیا کرتی تھیں۔

ان کے جانے کے فوراً بعد وہ برتن سمیٹنے لگی۔ سومیہ کے انٹر کے ایگزام ہو رہے تھے۔ سو وہ تیاری کر رہی تھی۔ اس نے سومیہ کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا' اور خود برتن دھونے بیٹھ گئی۔ پھر جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ بتیاں بجھا رہی تھی' امی نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ یہ بھی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی' کیونکہ وہ اکثر رات میں امی کے ساتھ بیٹھ کر دیر تک باتیں کیا کرتی تھی۔ تبھی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی اب بھی ان کی پائینتی کی طرف جا بیٹھی' اور باتیں کرنے کے دوران دھیرے دھیرے انہیں دبانے بھی لگی۔ تبھی انہوں نے اچانک اصل مدعا بیان کیا تو کتنے ہی پل وہ گنگ سی بیٹھی رہی۔

ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔

آنکھیں ایک ہی جگہ جم گئیں۔

دھڑکنیں اپنے ہونے کی گواہی مانگنے لگیں۔

سانسیں الگ ''بے یقین'' سی لگیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' امی نے اس کی تمام کیفیات سے قطع نظر پھر پوچھا' تو وہ چونک کر دیکھنے لگی اور وہ کہنے لگیں۔

''عمر بھائی اور بھابی تو فوراً ہی نکاح کی بات کر رہے ہیں۔ مگر مجھے اپنا گھر بھی تو دیکھنا ہے۔ بیٹی کا تو وہ حال ہے کہ ادھر بات منہ سے نکلی' اور ادھر پرائی ہوئی۔ تمہارے ابو نے جو فکس ڈیپازٹ کرایا تھا' اس کی مدت پوری ہونے میں پورے پانچ سال ہیں' اور کوئی ذریعہ ہمارا ہے نہیں۔ ان کی ملنے والی پنشن سے اور تمہاری تنخواہ سے مشکل سے گھر کا خرچا ہی نکلتا

ہے۔ فکس ڈیپازٹ سے ماہانہ ملنے والی انکم بچوں کی پڑھائی پر صرف ہو جاتی ہے۔ اب رہ جاتی ہے میری سلائی کڑھائی کی اجرت' تو وہ معمولی سی رقم چھوٹے موٹے کاموں میں ہی خرچ ہو جاتی ہے۔ بیٹیوں کی ماؤں کو بہت کچھ سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ گو کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں تو میں نے بنا کر رکھی ہوئی ہیں مگر اور بھی تو بہت کچھ بنانا ہوگا' اور.....''

''آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں امی۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' وہ یک دم کہنے کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی۔ امی کے لہجے میں پوشیدہ پریشانی اور رنج نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو یک دم معمول پر لا کھڑا کیا تھا۔

سب کچھ ''دل'' ہی تو نہیں ہوا کرتا۔

کچھ دماغ کی بھی تو ماننی پڑتی ہے۔

خود سے وابستہ اٹوٹ انگ جیسی ہستیوں کے لئے چھوٹے موٹے خواب تج دینا مشکل تو نہیں۔

اور پھر اپنی ذات ہی تو سب کچھ نہیں ہوا کرتی۔

''نہیں بیٹا' ایسے مت کہو۔ بیٹیاں پھول سہی' لیکن انہیں ہمیشہ کے لئے گھر میں نہیں رکھا جا سکتا۔ دیر یا بدیر کہیں نہ کہیں تو بات طے ہونا ہی تھی اور شکر ہے۔ خدا نے اتنا اچھا رشتہ خاندان میں ہی جوڑ دیا۔''

''مگر امی.....!'' وہ نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی' تب انہوں نے دھیرے سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''تو فکر مند نہ ہو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ ''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

تب اس نے سر جھکا کر دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''لیکن امی ضروری تو نہیں یہ سب اتنی جلدی ہو۔ میں ذہنی طور پر بھی ابھی اس کے لئے قطعی تیار نہیں' اور پھر آخر ان کو اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ ہم یا وہ کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں۔ اس گھر کی کیا کنڈیشن ہے۔ ابھی تین سال قبل تو ابو..... اور ابھی حمزہ کو ڈاکٹر بننا ہے۔ سومیہ کو وکالت کرنی ہے اور.....''

''یہ سب تیرا دردِ سر نہیں ہے۔ میں ابھی زندہ ہوں۔'' وہ چپ ہو کر سر جھکا گئی' تب

بولیں۔

"بیٹا' بیٹیوں والے پالتے ہیں پوستے ہیں۔ ایک پودے کی طرح اسے سینچ کر بڑا کرتے ہیں۔ مگر شاخ دار پیڑ بنتے ہی انہیں ان کو کسی اور کے حوالے کر دینا ہوتا ہے' جو زیادہ بہتر طریقے سے ان کی حفاظت کر سکیں۔ والدین کو اس ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ صرف چھاؤں مہیا کرنا جانتے ہیں۔ چھاؤں لینا نہیں۔ جاؤ اب جا کر سو جاؤ صبح تمہیں اسکول بھی جانا ہے۔"

مگر وہ اٹھی نہیں۔ یونہی سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"گستاخی معاف امی' مگر میں پھر وہی کہوں گی ابھی یہ سب قبل از وقت ہے۔"

تب وہ اسے دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرا دیں۔ پھر اس کے ہاتھ تھام کر بولیں۔

"جہاں اور بہت سی کمزوریاں ہوتی ہیں نا لڑکیوں کے والدین کی' وہاں ایک کمزوری یہ بھی ہوتی ہے' جہاں ایک رشتہ ملے وہیں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سر جھکا دیتے ہیں کہ شاید پھر کوئی معقول بر ملے نہ ملے' اور پھر آج کے دور میں اچھے بر ملتے بھی کہاں ہیں۔" انہوں نے کہہ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا' اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر بولیں۔

"میرا خیال ہے اس میں حرج نہیں جتنی جلد فرض ادا ہو جائے بہتر ہے۔ مگر پھر بھی تمہاری مرضی کو مدنظر رکھتے ہوئے بھائی صاحب سے گزارش کروں گی کہ وہ رخصتی اتنی جلدی نہ کروائیں۔"

تب وہ ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

✦ ◈ ✖

پھر کتنے ہی دن تک وہ اس انتظار میں رہی کہ ثوبان سے خود اس سلسلے میں بات کرے گی' مگر کئی دن تک جب وہ ادھر نہ آیا' تو وہ اسکول سے واپسی پر خود اس کے پاس جا پہنچی۔

"میرا محبوب آ گیا
من میرا لہرا گیا"

اسے دیکھتے ہی وہ خاصی ترنگ میں گنگنانے لگا تھا۔ مگر جواب میں وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"یہ سب کیا ہے ثوبان قریشی؟" وہ بولی تو لہجہ بھی تیز تھا۔ مگر وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"تم بیٹھو تو!" اس کے کہنے پر وہ قدرے فاصلے پر رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو مجھ پر ڈھیروں ذمے داریاں ہیں اس کے باوجود۔"

"ریلیکس بھئی۔" اس نے پانی کا گلاس اس کی سمت بڑھایا۔ جسے لے کر وہ ایک ہی سانس میں چڑھا گئی۔ تب وہ اسی اطمینان سے بولا۔

"ہاں اب کہو!" پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "اگرچہ کچھ کہنے یا سننے کی ضرورت تو نہیں ہے' پھر بھی میں سننے کو تیار....."

"ثوبان پلیز۔" اس کی بات کاٹ کر وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی' تو وہ سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"تمہیں میری زندگی میں شامل تو ہونا ہی ہے۔ کل یا آج بات تو ایک ہی ہے' اور میں فقط "نکاح" کے لیے کہہ رہا ہوں۔ "رخصتی" کی مجھے بھی ابھی ضرورت نہیں۔" کہتے ہوئے اس نے شرارت سے اس کا ہاتھ تھام لیا' تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ "تم اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے پوری کرو' مجھے بھی ابھی بہت آگے تک جانا ہے۔ یہ چار ہزار کی جاب میری منزل

نہیں ہے۔ میں دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ڈھیر کرنا چاہتا ہوں۔ جنہیں ہم چاہتے ہیں ریم۔ انہیں دنیا بھر کے سکھ اور خوشیاں دینا چاہتے ہیں اور.....''

''لیکن اس کے لئے یہ ضروری تو نہیں کہ.....'' وہ تیزی سے بولی تھی' جب اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

''نکاح کی جگہ منگنی بھی ہو سکتی تھی۔ مگر اماں ابا کو میں نے ہی یہ مشورہ دیا کہ منگنی کوئی خاص پائیدار رشتہ نہیں' ادھر انگوٹھی انگلی سے اتری اور ادھر رشتہ ختم' اور نکاح تو ایسا پائیدار بندھن ہے۔ لاکھ رشتوں کی ڈور الجھے' لاکھ آندھی طوفان آئیں' مگر اس بندھن پر آنچ بھی نہیں آتی۔ ریشمی نازک سی ڈور یونہی دو دلوں کو باندھے رکھتی ہے' مضبوطی کے ساتھ۔ اور تب تک نہیں ٹوٹتی جب تک آپ اسے توڑنے کی کوشش نہ کریں۔''

وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ تبھی وہ مسکرا کر پوچھنے لگا۔

''کیا میں نے غلط کہا؟'' اس نے اس کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر نظریں جھکا دیں پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔ تبھی وہ اسے شرارت سے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

''ویسے تمہیں اعتراض کیوں ہوا؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے' ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو رہا ہوں۔ بہت جلن ہوا کرتی تھی نا تمہیں جب میں کسی لڑکی کی طرف نظر بھر کر دیکھا کرتا تھا۔''

ریم نے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کو ہونٹ بھینچ کر چھپایا۔ پھر اسے گھورنے کے ساتھ ہی زوردار مکا بھی دے مارا اور وہ ہنستا چلا گیا۔ کچھ دیر تک تو اسے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''لیکن ثوبان مجھے یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہے۔ میرا دل' میرا دماغ یہ سب قبول نہیں کر پا رہا۔''

''تمہارے دل' تمہارے دماغ نے مجھے تو قبول کیا ہے نا' پھر اور بھلا کیا باقی رہ جاتا ہے'' وہ یک دم اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو وہ نظریں جھکا گئی۔ کہتی بھی تو کیا' اب بھلا کیا باقی رہا تھا۔ وہ غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔

پھر ایک سادہ سی تقریب میں اس نے اپنا آپ ثوبان قریشی کے نام لکھ دیا۔

دل' نظر جس کے لئے تھے ہمیشہ کے لئے اسی کو سونپ دیے۔

دل کی لے میں پہلے بھی اس کے نام کے موتی کھنکتے تھے۔

آنکھ پہلے بھی عکس لیے خواب چنتی تھی۔

مگر اس روز جیسے سب اسے بالکل نیا نیا اور واقعی' مضبوط ترین محسوس ہو رہا تھا۔ ثوبان قریشی کا نام۔ اس کا وجود اس کے لئے ایک چھتنار کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے تصور کو اپنی سوچوں کی زمین پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے کھڑا دیکھ رہی تھی۔

تین بولوں نے اسے کیسا استحقاق بخش ڈالا تھا۔ حالانکہ وہ شخص ہمیشہ اس کے بے حد قریب رہا تھا۔ مگر آج جیسا تاثر اس نے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ شاید یہی وہ مضبوطی تھی کچی سی ڈور کی۔ جس میں دو دل آج بندھ گئے تھے۔ ہمیشہ کے لئے.....

اس نے اس روز جارجٹ کا سفید سوٹ زیب تن کیا تھا۔ سفید رنگ اس کا محبوب ترین رنگ تھا۔ ثوبان بھی جب اسے سفید کلر پہنے دیکھتا ضرور سراہتا۔

اور اس روز اس کی سسرال سے بھی اس کے لئے ہلکے پھلکے کام والا سفید جارجٹ کا ہی سوٹ آیا تو اس نے سوچا یہ یقیناً ثوبان قریشی کی پسند ہوگی' اور اسے پہن کر کیسا خوب صورت تاثر ابھر رہا تھا۔ یہ کوئی اس روز اس لڑکی سے پوچھتا۔ نکاح کے بعد وہ اٹھ کر یونہی راہداری تک آئی تھی' جب سومیہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آپی! اوہ..... وہ ثوبان بھائی آپ کو ایک نظر دیکھنا چاہ رہے ہیں۔'' اور اس پل یکدم ہی اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ فوراً وہ پلٹی تھی اور دھم سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تھی۔ سومیہ اس کی حرکت پر ہنستی ہوئی واپس لوٹ گئی تھی۔ پھر وہ تب تک یونہی اندر دبکی بیٹھی رہی' جب تک تمام مہمان رخصت نہیں ہو گئے۔ اور پھر جب خاموشی ہو جانے پر یقین آیا تب وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ سومیہ' سعدیہ وغیرہ برتن وغیرہ سمیٹنے میں مصروف تھیں۔ تب وہ بھی دوپٹہ ایک طرف رکھ کر بکھری اشیا سمیٹنے لگی۔

''ارے آپی' آپ رہنے دیں' ہم کر لیں گے۔'' سومیہ نے کہا' مگر اس نے نفی میں سر ہلا کر جھاڑو تھام لی۔ امی اندر نماز پڑھ رہی ہیں۔ وہ چیزیں رکھنے ان کے کمرے میں گئی تو ان کے چہرے پر گہرا اطمینان دیکھ کر مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی۔ پھر بیٹھ کر جھاڑو لگا رہی تھی' تبھی کوئی بھاری جوتوں والا وجود عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ریم کے ہاتھ یکدم ساکت ہو گئے جوتوں پر نگاہ ڈال کر اس نے اوپر تک دیکھا تھا' اور پھر یکدم دھڑکنوں میں ارتعاش سا پیدا ہو گیا تھا۔ ثوبان قریشی بلیک ڈنر سوٹ میں اپنے لمبے چوڑے مضبوط وجود کے ساتھ مسکراتا ہوا

اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

''سنا تھا ''لوگ'' بہت خوب صورت لگ رہے تھے' سوچا ہم بھی ایک جھلک دیکھ آئیں۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر زیرِ لب مسکراتا ہوا بولا۔ تب وہ چونکی اور یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ جلدی سے کچھ فاصلے پر کرسی پر رکھا سفید دوپٹہ اٹھا کر اوڑھا' پھر شاید دل کی منتشر دھڑکنوں کو معمول پر لانے کے لئے' اس کی طرف سے پشت کر کے ٹیبل پر سے پانی کا جگ اٹھا کر یونہی منہ سے لگا لیا۔ کانپتے ہاتھوں کے باعث پانی چھلک کر اس کے کپڑوں کو بھی بھگو گیا۔ تب اچانک قدرے فاصلے پر کھڑے شخص کی ہنسی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی' تو اس نے چونک کر جگ واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔ ثوبان اس کی پشت کو دیکھتا ہوا اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔ پھر دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تم یوں کر رہی ہو' جیسے ہم پہلی بار ملے ہیں' یا آج ہی ایک دوسرے کو دیکھا ہے۔'' ریم نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا پھر یک دم نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں' ایسی بات نہیں دراصل۔''

''شی.....!'' اس نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے کہنے سے باز رکھا' اور پھر اس کے صبیح چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''پہلے ذرا ڈھنگ سے دیکھنے تو دو۔ ہم بھی تو دیکھیں سب ''تعریفوں'' میں حق بجانب بھی تھے یا نہیں۔''

اپنے چہرے پر اس کی پرتپش نظر دیکھ کر وہ اپنی لرزتی پلکوں کو جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر شاید منظر سے ہٹنے کی خاطر بولی۔

''چائے لاؤں تمہارے لیے؟''

''پہلے ایک طرف سے تو سیر ہولوں۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔ جذبوں کی چاشنی میں ڈوبا' میٹھا اور دلفریب۔

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس' وقت' سمندر' ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے

سبک خرام صبا چال چل پڑے جب بھی
ہزار پھول سرِ راہ آ ٹھہر جائے
میں اس کی آنکھوں میں جھانکوں تو جیسے جم جاؤں
وہ آنکھ جھپکے تو چاہوں ذرا ٹھہر جائے

اس کے لہجے کے فسوں سے وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ثوبان پلیز!'' میں سخت کنفیوژ ہو رہی ہوں۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ ثوبان ہنستا چلا گیا۔

''بیڑا غرق کر ڈالا سارے رومینٹک موڈ کا۔ یار کتنی مشکل کے ساتھ الفاظ منتخب کر کے آیا تھا' اور تم نے جواب میں ایسی ہونق جیسی صورت بنائی ہے کہ.....'' وہ پھر ہنسنے لگا۔ ''تمہیں تو ڈھنگ سے شرمانا بھی نہیں آتا۔ ریم ثوبان قریشی۔'' وہ بھی اپنی مسکراہٹ چھپا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں نہیں آتا اور اس کے علاوہ بھی مجھے کوئی کام نہیں آتا۔'' وہ اعتماد سے بولی تو وہ شرارت سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر جھک کر بولا۔

''خیر ایسا تو نہیں کہ تمہیں کچھ بھی نہ آتا ہو۔ عاشق' دیوانہ اور سودائی تو تم ہمیں بلاشبہ بنا ہی چکی ہو اور آگے نہ جانے کیا کچھ اور بھی بنا ڈالو۔''

ریم کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا خیال ہے میرے ساتھ باہر چلو گی؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''اس وقت؟'' وہ حیرت سے پوچھنے لگی' اور جواب میں اس نے ایسی نظروں کے ساتھ دیکھا کہ اس کی پلکیں جھکتی چلی گئیں۔

''آج سے تمہارے تمام حقوق میرے نام منتقل ہو چکے ہیں ریم ثوبان قریشی۔ کیا اب بھی تمہیں کسی اور ''یقین'' کی ضرورت ہے؟''

''نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ دراصل میں سوچ رہی تھی امی شاید اجازت نہ دیں۔''

وہ فوراً امی کا سہارا لیتی ہوئی بولی' تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''پھوپھو سمجھ دار ہیں' وہ یقیناً منع نہیں کریں گی۔ تم سینڈل پہنو میں ان سے اجازت لے کر آتا ہوں۔'' وہ بولا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی' اور پھر واقعی امی نے منع

نہیں کیا۔

ثوبان قریشی اسے لے کر ساحل سمندر پر چلا آیا' اور پھر کتنے ہی پل وہ گیلی ریت پر چلتے رہے محبتوں کے سیپ چنتے رہے۔

اس نے اپنی نکاح والی بات اپنی کولیگز کو نہ بتائی تھی' تبھی دو روز نہ آنے پر کسی نے اس سے استفسار نہ کیا تھا۔

''یہ آج للی نہیں آئی؟'' بریک میں چائے کے سپ لیتے ہوئے اس نے قریب بیٹھی اسماء سے دریافت کیا' تو اس نے بے پروائی کے ساتھ شانے اچکائے۔

''امیر زادی ہے بھئی۔ ملازمت کی اسے بھلا کیا ضرورت' چھوڑ گئی ہوگی۔''

''ہاں شاید' مگر.....!'' وہ ابھی بولنے ہی لگی تھی جب اسماء نے اچانک کچھ یاد آنے پر اسے دیکھا اور پھر بولی۔

''سنو' اس روز میں نے تمہارے اس کزن.....؟ کیا نام تھا اس کا.....؟''

''ثوبان قریشی!'' ریم نے کہنے کے ساتھ ہی اسے دیکھا بھی۔

''ہاں ثوبان قریشی کو اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں ڈنر اڑاتے دیکھا تھا۔''

اور ریم کے ہاتھوں میں پکڑا ہوا کپ یک دم لرز گیا۔

''کب؟'' اس کی آواز بھی واضح انداز میں کانپ رہی تھی۔

''کوئی ہفتہ بھر پہلے کی بات ہے۔ میں چونکہ اپنے فیانسی کے ساتھ تھی' اس لئے قریب جا کر مل نہ سکی۔ ویسے دونوں خاصے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔'' اسماء نے کہنے کے ساتھ ہی اسے بھی دیکھا۔ ''بائی دی وے کیا چکر ہے ان میں؟'' انداز میں شوخی اور شرارت تھی۔ مگر ریم کچھ کہے بغیر سر جھکا گئی۔ جس بات کے بارے میں وہ خود لاعلم تھی' اس کے متعلق بھلا کسی اور کو کیا بتاتی۔

اصل جانے کیا تھا' حقیقت کچھ بھی سہی' مگر اس پل ریم نے اپنی دھڑکنوں کو مدھم پڑتے ضرور محسوس کیا تھا' اور ان دھڑکنوں میں ایک ہی دعا بار بار ڈوب اور ابھر رہی تھی۔ ''کاش وہ ثوبان قریشی نہ ہو۔''

رقابت کا جذبہ تقریباً ہر لڑکی میں ہی موجود ہوتا ہے' اور وہ تو اس وقت بھی اس آگ میں جلا کرتی تھی' جب وہ اس کا کچھ نہیں تھا' اور اب تو وہ مکمل طور پر اس کا تھا۔ پھر کیسے اس کی

تقسیم برداشت کر لیتی۔ اس نے کتنی ہی بار خود کو باور کرایا تھا' اور تسلی دی تھی کہ شاید اس بات میں صداقت نہ ہو' مگر ہر بار یہ خیال ریت کی ایک دیوار ہی ثابت ہوتا تھا۔ وہ اس سے ملتا تو شاید وہ اس سے پوچھ کر مطمئن ہو جاتی' مگر کافی دنوں سے وہ ادھر آیا ہی نہ تھا۔

اس دن اسکول سے واپسی پر یہ قصد کر کے نکلی تھی کہ آج وہ ضرور اس سے ملے گی۔ چاہے اس کے لیے اسے اس کے آفس ہی کیوں نہ جانا پڑے' اور وہ ابھی اسی خیال کے تحت رکشے میں سوار ہوئی تھی۔ جب یک دم روڈ کے دوسری طرف سلور گرے کرولا پر اس کی نظر پڑ گئی۔ گو یہ فقط ایک لمحے کی بات تھی' اور دوسرے ہی لمحے وہ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ مگر ریم کی نظروں میں ابھی تک وہ لمحہ قید ہو گیا تھا۔ للی حبیب کے ساتھ جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا' وہ یقیناً ثوبان قریشی ہی تھا۔ کئی کانچ کے ٹکڑے یک دم ایک ساتھ چھن سے ٹوٹے تھے' اور جیسے دل میں کھنچے چلے گئے تھے۔ ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ اس نے ڈرائیور کو رکشا گھر کے راستے پر موڑنے کے لئے کہا تھا' اور پھر اپنی پلکوں پر آن ٹھہرنے والے موتیوں کو پلکیں جھپک جھپک کر اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔

اس روز وہ آیا تو سب بے حد تپاک کے ساتھ ملے۔

''ثوبان بھائی کہاں غائب رہنے لگے ہیں آج کل۔ حالانکہ اب تو آپ کو پہلے سے بھی زیادہ آنا چاہیے کہ.....'' سومیہ نے چائے سرو کرتے ہوئے کہا' تو وہ ہنستا چلا گیا۔ پھر ریم پر نگاہیں پڑیں تو شرارت سے مسکرا دیا۔

''یار روز آتو جاؤں مگر ڈر ہے ''لوگ'' برا ہی نہ مان جائیں کہیں۔'' سومیہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ مگر ریم نے تب بھی سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ پھر یک دم وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ثوبان نے اسے بغور دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر تک پھوپھو کے پاس بیٹھا' ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا' اور آخر کار اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گیا۔ وہ رخ پھیرے کھڑکی میں کھڑی تھی۔ ثوبان چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رکا۔

''کیا ہوا؟ سرکار کا موڈ کچھ اچھا نظر نہیں آ رہا۔'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا' تو اس نے کوئی جواب دیئے بغیر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''ریم' اے جان تمنا' کیا ہوا۔ خفا کیوں ہو؟'' وہ اسے شانوں سے تھام کر اب کے خاصی شوخی سے بولا تو وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ آنکھوں کی سطح پر ٹھہرا پانی یک دم رخساروں

پر بہہ نکلا۔

''ثوبان تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اگر یوں ہی راہیں بدلنی تھیں تو پھر مجھے اس نام نہاد بندھن میں قید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو ریم۔ تم تو زندگی ہو میری' میری روح' میری جان!'' اس نے کہنے کیساتھ ہی اس کے آنسو صاف کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر ریم نے بری طرح جھٹک ڈالا۔ اس کا یہ اظہار اگر کسی اور لمحے ہوتا تو شاید وہ اس کے جذبوں کی دہکتی لو سے پگھل جاتی۔ مگر اب تو صورتحال یکسر مختلف تھی۔ اعتبار بھلا کیونکر اور کیسے آتا۔

''بات کیا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا' تو وہ اس کی لاعلمی پر اسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ کچھ کہے بغیر یونہی آنسو بہاتی رہی۔

''ریم پلیز!'' وہ زچ ہو کر بولا۔ تب وہ دھیرے سے بولی۔

''تم لبنیٰ حبیب کے ساتھ کس خوشی میں گھوم رہے تھے؟''

''اوہ.....!'' اس کے کہنے پر ثوبان نے اطمینان کا گہرا سانس خارج کیا۔ ''تو یہ بات تھی' تم نے تو مجھے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔ میں سمجھا تھا.....''

''تمہارے لیے یہ معمولی بات ہے۔ پتا ہے میں کس طرح پریشان ہوں اس روز سے جب سے میں نے تمہیں اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تو وہ اطمینان سے ہنس دیا۔

''اس سے مل کر تو میں آج بھی آ رہا ہوں۔'' ریم بے پناہ حیرت سے دیکھنے لگی' تو وہ بولا۔ ''مگر پاگل لڑکی یہ ملاقات' اس نوعیت کی ہرگز نہیں ہے' جس کے متعلق تم سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو۔ وہ میری بس اچھی دوست ہے اور بس!''

''دوست؟ دوست تو تمہاری کبھی میں بھی تھی ثوبان قریشی۔ یاد ہے تم اپنے تمام دکھ' سکھ' مسائل سب مجھ سے شیئر کرتے تھے۔ اب ایسی کیا بات ہوگئی' جو تمہیں کس اور کی ضرورت پڑ گئی۔'' وہ سلگ کر بولی۔

''ریم! کوئی فضول بات ذہن میں مت لاؤ۔ میں صرف تمہارا ہوں اور تمہارا ہوں گا۔ تمہارا ہاتھ میں نے تاعمر کے لئے تھاما ہے۔ تمہارے نام کے ساتھ ہمیشہ میرا نام جڑا رہے گا۔

بولو اور کیا یقین چاہتی ہو تم؟'' ثوبان نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''پھر تم اس سے کیوں ملتے ہو؟ کیا لگتی ہے وہ تمہاری اور اچانک یہ دوستی کہاں سے ہوگئی۔ تم جانتے ہو نا' نہیں برداشت کر سکتی' میں کسی اور پر تمہاری نظر۔ پھر کس لیے بڑھ رہے ہو اس کی طرف؟''

''تم ہی نے تو جان پہچان کروائی تھی۔'' وہ شرارت سے بولا۔ پھر دوسرے ہی پل سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ ''دیکھو ریم اس سے زیادہ میں تمہیں اور یقین نہیں دلا سکتا۔ میں نے یہ بندھن اسی لئے باندھا تھا کہ تم پُر اعتماد ہو جاؤ اور جہاں تک لبنیٰ حبیب کی بات ہے' وہ تو تمہاری گرد تک کو نہیں چھو سکتی۔ اس سے زیادہ اور میں کیا کہوں' تم میری منکوحہ ہو' میری محبت ہو۔ یہ بات تم خود بھی جانتی ہو' پھر تمہیں اس عام سی لڑکی سے خوفزدہ ہونے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا تو تب وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ تبھی ثوبان نے جیب سے رومال نکالا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھیں پونچھنے لگا۔

''تم روتی ہوئی نہایت بری لگتی ہو' مسکراؤ۔'' مگر وہ مسکرائی نہیں۔ یونہی اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''ثوبان قریشی! اگر تم نے مجھے دغا دیا تو خدا کی قسم تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔''

''ہاں میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔'' وہ شرارت سے ہنس کر بولا تو یکدم ریم کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی' جسے چھپانے کے لئے اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر اس کے بازو پر مکا رسید کرتے ہوئے بولی۔

''میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں' جو رو دھو کر چپ ہو جاتی ہیں۔ میں واقعی تمہیں شوٹ کر دوں گی۔''

''مرے ہوئے کو مارو گی؟'' وہ جواب میں شرارت سے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو وہ فوراً سر جھکا گئی۔ کیسے جذبے پھوٹ رہے تھے' ان پرتپش آنکھوں سے۔ ریم کا وجود جیسے پگھلنے سا لگا تھا۔ تبھی وہ اور اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔

✦ ◈ ✦

گو ثوبان قریشی نے اسے ہر طرح سے مکمل یقین دلایا تھا۔ مگر وہ جانے کیوں پھر اس نہج

پر سوچ جا رہی تھی۔ وہ کام کر رہی ہوتی' یا فارغ ہوتی۔ سوچیں ذہن کے ساتھ چپکی رہتیں۔

آخر کیوں راغب ہوا وہ اس کی جانب؟

اس کے دمکتے حسن کے باعث؟

اس کی خود اعتمادی کے باعث؟

مگر یہ سب خوبیاں تو اس میں بھی تھیں..... پھر.....؟

ہاں ..... شاید بے پناہ دولت کے باعث' کیوں کہ اس میں وہ للی حبیب سے کم تر تھی۔

وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ آ گیا۔

''ہیلو کن سوچوں میں گم ہو؟'' اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجاتے ہوئے وہ بولا' تو ریم چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ امی اور سومیہ وغیرہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ پھر جب وہ چائے پی رہا تھا تبھی وہ بولی۔

''کیا للی نے اسکول کی جاب چھوڑ دی ہے؟''

ثوبان نے اس کی جانب دیکھا' پھر شانے اچکا دیئے۔

''کافی دنوں سے وہ آ نہیں رہی۔''

''اس کے معاملات میں ابھی اس حد تک انوالو نہیں ہوا میں۔'' اس نے کہہ کر کپ ٹیبل پر رکھا تبھی سومیہ اٹھ کھڑی ہوئی' اور کچن میں چلی گئی۔ امی پہلی ہی اٹھ چکی تھیں اب وہ صرف دونوں بیٹھے تھے۔

''ویسے اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ اس روز جب وہ مجھے چھوڑنے آئی تھی تو یونہی راستے میں سرسری سی بات ہوئی تھی' جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنی زندگی میں خوش نہیں ہے۔''

''ہاں ٹھیک اندازہ لگایا تم نے۔ دراصل اس کے والدین کی اس کے بچپن میں ہی علیحدگی ہو گئی تھی۔ بچپن کا زمانہ اس کا ہاسٹل میں گزرا۔ ماں نے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی کر لی' اور باپ بھی اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ ایسے میں وہ بے توجہی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ پھر جب وہ جونیئر کیمبرج میں پڑھ رہی تھی' تبھی اسے ایک شخص سے محبت ہو گئی۔ مگر جلد ہی وہ بھی اسے چھوڑ کر چلا آیا۔ اس کا تعلق بھی پاکستان سے تھا۔ مگر للی کے پاس اس کا کوئی

ایڈریس نہیں تھا۔ وہ اسے ڈھونڈنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کے تحت پاکستان آئی ہے۔''

''اور تم اس کی اس سلسلے میں مدد کر رہے ہو؟'' ریم اس کی بات کاٹ کر بولی تو اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

''ویسے وہ گرین کارڈ ہولڈر بھی تو ہے نا۔'' ریم نے جانے کیا جتانے کو پوچھا' تو وہ خاموش نظروں سے تکنے لگا۔ پھر کچھ کہے بغیر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

''حمزہ نظر نہیں آ رہا؟''

''اس نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم جاب بھی شروع کر دی ہے' اسی لیے.....''

تب ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ریم باوجود دل کی خواہش کے اسے روک نہ سکی۔ یونہی بیٹھی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اس روز وہ اسکول سے واپسی پر بس کے انتظار میں کھڑی تھی' جب اچانک للی حبیب کی سلور گرے کرولا اس کے قریب آن رکی۔

''آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔'' وہ کھڑکی میں سے منہ نکال کر بولی' تو ریم نے آگے بڑھ کر فرنٹ ڈور کھول لیا۔

''تم نے جاب کیوں چھوڑ دی؟'' بیٹھنے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے اچانک پوچھا تو وہ ہنس دی۔

''بس یونہی جی اچاٹ ہو گیا تھا۔''

''آج کل کیا مصروفیات ہیں؟'' ریم نے مسکراتے ہوئے پوچھا' تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ تب وہ بولی۔

''ثوبان بتا رہا تھا تم یہاں کسی کی تلاش میں آئی ہو؟''

اس نے چونک کر دیکھا پھر بولی۔ ''ہاں مگر ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ویسے تمہارا کزن میری بہت مدد کر رہا ہے۔ ہی واز اے نائس گائے۔''

''وہ میرا کزن ہی نہیں میرا شوہر بھی ہے۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔'' وہ جانے کیا جتانے کو بولی تھی۔ مگر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''ہاں ثوبان بتا رہے تھے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ بہت چاہتے ہیں ناں وہ تمہیں؟''

''کیا یہ بات انہوں نے تمہیں نہیں بتائی؟'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''ارے ان کی گفتگو شروع بھی تم سے ہوتی ہے' اور ختم بھی تم پر۔ سچ کبھی کبھی تو میں تم سے حسد بھی کرنے لگتی ہوں' کاش ہمیں بھی کوئی یوں ٹوٹ کر چاہتا۔'' اس کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

''سنو لبلی جسے تم ڈھونڈنے آئی ہو کیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا؟''

''کرتا تو تھا۔'' اس کا جواب مختصر تھا۔ ''مگر جانے کیوں کہیں بھیڑ میں گم ہو گیا۔''

''اور اگر وہ تمہیں خدانخواستہ نہ ملا تو؟'' ریم کہہ کر اسے دیکھنے لگی۔

''ایسا ہو نہیں سکتا کہ کسی کی تلاش رائیگاں جائے۔''

''پھر بھی؟'' ریم جاننے پر بضد تھی۔

''تو پھر میں واپس امریکہ لوٹ جاؤں گی۔'' وہ کہہ کر چپ ہو گئی' پھر بولی۔ ''ثوبان کیسے ہیں؟''

''اچھے ہیں' کیا ملتے نہیں تم سے؟'' ریم نے کہتے ہوئے اسے دیکھا۔

''نہیں' کئی دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' تب ہی اس نے گاڑی اس کے گھر کے سامنے روک دی۔ ''تب وہ اترتے ہوئے مروتاً بولی۔

''آؤ نا اندر۔'' مگر اس نے مسکراتے ہوئے سہولت سے انکار کر دیا' اور پھر گاڑی آگے بڑھا لے گئی۔

پھر اس کے کانوں نے یہ خبر بھی سنی کہ ثوبان قریشی نے جاب چھوڑ دی ہے' اور اب بہت جلد وہ امریکہ جا رہا ہے۔

''کیا لبلی حبیب کے ساتھ؟'' دل سے فوراً یہ صدا ابھری اور وہ خود کو جھٹلانے کی سعی کرنے لگی۔

''بند باندھ باندھ کر پہاڑ نہیں بنائے جا سکتے۔ اسے اگر مجھے چھوڑنا ہے تو ہر صورت چھوڑ دے گا' اور اگر ہمارا ساتھ لکھا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں الگ نہیں کر سکتی۔ نصیب میں نہ ہو تو ہاتھ میں آیا ہوا نوالہ بھی گر جاتا ہے۔ تم اگر میرے نہیں ہو ثوبان قریشی تو میں زبردستی تم کو باندھ کر نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ بند باندھنے سے واقعی پہاڑ نہیں بنا کرتے۔ جس طوفان کو آنا ہوتا ہے وہ تو ہر صورت آ کر رہتا ہے۔ پھر میں کیوں بلاوجہ خود کو ہلکان کروں۔ اس نے سوچا تھا' اور پھر اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا تھا' اور ابھی وہ بیٹھی دوپٹے پر کروشیے کی

بیل بنا رہی تھی' جب پڑوس کا بچہ آ گیا۔

''آپا! آپ کا فون ہے۔'' ریم نے قدرے حیران ہو کر اس بچے کو دیکھا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ والوں کا نمبر اس کے کسی جاننے والے کے پاس نہ تھا۔

پھر؟

اور جب اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا' یکسر اجنبی آواز پر چونک گئی۔

''ہیلو کون؟''

''ریم جہانگیر میں ہوں لبلی حبیب۔'' وہ جہاں چونکی' وہیں بے حد اطمینان سے بولی۔

''ہاں کہو۔''

وہ کچھ دیر تک تو خاموش رہی' پھر ایک گہرا سانس لے کر گویا ہوئی۔

''سنو ریم' جو بات میں تمہیں بتانے جا رہی ہوں' اسے سن کر شاید تم پریشان ہو جاؤ' مگر میرے خیال میں اس کا تمہارے علم میں آنا بے حد ضروری ہے۔ اگر تم اپنے دل و دماغ سے غور کرو گی تو شاید تمہیں یہ بات اچھی ہی نہ لگے' اگر میں تمہیں آگاہ نہ کروں تو شاید تم غلط سمجھتی رہو۔ کیونکہ اس بات کے جاننے والے دو لوگ ہیں' اور ان میں سے دوسرا اگر تمہیں غلط بتائے' لیکن میں تمہیں اندھیرے میں رکھ کر اپنے دل پر کوئی بوجھ لینا نہیں چاہتی۔ ایک لڑکی ہونے کی وجہ سے میں تمہارے احساسات و جذبات کو سمجھتی ہوں۔''

''اصل بات کہو!'' وہ اس کی لمبی چوڑی تمہید پر اکتا کر بولی۔ دل جانے کیوں اس پل بے حد تیز رفتاری سے دھڑکا۔ جواب میں لبلی حبیب چند پل کو خاموش ہوئی' پھر دھیرے سے بولی۔

''سنو ریم' میں نے اور ثوبان قریشی نے میرج میرج کر لی ہے۔ یہ بندھن اپنے نام کی طرح کھوکھلا اور وقتی ہے۔ تب تک ہم میاں بیوی ہیں' جب تک ثوبان قریشی امریکہ پہنچ کر اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ تمہیں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ اس رشتے کو قائم کرنے کے لئے ثوبان قریشی بھی بالکل راضی نہ تھا' مگر اس کے اچھے مستقبل کے لئے یہ بے حد ضروری تھا۔ اس کے لئے میں نے ہی اسے فورس کیا تھا۔ امریکہ میں روز کئی نوجوان ڈالر کمانے کے چکر میں پہنچتے ہیں' مگر ان میں سے بہت کم معقول ملازمتیں حاصل کر پاتے ہیں۔ میں چونکہ گرین کارڈ ہولڈر تھی' اس لیے میرے نزدیک مدد کا اس سے کوئی بہتر

طریقہ اور نہ تھا۔ ہیلو ریم!'' اس کی خاموشی کو محسوس کر کے وہ بولی تو ریم جیسے چونک کر متوجہ ہوئی۔

''ہوں کہو!'' آواز جانے کیوں پُرلرزش تھی۔

''تم رو رہی ہو نا ریم۔ تم یقیناً مجھے قصوروار جان رہی ہوگی' لیکن بائے گاڈ میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے یہ سب بے حد نیک نیتی سے کیا ہے۔ میرا ضمیر صاف ہے۔ دل صاف ہے' تب ہی تم سے فون پر بات بھی کر رہی ہوں' اور سنو تم ثوبان قریشی کو بھی مجرم مت سمجھنا۔ وہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے اس کے اندر' ہر طرف تم ہی تم ہو۔ کسی اور کے تو پاؤں دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔'' وہ پل بھر کو رکی پھر بولی۔'' اس نے شاید تمہیں کچھ نہیں بتایا' ہے نا؟''

مگر جواب میں ریم نے کچھ نہ کہا۔ تب وہ بولی۔

''دراصل وہ تمہیں کسی بھی طرح سے ہرٹ کرنا نہیں چاہتا۔ بہت محبت کرتا ہے تم سے' تمہارا ایک ایک آنسو اسے اپنے دل پر گرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''

اور وہ جو کبھی نہ رونے کی قسم کھائے بیٹھی تھی جانے کیوں اشکوں کو روک نہ سکی۔

''ہیلو ریم' آئی ایم رئیلی ویری سوری۔ مگر یہ سب میں نے تم دونوں کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ یہ شراکت عارضی ہے۔ ثوبان قریشی تمہارا تھا' اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ پلیز تم میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔''

ریم کی ہستیں جیسے جواب دینے لگیں۔ تب ہی اس نے دھیرے سے ریسیور رکھا' اور پھر آنکھیں رگڑ کر گھر کی سمت چل پڑی۔

عجب بات تھی' جس نے چھینا تھا' وہی اس بات کا یقین دلانے کی کوشش بھی کر رہی تھی' کہ اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔

عورت زندگی میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہے' مگر اپنے شوہر کی تقسیم برداشت نہیں کر سکتی اور جو کبھی اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی اور اپنی جان ایک کر دے گی یا اسے شوٹ کر دے گی تو ابھی وہ اتنا کچھ ہو جانے پر کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔ کبھی اسے اس کا کسی غیر پر ایک نگاہ ڈالنا بھی کھلا کرتا تھا اور کہاں اب وہ باضابطہ طور پر ''تقسیم'' ہو چکا تھا اور وہ تب بھی چپ سادھے ہوئے تھی۔ کرتی بھی تو کیا۔

بند باندھ کر واقعی پہاڑ نہیں بنائے جا سکتے' اور وہ بھی ایسی حماقت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جس طوفان کو آنا تھا وہ تو آ چکا تھا..... پھر؟

اور اس روز وہ اس سے ملنے آیا بھی' تو اس نے اس سے کچھ نہ کہا۔

وہ باتیں کرتا رہا' وہ سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی پھر وہ چلا گیا۔

جب وہ امریکہ جا رہا تھا' سب ہی اسے چھوڑنے ایئرپورٹ تک گئے' مگر اس نے وہیں سے خدا حافظ کہا' اور اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

اس کی سرد مہری کو ثوبان قریشی نے بھی محسوس کیا تھا' مگر نہ جانے کیوں کہا کچھ نہیں تھا۔ شاید اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

✦ ◈ ✦

پھر دن جیسے پر لگا کر اڑنے لگے تھے۔ ثوبان نے پہنچتے ہی اسے خط لکھا تھا' مگر اس نے پڑھے بغیر ایک طرف ڈال دیا تھا۔ پھر وقتاً فوقتاً اس کی جانب سے مختلف قسم کے کارڈز' خطوط اور تحائف آتے رہتے' مگر وہ دیکھے بغیر ایک طرف ڈالتی رہتی۔ اس نے ایک دو بار فون بھی کیا' مگر وہ سننے نہیں گئی۔ امی اسے ان اقدام پر حیرت سے دیکھتیں۔ اس کی خاموشی کی بابت بھی ایک دو بار دریافت کیا' مگر وہ ٹال جاتی اور تب وہ اسے کچھ اس انداز سے دیکھتیں کہ وہ چور سی بن کر نگاہیں جھکا لیتی۔ ماں کی نگاہ بہت گہری ہوتی ہے۔ بچوں کو اگر کوئی تکلیف ہو تو سب سے پہلے ماں یہ محسوس کرتی ہے۔

تب ہی ایک دن انہوں نے پاس بٹھا کر پوچھا تو وہ دھندلی آنکھوں سے چند پل دیکھتی رہی' پھر ان کے شانے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔ اندر کا تمام درد جیسے بہنے لگا۔

''ریم بچی کوئی بات ہے تو بتا!'' وہ اس کی سسکیوں پر ہول کر بولیں۔'' تیرے دل میں آخر کیا ہے کچھ بول تو۔ ماں سے کہہ' ماں سے بڑا تو کوئی راز داں نہیں ہوتا۔ آخر کیا بات تجھے پریشان کر رہی ہے۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کر کے اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں پونچھیں تب وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ قدرے نحیف و کمزور تھیں۔ وقت نے پہلے ہی انہیں کم دکھ تو نہ دیئے تھے۔ اور ریم ان کو مزید دکھی کرنا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی باقی کے تمام آنسو اپنے اندر اتار کر مسکرائے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کچھ نہیں امی' بس یونہی ابو جی کی یاد آ گئی تھی۔ ان کی برسی بھی تو آ رہی ہے نا۔'' اس

نے یونہی بات بنائی تب امی اسے خاموشی سے دیکھنے لگیں اور وہ سر جھکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

✦ ◈ ✦

''کیا ہوا پریشان ہو تم؟'' لبنیٰ حبیب نے قدرے گم صم سے ثوبان قریشی کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواب میں اسے نے چونک کر دیکھا' اور پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔

''جھوٹ بول رہے ہو؟'' اس نے بغور دیکھتے ہوئے کافی کا کپ تھمایا۔

''نہیں!'' وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ تب وہ عین اس کے سامنے فلور کشن پر بیٹھتے ہوئی بولی۔

''ریم کے بارے میں سوچ رہے ہو نا؟'' اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ وہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔ تبھی وہ اسے دیکھتی ہوئی دھیمے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''سنو' یہ عشق بے خود اور پاگل کیوں کر دیتا ہے؟''

ثوبان قریشی بے ساختہ ہی اس کی سمت دیکھنے لگا۔ چہرے پر حد درجہ سادگی لیے وہ اس سے خاصی معصوم سی لگی۔

''پتا نہیں! اس نے مختصر کہہ کر کافی کا کپ منہ سے لگا لیا' اور پھر نظروں کا زاویہ بدل کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

''جب پتا نہیں تو ''عشق'' کرتے کیوں ہیں؟''

''کرتا کون ہے' اپنے آپ ہو جاتا ہے!'' ثوبان نے اس کی سمت دیکھے بغیر جواب دیا۔ وہ بے ساختہ ہی اس کی سمت دیکھنے لگی۔ پھر سر جھکا کر بولی۔

''ہاں' اپنے آپ ہی ہو جاتا ہے' جیسے دن نکلتا ہے۔ جیسے شام ڈھلتی ہے جیسے مینہ برستا ہے' جیسے دھوپ نکلتی ہے' جیسے چاند چمکتا ہے' جیسے چاندنی پھیلتی ہے۔ ویسے ہی عشق بھی ہو ہی جاتا ہے۔'' وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''حضرت بلھے شاہؒ نے عشق کی کیفیات کو بڑے دلکش طریقے سے رقم کیا ہے۔ سنو گے؟'' وہ رک رک کر اس سے پوچھنے لگی پھر اس کا جواب سنے بغیر بولنے لگی۔

جس تن لگیا عشق کمال
ناچے بے سُرتے بے تال

جس دے اندر وسیا یار
اٹھیا یار دیار پکار
نہ ادھ چاہے راگ نہ تار
اینویں بیٹھا' کھیڈے حال
جسنتن لگیا عشق کمال
ناچے بے سرتے بے تال

اس کا لہجہ بے خود اور مست تھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگا۔ تب ہی لبنیٰ نے بھی اس کی جانب سر اٹھا کر دیکھا' تو وہ فوراً نگاہ چرا گیا اور یونہی بولا۔

''تم نے بلھے شاہؒ کو کہاں پڑھ لیا؟'' وہ مسکرا دی۔

''صرف انہیں ہی نہیں میں نے اور بھی بہت سے مشرقی شاعروں کو اور خاص طور پر صوفیا کرامؒ کو بغور پڑھا ہے۔ بابا فریدؒ' سلطان باہوؒ' میاں جیؒ' شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ' سچل سرمستؒ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے شعراء ہیں۔ جن کے وجدان پرور کلام سے میں مستفید ہوئی ہوں۔''

وہ بولی تو وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔

''یہاں رہ کر' حالانکہ یہاں رہنے والی لڑکیاں تو .....'' وہ ابھی کہہ ہی رہا تھا جب لبنیٰ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ضروری نہیں کہ سب ایک ہی جیسی ہوں' میں نے یہاں پرورش پائی ہے۔ یہاں رہتی ہوں' مگر میرا اندر خالصتاً مشرقی ہے۔ اس دھرتی سے اس مٹی کی خوشبو سے مجھے عشق ہے۔'' وہ جذب سے بولی تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ پھر اچانک بولا۔

''کیا بہت چاہتی تھیں تم حسیب کمال کو؟''

اور لبنیٰ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر دوسرے ہی پل سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''پتا نہیں۔''

''کیوں؟''

''بہت عرصہ ہوا مجھے اس کی یاد نہیں آئی' اور جو بھول جائیں وہ دل سے بھی تو نکل جاتے ہیں نا۔''

ثوبان نے اس دھان پان سی تیکھے نقوش والی لڑکی کو ایک نظر دیکھا' پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''تمہاری نظر میں بھولنا اور یاد رہنا ہی محبت کا مفہوم ہیں۔'' مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھٹنوں پر ہاتھ باندھے یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تلاش کرنے پر بھی تمہیں نہیں ملا اس لیے۔''

تب وہ یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ثوبان قریشی جن سے محبت کی جاتی ہے' انہیں ڈھونڈنے کی نوبت کبھی نہیں آتی۔ وہ سدا نظروں میں رہتے ہیں۔ دل میں بستے ہیں۔ جیسے تمہارے دل میں ریم جہانگیر بستی ہے۔'' وہ بولا تو ثوبان کتنے ہی پل اسے خاموشی سے تکتا رہا' پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''فرض کرو اگر اچانک وہ کہیں سے نکل کر آجائے تو؟''

''جو باتیں ناممکن ہوں انہیں فرض کرنا بھی حماقت ہے' اور میں احمق بننا نہیں چاہتی اور اب پلیز اس کا ذکر مزید مت کرنا۔''

تب وہ بھی خاموش ہو گیا۔

''بہتر نہ ہوگا کہ تم فون پر اس سے بات کر لو!''

''وہ ناراض ہے مجھ سے۔''

''روٹھے ہوئے کو منانا مشکل تو نہیں۔''

''ہاں' مگر وہ سرے سے بات ہی کرنا نہیں چاہتی' تم نے اسے حقیقت سے باخبر کر کے اچھا نہیں کیا۔''

''میں نے بالکل ٹھیک کیا ہے ثوبان قریشی' اگر میں اسے نہ بتاتی تو کسی اور ذرائع سے اسے پتا چل جاتا' اور پھر شاید وہ کچھ اور قیاس کر لیتی۔ میرے دل میں کوئی چور نہ تھا' تب ہی سب کچھ کہہ دیا۔''

''ہاں تب ہی کہتے ہیں بے وقوف دوست سے دانا دشمن بھلا۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ ہنس پڑی۔ پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' یہ ناراضی اور غصہ یقیناً عارضی ہے۔''

''ہاں جانتا ہوں میں۔'' پھر اچانک اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

✦ ◈ ✦

ثوبان نے دروازے پر ابھی قدم ہی رکھا تھا' جب اسے احساس ہوا کہ گھر میں خاصی چہل پہل ہے' اس نے آہستہ سے ہینڈل پر دباؤ ڈالا اور اندر کا منظر واضح ہو گیا۔

دو نوجوان' خوب صورت اسمارٹ لڑکیاں۔ ایک قدرے معمر مگر اسمارٹ عورت تھی' ایک مغربی تہذیب کا مکمل شاہکار نوجوان' وہ دروازے میں ہی رک گیا۔

للی ان میں گھری خاصی دلچسپی سے باتیں کر رہی تھی۔ تب ہی اچانک اس کی نظر اس پر پڑی اور وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر اس کی سمت بڑھ آئی۔

''میری ماما اور ان کے بچے آئے ہوئے ہیں۔ آپ پلیز ان سے مل لیجئے۔'' ثوبان نے دیکھا اس کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔ وہ مسکرایا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ان کی سمت چلا آیا۔

''ارے للی' تمہارے ہزبینڈ تو بڑی ڈیشنگ پرسنالٹی کے مالک ہیں۔'' ان لڑکیوں میں سے ایک نے اسے دیکھ کر برملا اظہار کیا تو للی بے ساختہ اس کی سمت دیکھنے لگی۔

''بہت لکی ہو بھئی تم تو۔ اتنا اسمارٹ شوہر بیٹھے بٹھائے مل گیا۔'' دوسری نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''بیٹھے بٹھائے کہاں' پورا پاکستان چھانا ہے بھئی' تب کہیں جا کر انہیں ڈھونڈا ہے۔'' للی نے شرارت سے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا' تو ثوبان قریشی ایک دم اسے دیکھنے لگا۔

''پھر تو ہمیں بھی پاکستان کا رخ کرنا چاہیے۔'' ایک لڑکی نے کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

''بیٹا آپ فریش ہو لو۔ ہم ابھی یہیں ہیں۔ ان کی گفتگو میں پھنس گئے' تو جانے کب تک بٹھائے رکھیں۔'' للی کی ماما نے کہا تب وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پھر جب وہ ہاتھ لے کر باتھ ٹاول سے پونچھتا ہوا باہر نکلا' تب وہ اس کے لئے گرما گرم کافی لے آئی۔

''یہ تمہاری اسٹیپ سسٹرز ہیں؟'' اس نے کپ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں!'' وہ کہہ کر سر جھکا گئی۔

''اور ماما؟''

''وہ بالکل سگی ہیں۔'' اب کے وہ ہنس دی۔ ''تب ہی وہ کافی کے سِپ لیتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا۔

''تم نے انہیں بتایا نہیں کہ یہ شادی اولٹی پیپر میرج ہے؟'' جانے کس خیال کے تحت اس نے کہا تھا' مگر لِلی اسے ایک دم چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر ہونٹ کاٹتی ہوئی دوسری سمت دیکھنے لگی۔

''کیا اس بات کا ڈھنڈورا پیٹنا لازمی ہے' تم سیرے نہیں ہو۔ یہ بات میں جانتی ہوں' تم مجھے چھوڑ دو گے' یہ بات بھی میں جانتی ہوں۔ پھر کیا سب سے کہہ کر اس بات کا چرچا کرنا لازمی ہے؟''

اس کے لہجے میں جانے کیا تھا' ایسا کہ ثوبان قریشی چونک کر دیکھنے لگا۔

''مگر یہ بات کل کو پیچیدگی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ کل جب یہ تعلق ٹوٹے گا تو کیا یہ لوگ تم سے کوئی باز پرس نہیں کریں گے؟''

''لِلی نے اس کی بات پر ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں' وہاں کوئی کسی سے باز پرس نہیں کرتا۔ یہاں آج تعلق بنتے ہیں اور کل ختم ہو جاتے ہیں۔ سب اپنی زندگی میں بے پناہ مگن ہیں۔ کسی کو کسی سے کچھ کہنے' سننے کی فرصت نہیں۔ پھر یہ سب باتیں ہیں' اس لیے آپ کو اس کے متعلق سوچ کر ہلکان ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اٹ از اولٹی مائی ہیڈک!'' وہ تیزی سے بولی' اور پھر باہر نکل گئی۔ ثوبان قریشی یونہی چند لمحے کھڑا اس سمت دیکھتا رہا' پھر بیٹھ کر کافی کے سِپ لینے لگا۔

وہ یوں ہی آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا' جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

''حقیقتاً نہ سہی مگر کاغذی طور پر ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔ جس طرح میں تمہاری پریشانیوں اور دوسری باتوں کا خیال رکھتی ہوں' اسی طرح جواباً تمہیں بھی میرا خیال رکھنا چاہیے۔''

ثوبان نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا' وہ روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بیوی ہونے کے ناطے نہ سہی ایک دوست ہونے کے ناطے ہی تمہارا یہ حق بنتا ہے کہ تم میرے مہمانوں کو کمپنی دو۔ ماما کھانے پر تمہیں بلا رہی ہیں۔'' وہ بولی اور پھر واپس پلٹ

گئی۔ ثوبان کچھ دیر تک یوں ہی لیٹا رہا' پھر اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ کھانے کے دوران ہنسی مذاق چلتا رہا۔ لِلی کی بہنیں' میری اور شیرل اور بھائی ٹونی مسلسل باتیں کرتے رہے۔

''لِلی! تمہاری شادی کو چھ مہینے سے زیادہ وقت بیت گیا اور تم نے ابھی تک کہیں ہنی مون کے لیے ہی نہیں گئیں۔'' اچانک لِلی کی ماما نے کہا' تو جہاں لِلی کا ہاتھ رکا وہیں وہ بھی بے ساختہ اس کی سمت دیکھنے لگا۔

''بس ماما مصروفیت ہی اتنی رہی' آتے ہی پہلا مسئلہ ثوبان کی جاب کا تھا اور.....''

''مگر اب تو تمہیں کہیں جانا چاہیے۔'' ماما نے پھر کہا تو وہ تینوں ہنسنے لگے۔ تب ہی میری بولی۔

''اتنا زبردست ہم سفر میرا ہوتا تو اب تک ہنی مون پیریڈ ہی چل رہا ہوتا۔ پورا یورپ گھوم چکی ہوتی اس کی سنگت میں۔'' اس کا لہجہ اتنا بے باک تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا گئے۔ پھر لِلی ہی بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

''پورا یورپ میں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں' اور بار بار دیکھ کر بور نہیں ہونا چاہتی۔ یوں بھی ہم یہیں خوش ہیں۔'' پھر اسکی سمت دیکھتے ہوئے بولی۔

''ثوبان! آپ کافی لیں گے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

اس روز وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی' جبکہ وہ قدرے فاصلے پر بیٹھا گھر بات کر رہا تھا۔ اماں نے بتایا تھا کہ ریم آئی ہوئی ہے اور اس لمحے اسے ایک دم ہی بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔

''پلیز اماں اسے بلا دیں ذرا۔'' اس کے گھر والوں کو کسی بات کا پتا نہیں تھا۔ تب ہی شاید ریم بھی اماں کے کہنے پر فون پر آ گئی تھی۔

''ہیلو ریم' کیسی ہو؟'' لہجہ حد درجہ بے قرار تھا۔ مگر جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

''ہیلو ریم' پلیز کچھ کہو' کچھ بولو۔'' اس سے پہلے کہ دوسری سمت سے کوئی جواب آتا۔ لِلی حبیب کی آواز نے اسے اپنی جانب راغب کر لیا۔

''ہا.....آ.....'' وہ اچانک سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہنے لگی تھی۔ پھر کھلے ہوئے منہ پر رومال رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی تھی۔

''لِلی۔'' ثوبان قریشی نے ایک دم ریسیور کریڈل پر رکھا' اور بے ساختہ اٹھ کر اس کے

پیچھے دوڑا۔ وہ اب واش بیسن کے نل پر سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ ثوبان نے اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔ اس کی اڑی ہوئی رنگت اور پانی سے بھری آنکھیں اس کی اندرونی تکلیف کی غماز تھیں۔

''لبلی تم ٹھیک تو ہو؟''

''ہوں!'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر واش بیسن کا نل بند کیا۔ تب ہی ثوبان کی نظر اس کے ہاتھ میں دبے سفید رومال پر پڑ گئی۔ جو خون کے سرخ دھبوں سے اٹا ہوا تھا۔

''یہ.....؟'' وہ حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کچھ نہیں' ٹھیک ہوں میں۔'' وہ رومال ڈسٹ بن میں ڈال کر اطمینان سے مسکرائی۔

''چلو میرے ساتھ اسپتال!'' ثوبان نے اس کے بازو پکڑ کر کھینچا' مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اپنی جگہ پر کھڑی اطمینان سے مسکراتی رہی۔

''کس ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ گے مجھے؟''

وہ نگاہ جمائے یونہی دیکھتا رہا پھر وہ ہنس دی۔ ''میرا علاج دنیا کے کسی مسیحا کے پاس نہیں۔ لیوکیمیا کی ایڈوانس اسٹیج پر ہوں میں۔ کسی بھی وقت اوپر سے بلاوا آسکتا ہے۔''

وہ کتنے ہی پل خاموشی اور حیرت سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کون کہہ سکتا تھا وہ نازک سی تیکھے پرکشش نقش کی مالک' زندگی سے بھرپور لڑکی موت کی دہلیز پر کھڑی تھی' جو مسکراتی تھی' تو جیسے پوری کائنات مسکرا اٹھتی تھی' جو ہنستی تھی تو جیسے چہار سو کلیاں چٹکنے لگتی تھیں۔

جگنوؤں سے زیادہ تابندہ آنکھوں کی حامل لڑکی۔ موت اس کے سامنے بانہیں پھیلائے کھڑی اور وہ پھر بھی ہنس رہی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم۔'' ثوبان نے ایک دم اس کا بازو تھام کر زور سے جھٹکا دیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی' پھر مسکراتے ہوئے دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا۔

''تمہارا مجھ سے کیا ناتا ہے جو تم سے مذاق کروں گی۔ وہ بھی اتنا سنگین۔'' وہ شرارت سے بولی تو وہ درشت نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کاغذی طور پر ہی سہی تم میری بیوی ہو۔ پھر تم نے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا؟''

''بتا دیتی تو کیا تم پھر بھی مجھ سے' بیہیو میرج کر لیتے؟'' وہ جواب میں پھر بھی سنجیدہ نہ تھی۔ وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

''کچھ بھی سہی لیکن تمہیں اس طرح دھوکا نہ دیتا۔ تم نے مجھے آگاہ نہ کر کے اچھا نہیں کیا۔''

''دھوکا کیسا' یہ تو میرا خالصتاً ذاتی فیصلہ تھا۔'' پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ ''اے ثوبان' تم اس طرح سیریس کیوں ہو رہے ہو۔ میرے مرنے سے بھلا تمہیں کیا فرق پڑے گا۔ تم تو پھر بھی شادی شدہ ہی کہلاؤ گے۔'' مگر وہ اس کی شوخی پر بھی نہیں مسکرایا۔

''ریم سے بات ہوئی؟'' وہ ثوبان کو بے دلی سے ریسیور رکھتے دیکھ کر بولی۔ تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔

''عجیب آدمی ہو تم ایک روٹھا ہوا محبوب نہیں منا سکتے۔ لوگ تو روٹھے رب کو منا لیتے ہیں۔''

ثوبان نے ایک نظر اسے دیکھا' اور چلتا ہوا اس کے قریب آ بیٹھا۔

''ایک سال تو تمہیں ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے تم ایک چکر گھر کا لگا آؤ اس طرح تم ریم کو بھی منا سکو گے۔''

''نہیں' ابھی نہیں۔ ابھی میرا مقصد پورا نہیں ہوا۔ ابھی تو ''ریم محل'' کی تعمیر شروع ہوئی ہے' اور جب تک میں تمام خوابوں کو عملی جامہ نہ پہنا لوں اس سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا۔''

''مگر اس طرح تو وہ تم سے مزید بدظن ہو جائے گی۔ وہ تو یہی سمجھے گی میرا جادو تم پر چل گیا ہے' اور میں نے تمہیں باندھ کر رکھ لیا ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی تو وہ اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے ہنس دیا۔

''کچھ غلط تو نہیں سوچ گی۔''

لبلی نے چونک کر دیکھا' اس کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی' تب اس نے اسے ٹشن کھینچ مارا اور وہ ہنستا چلا گیا۔ تب ہی وہ سنجیدگی کے ساتھ سر جھکا گئی' اور یونہی کارپٹ پر آڑی ترچھی لائنیں کھینچنے لگی۔ ثوبان اسے کچھ دیر تک دیکھتا رہا پھر بولا۔

''سنو لبلی' تم ایک بار میرے ساتھ چل کر کسی اچھے سے ماہر ڈاکٹر سے چیک اپ کروا لو' مجھے یقین نہیں آتا اتنے بڑے ملک میں بھلا کیسے اس مرض کا علاج ممکن نہیں۔ اٹ از امپاسبل۔'' وہ کہہ کر نفی میں ہلانے لگا۔

"بعض اوقات بہت کچھ ناممکن ہو جایا کرتا ہے۔" وہ بولی تو لہجے میں بے پناہ درد تھا۔

پھر وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور ہنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے ڈھیروں پانی بہنے لگا۔ پھر وہ بے ساختہ ہی اس کے مضبوط شانوں پر سر رکھ کر رونے لگی۔

"پہلے مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا تھا' لیکن اب میں مرنا نہیں چاہتی۔ ثوبان پلیز مجھے بچالو۔ میں تمہارے قریب ہوں' مجھے اپنی دھڑکنوں میں چھپالو' دل میں رکھ لو کہ موت آئے بھی تو مجھے ڈھونڈ نہ سکے۔ پلیز ثوبان۔" وہ اس کے شانے کو مسلسل بھگوئے جا رہی تھی' مگر ثوبان کتنے ہی پل ساکت سا یونہی بیٹھا رہا تھا۔ دھیرے سے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"تم اپنے اپارٹمنٹ میں کب منتقل ہو گے؟" اسے ٹیرس پر کھڑے ہو کر کافی پیتے ہوئے لبنیٰ نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تم مجھے یہاں سے بھگانا چاہ رہی ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم بھول رہے ہو شاید۔ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے ہو' اور ہمارا ساتھ یہیں تک کا تھا' اس سے آگے تمام راستے ختم ہو جاتے ہیں۔"

"منزل آئے بغیر راستے ختم کیسے ہو سکتے ہیں؟" وہ شرارت سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ مگر وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ اس روز والی جذباتی کیفیت کا شائبہ تک نہ تھا' اس کے چہرے پر۔ ثوبان نے اسے بغور دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔

"عجیب لڑکی ہو' میں نے تو ہنی مون کا بھی پروگرام بنالیا ہے اور تم۔" اور وہ ایک دم ہی چونک کر دیکھنے لگی' اس کی آنکھوں میں اتنی شرارت تھی کہ وہ اسے گھورنے لگی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا۔

"تم شاید بھول رہے ہو تم میرے پاس کسی کی امانت ہو' اور امانت میں خیانت کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتی۔" وہ چہرے کا رخ پھیرے پھیرے بولی۔

"تھوڑی بہت خیانت کی گنجائش تو نکل سکتی ہے کہ قانوناً شرعاً یہ حق ہمارے پاس محفوظ ہے۔" وہ اس اس کے گرد بازو حمائل کرتا ہوا بولا' تو لبنیٰ سر اٹھا کر بے ساختہ اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں شوخی تھی' شرارت تھی۔ وہ یقیناً اس وقت سنجیدہ نہ تھا۔ تب ہی وہ بھی

دھیرے سے مسکرا دی۔

"ہاں نکل تو سکتی ہے گنجائش' مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں بہت جلد اوپر سدھارنے والی ہوں اور سنا ہے' تازہ گناہوں کی باز پرس سب سے پہلے ہوتی ہے۔" وہ سہولت سے اس کے حصار میں سے نکل آئی۔ پھر یونہی گفتگو کا رخ بدلنے کو بولی۔

"ریم محل" کی تعمیر کا کتنا کام باقی ہے؟"

"بس آخری مراحل میں ہے۔"

"ریم کے لیے تو یہ حیران کن سرپرائز ہوگا نا؟" وہ دور خلاؤں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"ہاں میں منہ دکھائی میں اسے یہی تحفہ گفٹ کروں گا۔" وہ بھی ریم کے ذکر پر خوش نظر آ رہا تھا۔

"سنو' کیا سارے محبت کرنے والے اپنی محبتوں کی یادگار یونہی تعمیر کرتے ہیں؟" اس کا لہجہ اور انداز بے حد کھویا کھویا سا تھا۔ "جیسے ممتاز محل' تاج محل۔"

"ہوں شاید۔"

"میں مر جاؤں گی تو کیا تم میری یاد میں کوئی ایسی ہی یادگار تعمیر کرو گے؟" وہ بولی تو ثوبان قریشی کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے اسے تکنے لگا۔ تب وہ اسے دیکھتی ہوئی ایک دم ہنسنے لگی۔

"اوہ' میں بھول ہی گئی تھی کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔"

ثوبان نے سر جھکا لیا' کہا کہتا وہ سب کچھ تو جانتی تھی۔

"سنو' کچھ اور نہ سہی' ایک دوست ہونے کے ناتے میری قبر پر اپنے ہاتھ سے مٹی ضرور ڈالنا۔ اور ہو سکے تو پھول چڑھانے اور دیا جلانے بھی آیا کرنا۔" پھر خود ہی اپنی بات کی نفی کرتی ہوئی بولی۔ "یہ بھی ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ جب میں مروں تو تم یہاں نہ ہو۔"

"لبنیٰ پلیز!" وہ جلدی سے اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔

"خوفزدہ ہو رہے ہو' بھئی مرنا تو ایک دن سب کو ہے۔ پھر دیر یا بدیر سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تمہارے پاس موت کی باتوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں؟" وہ زچ ہو کر بولا۔

"چلو چھوڑو' ہم تمہارے روشن مستقبل کی باتیں کرتے ہیں۔ تم یہاں سے لوٹ کر کیا

کرو گے؟"

"تمہارا سر!" وہ تیز لہجے میں بولا پھر پاؤں پٹختا ہوا اندر غائب ہو گیا۔

"ثوبان!" وہ شیو کر رہا تھا' جب اس کی لرزتی ہوئی آواز اس کے کان میں پڑی۔

"ثوبان! آہ۔"

اس کا دل ایک دم دھڑکا اور وہ تولیے سے منہ پونچھ کر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف دوڑا۔

"ثو.....ثوبان۔"

تیسری آواز پر وہ اس کے کمرے میں تھا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپتی ہوئی مسلسل کراہ رہی تھی۔ ثوبان نے اسے بیٹھ کر اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"ثو.....ثوبا.....ن.....!" وہ اکھڑتی ہوئی سانسوں کے درمیان مسلسل کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "میں.....آہ.....!"

"للی.....للی.....!" اس نے بے خودی کے عالم میں اسے پکارا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں اور پھر اس کا وجود اس کی بانہوں میں ایک طرف لڑھک گیا۔

"للی.....للی.....!"

وہ اسے جھنجوڑنے لگا۔

"للی' آنکھیں کھولو' پلیز للی۔" اس کی بدحواسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مگر تب ہی للی نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ ثوبان قریشی ایک دم چونک گیا۔ اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ رقصاں تھی' اور آنکھوں میں حد درجہ شرارت۔

"یہ کیا مذاق تھا!" وہ گھورتا ہوا بولا۔ وہ بدستور اس کی بانہوں میں تھی۔ مگر وہ ہنستی چلی گئی۔

"ڈر گئے.....ڈر گئے۔"

"شٹ اپ للی' آئی سے شٹ اپ!" وہ اسے ایک دم پیچھے ہٹا کر بولا۔ مگر وہ مسکراتی رہی پھر بولی۔

"تم نے صبح کیلنڈر پر ڈیٹ نہیں دیکھی۔ بھئی آج فرسٹ اپریل ہے۔ فول ڈے۔"

"تمہیں ڈرامہ کرنے کو اس سے زیادہ مناسب کوئی اور طریقہ نہیں ملا تھا۔ مذاق کی بھی

حد ہوتی ہے۔" وہ خاصا ناراض سا لگ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری' کیا تم ناراض ہو مجھ سے۔ لیکن ثوبان میں نے یونہی۔" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ جب اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"زندگی اور موت تمہارے نزدیک مذاق ہے۔"

وہ بالوں کو اسکارف سے باندھ کر مسکرا دی۔

"زندگی جب میرے ساتھ مذاق کر سکتی ہے' تو میں زندگی کے ساتھ مذاق کیوں نہیں کر سکتی!"

"یو آر میڈ گرل۔"

وہ الجھے ہوئے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولا۔

"یس آئی نو ڈیٹ۔ مگر پلیز اب جلدی سے موڈ ٹھیک کر لو۔ ورنہ میرا دل سچ مچ بند ہو جائے گا۔" وہ شرارت سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی' تب اسے دیکھتے ہوئے وہ بھی دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

"للی! تم میری سمجھ سے باہر ہو' کیا چیز ہو تم؟" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

وہ کتنے ہی پل اسے دیکھتا رہا پھر نظریں چرا گیا' اور بولا۔

"تمہارے گھر والوں کو تمہاری بیماری کے متعلق خبر ہے؟ آئی مین تمہارے ماما' پاپا!"

"ہوں۔" اس نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے باوجود....."

وہ حیران رہ گیا۔

"ثوبان مجھے ان سے کوئی شکوہ یا گلہ نہیں۔ ہر انسان کو اپنی زندگی اپنے ڈھنگ سے گزارنے کا حق حاصل ہے اور جب وہ لوگ اپنی دنیا میں خوش ہیں تو میں کیوں بلاوجہ ان کو الزام دوں۔ وہ دونوں اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میرا خیال رکھتے ہیں۔ پاپا ایک بھاری رقم کا چیک ہر ماہ ارسال کرنا نہیں بھولتے۔ چاہے وہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں' اسی طرح ماما بھی۔"

"کیا یہ محبت ہے؟"

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر مسکراتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"پتا نہیں' ویسے بھی محبت کی مجھے کچھ خاص پہچان نہیں' اکثر دھوکا کھا جاتی ہوں۔" وہ بولی تو وہ کتنے ہی پل اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر چہرے کا رخ پھیر کر بات یکسر بدل ڈالی۔

"تم اسپتال گئی تھیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میری زندگی کے اتنے کم دن بچے ہیں کہ میں انہیں تشنگی سے گزارنا نہیں چاہتی۔ اگر مجھے نہیں بھی مرنا تو اسپتال کی گھٹی گھٹی فضا میں اپنی موت سے پہلے دم توڑ جاؤں گی۔ اور اپنی موت سے پہلے مجھے موت ہرگز گوارہ نہیں۔"

"آج تمہارا کیا پروگرام ہے۔"

وہ گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"کچھ خاص نہیں۔ فارغ ہی فارغ ہوں۔ یوں بھی قریب المرگ انسان سوائے موت کے انتظار کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

وہ گھورنے لگا' تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے' پھر تم شام میں تیار رہنا۔ ہم آؤٹنگ کے لئے چلیں گے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تو وہ یونہی کھڑی اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔

موسم بہت دلفریب تھا۔ برف باری ہو رہی تھی اور ٹھنڈی یخ ہوائیں جسم کو چیرتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ لِلی گرم کپڑے پہنے ہوئے تھی مگر اس کے باوجود کانپ رہی تھی۔ ثوبان چلتے چلتے رکا۔ پھر اپنا اوور کوٹ اتار کر اس کے شانوں پر ڈال دیا۔

"کیا تمہیں ٹھنڈ نہیں لگتی؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔" اور ڈھلوان سے اترتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سنو ایک بات کہوں تم سے؟" تب ہی وہ اچانک بولی۔

"ہوں۔" وہ دلکش نظاروں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ مگر وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے

ایک دم خاموش ہو گئی۔ اور ثوبان اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"تم کچھ کہنے جا رہی تھیں۔"

لِلی نے رک کر پیڑ کے ساتھ ٹیک لگائی پھر بغور اسے دیکھنے لگی۔

"میری ایک آخری خواہش ہے' پوری کرو گے؟" ثوبان چونک کر دیکھنے لگا' مگر وہ بولتی گئی۔ "میں چاہتی ہوں ہمارے درمیان جو "کاغذی رشتہ" ہے وہ میری موت تک برقرار رہے۔ سنا ہے مرنے والے کی آخری خواہش کا احترام ضرور کیا جاتا ہے۔ کیا تم میری یہ خواہش پوری کرو گے؟"

جواب میں وہ اسے خاموش نظروں سے دیکھتا چلا گیا' پھر ایک دم اسے اپنی گرفت میں لے کر ساتھ بھینچ لیا۔

"آئی لو یو' آئی لو یو ویری مچ لِلی۔" وہ بے خود سے انداز میں اس کی زلفوں کی مہک کو اپنے اندر اتارتا ہوا کہہ رہا تھا۔

لِلی کتنے ہی پل ساکت رہ گئی۔ پھر اس نے ثوبان کو پیچھے ہٹایا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"فرسٹ اپریل کو گزرے بہت دن گزر چکے مسٹر لہٰذا اب آپ کا مجھے فول بنانے کا منصوبہ پورا نہیں ہو سکتا۔"

"لِلی بلیوی۔ میں سچ کہہ رہا ہوں میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔" باہر کا موسم جس قدر سرد تھا' اس کا لہجہ جذبوں کی لو سے اتنا ہی دہکتا ہوا تھا۔ لِلی نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر ہنسنے لگی اور ہنستی چلتی گئی۔

"ترس کھا رہے ہو مجھ پر' میں مرنے والی ہوں اس لیے نا؟" مگر وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا نفی میں سر ہلانے لگا۔

"تمہیں محبت کی واقعی پہچان نہیں ہے لِلی' ورنہ میرے جذبوں کی اس طرح تذلیل نہ کرتیں۔"

"پلیز ثوبان! مجھے فریب مت دو' کوئی دھوکا مت دو' میں جانتی ہوں یہ محبت نہیں ہے' کیونکہ تمہاری آنکھوں میں اب بھی ریم جہانگیر کا عکس پوری آب و تاب سے جھلملاتے ہوئے دیکھ رہی ہوں' تمہاری دھڑکنوں میں اب بھی اسی کے نام کا شور ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔" وہ اتنے یقین سے اسے دیکھتی ہوئی بولی کہ وہ نگاہیں پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

تب وہ ہنسنے لگی۔

"اسٹاپ اٹ۔"

مگر وہ ہنستی چلی گئی' تب ثوبان نے اس کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ جما دیا انداز جارحانہ تھا۔ مگر اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

"کیا کر رہے ہو میرا دم گھٹ جاتا تو۔" ثوبان نے اس کی سمت دیکھا پھر اسے اپنی آہنی گرفت میں جکڑ لیا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں تم اس کا یقین کیوں نہیں کر رہیں۔ ضروری تو نہیں محبت صرف کسی ایک فرد سے ہی ہو۔ محبت ٹھہرا ہوا تالاب تو نہیں' محبت تو ایسے سمندر کی مانند ہے جو مسلسل سفر کرتا ہے۔ کتنی ندیاں' نالے' دریا' جھیلیں اس میں شامل ہوتے ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی سمندر سے الگ رکھا جا سکتا ہے یا جدا کیا جا سکتا ہے؟" وہ اس کی سمت دیکھنے لگا۔ وہ اس سے لبلی کے اتنا قریب تھا کہ اس کی گرم سانسوں سے اسے اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے مت ورغلاؤ' تم کسی کی امانت ہو میرے پاس' اور میں امانت میں خیانت ہرگز نہیں کر سکتی۔ یہ سوچنا بھی میرے لئے....."

"شٹ اپ۔ ایک لفظ بھی مت کہنا اب' اس سے آگے۔ تم قانونی اور شرعی طور پر میری بیوی ہو' ہمارا نکاح ہوا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا۔ اور وہ اسے چونک کر دیکھنے لگی۔ "میرا اور تمہارا تعلق بالکل جائز ہے۔ کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی۔" وہ اسے قدرے جھنجوڑتے ہوئے بولا تو وہ اسے دیکھے گئی۔ پھر ایک دم مسکرا دی۔

"تم بھول رہے ہو شاید وہ رشتہ فقط کاغذی تھا اور کاغذ کے رشتے ناپائیدار ہوا کرتے ہیں۔"

"لبلی جھوٹ بول کر مجھے اور خود کو فریب مت دو۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ اور وہ نظریں پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

"تم خوش گمان ہو رہے ہو شاید۔"

"تم اسے کچھ بھی کہو' لیکن میں تمہاری آنکھوں کی تحریر پڑھ چکا ہوں' یو لوگی۔" اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ وہ ایک دم ہی اسے چونک کر دیکھنے لگی پھر اس کی گرفت سے نکلتی ہوئی

چلنے لگی وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

وہ خاصی دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"تمہارے خیال میں ریم اس وقت کیا کر رہی ہوگی؟" اور وہ جو اس کے ساتھ چل رہا تھا' درشت نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس وقت تم صرف اپنے بارے میں ہی بات کرو۔"

"اپنے بارے میں۔" وہ بھی رک کر دھیمے انداز میں اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "اپنے بارے میں کیا بات کروں؟ میں موت کی دہلیز پر کھڑی ہوں اس منزل پر ہوں' جہاں جھوٹ پر بھی یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جان بوجھ کر کوئی خوبصورت دھوکا کھانے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن افسوس..... میں ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔ شاید کچھ لوگوں کو ساری زندگی پیاس کی صورت میں کاٹنی پڑتی ہے اور میں بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ پھر بولی۔ "آؤ واپس چلیں شام ڈھلنے والی ہے۔" وہ واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

صبح وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ جب وہ تیزی سے بالوں میں برش کرتی ہوئی بولی۔

"پلیز' مجھے اسپتال ڈراپ کر دیجئے جاتے ہوئے۔" ثوبان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ رخ پھیر کر باہر نکل گئی اور پھر ٹیبل پر ناشتا لگانے لگی۔

بلیک کلر کے لانگ اسکرٹ پر اوائٹ شرٹ پہنے' گھنے سیاہ گھنگریالے بالوں کو سفید اسکارف میں باندھے وہ خاصی دلکش سی لگ رہی تھی۔ وہ کتنے ہی پل مستعدی سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا پھر یکدم وہ چلتا ہوا اس کے پاس جا رکا۔ لبلی جو تیزی سے برتن لگا رہی تھی۔ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی' مگر اس کی نگاہوں میں کچھ ایسی تپش تھی' کہ وہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی اور دوسرے ہی پل نگاہیں جھکا گئی۔

ثوبان نے اسے بازو سے تھام کر قریب کیا پھر دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں میں بندھا سفید اسکارف کھول کر دور اچھال دیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔

"بالوں میں سفید رنگ کا اسکارف کبھی نہیں باندھتے۔" لبلی جو اس کی نگاہوں کی تپش پر بوکھلا گئی تھی ایک دم مسکرا دی۔

"کیوں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"بس میں نے کہا نا نہیں باندھتے۔" وہ اس کی سیاہ زلفوں کو اپنی انگلی پر لپیٹے ہوئے بولا۔

"سفید رنگ کفن کی علامت ہوتا ہے اس لیے؟" وہ کہتی ہوئی مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

وہ جواب دیے بغیر ساکت نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ تبھی وہ بولی۔

"مگر سفید رنگ پاکیزگی کی علامت بھی تو ہوتا ہے۔ یہاں تو دلہنوں کو سفید رنگ ہی پہنایا جاتا ہے۔"

"مجھے یہاں سے سروکار نہیں کہ یہاں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں لیکن مشرق میں بزرگ ہمیشہ اس بات سے منع ہی کرتے ہیں اور جس بات سے بزرگ حضرات ٹوکیں یا منع کریں اس کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔" وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔

"مگر مجھے تو سفید رنگ پسند ہے اور بہت جلد میں اس رنگ کو اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے گہری نیند بھی سونے والی ہوں۔ اس لیے میں ایسے کسی عقیدے کو نہیں مان سکتی۔" وہ بولی تو وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ کر چیئر پر جا بیٹھا اور اپنے لیے کپ میں چائے بنانے لگا۔ وہ اسے دیکھتی ہوئی اس کے سامنے بیٹھ گئی پھر دھیمے انداز میں بولی۔

"سنو میری موت سے تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟" وہ جواب میں سر اٹھا کر اسے کچھ ایسے انداز سے دیکھنے لگا' وہ دوسرے ہی پل نظریں جھکا گئی۔

"پکی ساحرہ ہو تم۔ بہت سوچ سمجھ کر تم نے اپنا جال بچھایا ہے۔ مجھے پھانسا ہے اور اب بولو کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا۔ کیوں کھینچ لائیں مجھے اپنے اس طلسم کدے میں؟" وہ درشت لہجے میں بولا تو وہ بے ساختہ ہنسنے لگی۔

"تم پاگل ہو رہے ہو اور کچھ نہیں۔ بھلا میں نے کب تمہیں اپنے جال میں پھانسا ہے' تمہیں مکمل اختیار حاصل ہے۔ جہاں چاہو جاؤ اور میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا تم اب اپنے لیے الگ اپارٹمنٹ لے لو۔ کہو کبھی ایک بار بھی میں نے تمہیں روکا یا زبردستی تم پر تسلط جمایا؟"

"کہاں جاؤں میں اب۔ واپسی کا کوئی راستہ بھی تو کھلا ہو نا۔ جہاں قدم بڑھاتا ہوں آگے تم کھڑی نظر آتی ہو۔" وہ بولا اور کپ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ "تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا

بہت برا کیا ہے۔ یہ نیکی نہیں ہے تمہاری' اچھا خاصا خوش تھا' میں اپنی زندگی میں' اپنی محبت سے قریب تھا' مگر تم نے ....." وہ کہتے ہوئے رکا پھر بولا۔ "تم نے در پر وہ مجھ سے دشمنی کی ہے۔ میرے دل' دماغ کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ بولو اب کیا کروں میں؟" وہ بے بسی سے بولتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تو وہ سر جھکا گئی۔

کہتی بھی تو کیا۔ کہنے کو تھا ہی کیا اس کے پاس۔

سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو چکا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر بلاوجہ ہی چکر کاٹتی رہی تھی اور پھر آخر کار تھک کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

ایک شخص کا دل بیک وقت دو حصوں میں کس طرح بٹ سکتا ہے۔

محبت تو زندگی میں فقط ایک بار اور ایک ہی ہستی سے ہو سکتی ہے پھر۔

کیا اس لمبے چوڑے مضبوط سے شخص کی آنکھوں سے پھوٹتی روشنی کی کرنوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

کتنی شفاف ہیں وہ ساحر آنکھیں۔

کسی معمولی سے جھوٹ کی بھی تو رمق نہیں۔

پھر وہ فسوں خیز دہکتا لہجہ۔

جو گلشیئر کے گلشیئر پگھلانے کی سکت رکھتا ہو۔

اور وہاں تو ایک دل تھا۔

جانے کس لمحے اپنے مقام سے کھسک گیا تھا۔

اور اسے خبر تک نہ ہوئی تھی۔

اور اب!

اس نے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑ کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔ اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

پتھر مجھے کہتا ہے مرا چاہنے والا میں موم تھا اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ مجھے کہتے ہو۔ محبت کی پہچان نہیں۔ کبھی دل کھول کر بھی تو دیکھو۔ تم مرد لوگ' جانے کیوں بے انتہا بولڈ ہوتے ہو۔ جو دل میں ہوتا ہے اسے برملا کہہ بھی ڈالتے ہوں مگر لڑکیاں۔ جانے کیوں گھٹ گھٹ کر جینے کی عادی ہوتی ہیں۔

چاہیں بھی تو کبھی دل کی بات لبوں سے کہہ نہیں پاتیں اور پھر تم تو۔ ہاں تم تو کسی اور کی امانت ہو اور امانت میں خیانت تو نہیں کر جاتی۔

میں جانتی ہوں تم چاہنے لگے ہو مجھے' میں یہ بھی جانتی ہوں محبت کوئی ٹھہرا ہوا جوہڑ یا تالاب نہیں۔ مگر سنو۔ اس کے باوجود میرے قدم تمہاری سمت اٹھ نہیں پا رہے ہیں۔ میں موت کی دہلیز پر کھڑی ہوں۔ بوند بوند پیاسی ہوں۔ تم سمندر ہو محبت کے مگر اس سمندر کے ایک قطرے پر بھی میرا حق نہیں۔ تم میرے لیے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتے ہو' ثوبان قریشی' کیسے بڑھوں پھر میں تمہاری طرف؟ نہ جانے کب اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے تکیے کو بھگونے لگے تھے۔

✦ ◈ ✦

ان دو سالوں میں ثوبان قریشی نے بہت کچھ حاصل کر لیا تھا' کہ اب وہ واپس وطن لوٹ کر ایک بہترین زندگی گزار سکتا تھا۔

اماں اور ابا کی جانب سے بھی یہی پیغامات مل رہے تھے' کہ اب لوٹ آؤ۔ وہ خود بھی جانے کو تیار تھا۔ مگر نہ جانے کس قوت نے اس کے پاؤں باندھ رکھے تھے۔

''اماں' ابا کی خواہش ہے تو تمہیں واپس لوٹ جانا چاہیے۔'' اس نے اپنے بلاوے کی بابت بات کی تو لبنیٰ بولی۔ ''تم کو جس چیز کی ضرورت تھی' اسے تم حاصل کر چکے ہو پھر تمہارے یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ کیونکہ.....''

''یہ بات تو طے تھی کہ میں یہاں مستقل قیام کی غرض سے نہیں آیا تھا۔ مجھے واپس تو لوٹنا ہی تھا' مگر.....''

''مگر کیا؟'' لبنیٰ اسے نظریں اٹھا کر دیکھنے لگی مگر اس کی نگاہوں میں جانے کیا تھا کہ دوسرے ہی پل وہ چہرہ جھکا گئی اور ثوبان قریشی دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کا نازک سا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ لبنیٰ نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا مگر اس کی نگاہوں کی تپش سے اس کا چہرہ سلگنے لگا تھا۔

''سنو تم نے میرے پاؤں میں بیڑیاں کیوں ڈال دی ہیں؟'' لہجہ دھیما تھا مگر نظروں کی ہی طرح پرتپش' کہ لبنیٰ جو سر اٹھا کر اسے مزید بولنے سے منع کرنا چاہتی تھی' جانے کیوں اس پل ایسا نہیں کر پائی تھی' بلکہ وہ سر اٹھا کر اسے کوئی تنبیہ بھی نہ کر سکی تھی' کہ پلکیں یکدم ہی بوجھل

ہو گئی تھیں اس کی کلائی پر اس کی گرفت انتہائی مضبوط تھی۔

''میں چلنا چاہتا ہوں مگر چل نہیں سکتا' بھاگنا چاہتا ہوں تم سے' مگر فرار کی تمام راہیں تم نے مسدود کر دی ہیں۔ بولو کیوں قیدی بنا رکھا ہے مجھے اپنا؟ کیوں اس جادوگری میں قید رکھنا چاہتی ہو تجھے؟'' اس کے شانوں کو جھنجوڑ کر ثوبان قریشی نے دریافت کیا تھا۔ تب پل کے پل میں اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا' اور پھر نظریں جھکا گئی تھی۔ ثوبان قریشی نے اسے دیکھا تھا' پھر سر جھٹکنے لگا تھا۔

''لبنیٰ! جو دل میں ہے اسے لبوں پر آنے دو۔ مت بند باندھو۔ محبت کسی قسم کی بندش برداشت نہیں کرتی۔ تم کیوں بے وقوفی کر رہی ہو؟''

مگر اس نے چہرہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تب ثوبان قریشی نے اس کے چہرے کو دھیرے سے اوپر اٹھایا اور بغور دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا۔

جو دل میں ہے اس کو لبوں تک تو لاؤ
تمہاری قسم جو کہو گے کریں گے

لبنیٰ نے ایک نظر اس کی جانب ڈالی اور پھر آہستہ سے اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑا کر باہر نکل گئی۔ ثوبان قریشی نے اس کی پشت کو تادیر دیکھا اور پھر ہونٹ بھینچ کر یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگا۔

رات کے کسی پہر اس کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی تھی۔ ثوبان اس وقت اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ وہ تکلیف کی شدت کے باوجود گرتی پڑتی اپنے کمرے سے نکلی اور ثوبان کے کمرے کا دروازہ بجانے لگی تھی۔ شاید وہ جاگ رہا تھا' دوسری دستک پر ہی دروازہ کھول دیا گیا تھا۔

''ث.....ثو.....بان۔'' وہ بہ مشکل بول سکی اور اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ تب وہ فوراً ہی گاڑی میں ڈال کر اسے اسپتال لے گیا تھا۔ ڈاکٹرز اسے ایڈمٹ ہونے کو کہہ رہے تھے' مگر جونہی اس کی حالت سنبھلی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ثوبان پلیز مجھے گھر لے چلو۔'' اس کی دھیمی آواز میں ایک التجا تھی۔

''مگر لبنیٰ۔''

''میں جانتی ہوں ثوبان یہاں رہ کر مجھے زندگی نہیں ملے گی' پھر جھوٹے دلاسوں سے

فائدہ۔ وہاں گھر میں کم از کم میں سکون سے مر تو سکوں گی۔'' اس کا لہجہ رسانیت سے بھرپور تھا۔

''کیوں۔ گھر میں ایسی کیا بات ہوگی۔ جو یہاں نہیں؟'' وہ جل کر گویا ہوا تھا۔ تب وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی' جیسے کہہ رہی ہو۔

''وہاں تم ہوگے اور میں تمہاری بانہوں میں مرنا چاہتی ہوں۔'' اور تب ثوبان قریشی ایک گہرا سانس خارج کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا' اگرچہ ڈاکٹرز قطعی اسے گھر بھیجنے کو تیار نہ تھے' مگر وہ لبنیٰ کو واپس لے آیا تھا۔

''مرنے کا تمہیں اتنا ہی شوق ہے' تو زہر کھا کر مر جاؤ' یوں سسک سسک کر مرنے سے تو کہیں بہتر ہوگی وہ موت۔'' وہ گاڑی سے اترنے کے بعد خود اپنے قدموں پر چلنے لگی تھی' جب ثوبان قریشی نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ اس نے اسے ایک نظر دیکھا پھر مسکرا دی۔

''چاہتی تو میں بھی یہی ہوں مگر جانے کیوں کوئی طاقت مجھے روک دیتی ہے۔ جانے کیا بات ہے اس زندگی میں' جو یہ سسک سسک کے مرنا بھی مزا دے رہا ہے۔ لمحے لمحے کی موت بھی پر لطف محسوس ہو رہی ہے۔ اکھڑتی سانسوں میں موت کی سرگوشیاں ہیں مگر دل کی مدھم پڑتی دھڑکنیں زندگی کی تمنا کر رہی ہیں۔ چند پل اور چند پل اور۔''

ثوبان قریشی نے اسے رک کر بغور دیکھا پھر اس کے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھا لیا اور اس پل اس کا سانس اس قدر پھول رہا تھا کہ اسے یہ اقدام غنیمت ہی لگا۔ اسی لیے اس نے کوئی مزاحمت بھی نہ کی اور آنکھیں موند لیں پھر شاید دوا کے زیر اثر سو گئی۔ ثوبان نے اسے اس کے بیڈ پر لٹایا۔ اوپر کمبل ڈالا اور پھر کتنے ہی پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ زرد زرد رنگت' کے باوجود اس کے چہرے پر انوکھی کشش تھی۔ بند پلکوں کی جھالریں دلفریب لگ رہی تھیں۔ زلفوں کی کالی کالی لٹیں چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ثوبان دھیرے سے آگے بڑھا۔ چہرے سے بہت آہستہ سے بال ہٹائے پھر لائٹ آف کر کے باہر نکل گیا۔

صبح وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ جب وہ بول پڑی۔

''کیا! یہ نہیں ہو سکتا کہ تم آج آفس نہ جاؤ۔'' اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ جو کافی کا کپ لبوں تک لے جا رہا تھا اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا اور وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔

''جانے کیوں آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم میرے ساتھ رہو۔ ہم مل کر آؤٹنگ کے

لئے چلیں گے۔ دن بھر خوب گھومیں پھریں اور شام کو تھک کر واپس لوٹ آئیں۔ جیسے پنچھی تھک کر اپنے مسکن کی سمت لوٹ آتے ہیں اور.....''

''او کے۔'' ثوبان نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں آج آفس نہیں جاتا مگر تم آرام کرو تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔ تم میری فکر مت کرو۔''

''ہاں مجھے اختیار ہی کہاں ہے کسی بات کا۔'' وہ تلخ سے لہجے میں بولا تو وہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی پھر سر جھکا کر کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی۔

''گھر کب جا رہے ہو؟'' لبنیٰ نے یونہی بات بدلنے کو پوچھا۔

''کہو تو ابھی چلا جاؤں؟'' جواب میں وہ جل کر گویا ہوا تو وہ بجائے برا ماننے کے' ہنس پڑی۔

''دو سال ہو گئے تمہیں یہاں' چلے جاؤ گے تو شاید اب مجھے کچھ عجیب سا لگے گا۔ یہ انسانی نفسیات بھی عجیب ہے جانے کیوں عادی بن جاتے ہیں ہم کسی چیز کے' کوئی شے متواتر نظروں کے سامنے رہے اور پھر اچانک اوجھل ہو جائے تو جانے کیوں ایک خلا سا بن جاتا ہے ذات میں۔'' بقول حالی کے۔

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

وہ دھیرے سے مسکرائی پھر بولی۔ ''ویسے تم پاکستان جا کر مجھے یاد تو کرو گے نا؟''

مگر ثوبان قریشی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے تکتا رہا۔

''ریم تو زبردست قسم کی ناراض ہے تم سے۔ کیسے مناؤ گے اسے؟'' مگر تب بھی دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آیا اور وہ بولتی رہی۔ ''بے وقوف سی لڑکی ہے وہ۔ حالانکہ میں نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ بھی کر دیا تھا' مگر وہ جانے کیوں پھر بھی خفا خفا سی ہے۔ ویسے سنو وہ دل سے خفا نہیں ہے' تم سے جس طرح تم اس کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتے' ویسے ہی وہ تم سے روٹھ نہیں سکتی' اور یوں بھی محبت کرنے والے خفا ہوں بھی تو ان کی خفگی عارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔ تم نرمی سے پیش آنا اس کے ساتھ اور.....''

''کیا بات تمہاری ذات کے متعلق نہیں ہو سکتی؟'' وہ اس کی بات رسان سے کاٹ

کر بولا تو وہ ایک دم چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"ریم کی بات بھی کچھ بری تو نہیں۔ ویسے میں نے تو سنا ہے' جنہیں چاہا جاتا ہے' ان کا ذکر بھی بے حد دلکش سماں باندھ دیا کرتا ہے اور تم....."

"جو ذات کے اندر موجود ہوں۔ پل پل دل کے پاس رہیں۔ ان کے ناموں کو یا ذکر کو دہرانے کی ضرورت بار بار نہیں پڑا کرتی۔" ثوبان قریشی کا لہجہ دھیما تھا' مگر اس میں ایسی کوئی بات ضرور تھی' کہ لبنیٰ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی' پھر دھیرے سے اٹھی اور باہر نکلنے والی تھی' جب وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تیار ہو کر آ جاؤ۔ آؤٹنگ کے لئے چلتے ہیں۔" اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔

لبنیٰ نے پلٹ کر دیکھا پھر سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

پھر دن بھر وہ لوگ گھومتے رہے۔ شام میں جب گھر لوٹے تبھی لبنیٰ کی مما اور بہنیں چلی آئیں۔ ہاتھوں میں بے شمار گفٹس تھامے۔ ثوبان انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔ جبکہ وہ قطعی چونکے بغیر آگے بڑھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ مائی لوئی ڈوٹر۔" ماما نے اسے ساتھ لگا کر گرمجوشی سے پیار کیا تو وہ دھیمے سے مسکرا دی۔ جبکہ ثوبان قریشی کی نظروں میں خاصی حیرانگی تھی۔

"تھینکس"

باقی بہنوں اور بھائی نے بھی اسے وش کیا۔ تو وہ گفٹس تھامتے ہوئے ہنس پڑی۔

"لگتا ہے میری آخری برتھ ڈے ہے جبھی غیر متوقع طور پر اتنی ڈھیر سی سرپرائزنگ باتیں ہو رہی ہیں۔ اتنی خوشیاں مل رہی ہیں۔"

"لبنیٰ۔" ماما نے ٹوکا تو وہ ہنستی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ ماما اور لبنیٰ کی سسٹرز ثوبان قریشی کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ جب وہ لوازمات اٹھائے دوبارہ کمرے میں آئی تو۔ ثوبان خوشدلی کے ساتھ ان سب سے گفتگو کر رہا تھا۔

"ویسے آپ لوگوں کو میرا برتھ ڈے یاد کیسے رہا؟"

"بس رہ گیا اب تم جلدی سے کیک کھولو اور کاٹو۔ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔"

لبنیٰ کی ایک بہن نے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی ٹیبل پر رکھے کیک کی پیکنگ کھولنے لگی۔ تبھی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایکسکیوزمی۔ مجھے ذرا ضروری کام سے جانا ہے۔" لبنیٰ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی مگر وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا' بغیر اس کی جانب دیکھے۔

"تمہارے ہزبینڈ کیا تمہیں وش نہیں کریں گے؟" اس کی ایک بہن نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا کر پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی پھر مسکرا دی۔

"وہ پہلے ہی مجھے وش کر چکے ہیں۔ بلکہ جونہی رات گھڑی نے بارہ بجائے تھے' اور نئے دن کا آغاز ہوا تھا' تبھی انہوں نے مجھے وش کہا تھا۔ اب بھی دن بھر ہم باہر گھومتے رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں چھپی یاسیت کو کوئی نہ جان سکا تھا' اور سب ہنسی خوشی اس کی برتھ ڈے کو سیلیبریٹ کرنے لگے تھے' مگر جانے کیوں خوشی کے ان لمحوں میں بھی وہ خوش نہیں تھی۔ دل جانے کیوں بے چین مچل رہا تھا۔ شاید جسے نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیے تھا' وہ موجود نہیں تھا۔

پھر سب لوگ بھی چلے گئے مگر وہ نہیں آیا۔ کتنی ہی دیر تک وہ بیٹھی اس کی راہ تکتی رہی پھر یونہی بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی۔ جاگی اس لمحے جب اچانک دروازہ زور سے کھلا اور بند ہوا۔ وہ شور کی آواز پر ہڑبڑا کر دیکھنے لگی۔ سامنے وہی دشمن جاں کچھ الجھا الجھا اور مضطرب سا کھڑا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم؟ کم از کم بتا کر تو جانا چاہیے تھا۔ کس قدر پریشان ہو رہی تھی میں' کیا تمہیں اندازہ ہے اس بات کا؟" وہ تیزی سے بولتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ثوبان قریشی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

"تمہیں کب کسی بات کا اندازہ ہوا ہے لبنیٰ! پھر مجھ پر ہی تمام اصول لاگو کیوں ہوں؟" لہجہ ترش تھا۔ لبنیٰ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ تم شاید مجھ سے خفا ہو۔ میں نے تمہیں....." وہ ابھی کچھ بولنے ہی جا رہی تھی جب اس کی پرتپش نگاہوں نے اس کے بولنے کی قوت زائل کر دی اور وہ خاموش ہو کر سر جھکا گئی۔ تبھی وہ لمبا چوڑا وجود آگے بڑھا اور پھر اسے جنونی انداز میں اپنی گرفت میں لے لیا۔

"آئی لو یو۔ آئی لو یو لبنیٰ۔" پر حدت دھیما لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھولنے لگا۔ اس کی روح تک جیسے پگھلنے لگی۔

"مت دور رکھو مجھے خود سے۔ نہیں رہ سکتا میں تم سے دور۔ اپنے اسیر پر مزید ستم مت

ڈھاؤ۔" اس کی مدھم سرگوشی اس کے کانوں پڑ رہی تھی۔

"بلیوی۔ آئی لو یو۔ آئی لو یو۔ دو مائی ہارٹ اینڈ سول۔" اس کے ہونٹوں کو وہ اپنے بالوں پر ہلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

"اتنی چاہت' اتنی قربت' اتنی نوازش۔"

کوئی دامن بچانا چاہتا بھی تو نہ بچا پاتا۔

وہ بے قرار لہجہ۔

وہ پھول سے مہکتے لفظ۔

کہاں نظر انداز کیے جانے کے قابل تھے۔

اور مدمقابل جب اس کی جیسی جنم جنم کی پیاسی تشنہ لب ہو تو شاید ڈگمگانے کا امکان صدفی صد ہوتا ہے۔

جب کے قانونی اور شرعی طور پر بھی وہ اس کے تن من کا مالک تھا۔

پھر گریز کی وجہ؟

مگر جانے کیوں وہ اس لمحے اس چھپر چھاؤں سے پل بھر میں نکل گئی۔

دل میں جاگتے تمام احساسات کو پل بھر میں تھپکی دے کر سلا دیا اور نہایت ہمت کے ساتھ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے کہیں سے پی کر آرہے ہو۔ تبھی موقع محل کا بھی کچھ خیال نہیں۔ جانتے ہو کیا وقت ہوا ہے؟" وہ اس کی کیفیات کو نظر انداز کرتی ہوئی قدرے شوخی سے بولی تو وہ گھور کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہ سچ ہے کہ میں مدہوش ہوں مگر یہ نشہ کسی مے کا نہیں' تمہاری محبت کا ہے للی۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔"

للی نے اسے دیکھا پھر دھیمے انداز میں مسکرا دی۔ مہربانی کو محبت نہیں کہتے' اے دوست آہ اب مجھ سے تری رنجش بے جا بھی نہیں۔

"کیا کہوں اس کے سوا کہ میرا تمہیں یہاں لانے کا مقصد فقط تمہاری مدد کرنا تھا۔ تمہیں تمہاری محبت سے دور کرنے میں یا تمہارے دل میں اپنی چاہت جگانے کا خیال بھی میرے ذہن سے نہیں گزرا۔ اب اگر تم نے کچھ غلط سوچ لیا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" وہ

کہہ کر اندر بڑھنے والی تھی جب ثوبان قریشی نے اس کے بازو کو ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا اور جارحانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"جھوٹ بول کر تم کسے فریب دینا چاہ رہی ہو' مجھے' یا خود کو؟" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ اتنے اعتماد سے بولا تھا کہ للی باوجود کوشش کے بھی اس کی سمت نگاہ جمائے نہ رکھ سکی تھی اور پلکیں جھکا گئی تھی۔

"ٹیل می۔ یو لوی۔ ٹیل می۔ کہو تم اتنی ہی محبت کرتی ہو مجھ سے جتنی کہ میں تمہیں کرنے لگا ہوں۔ کہو یہ آنکھیں جھوٹ نہیں بول رہیں' یہ پلکوں کی لرزش بے معنی نہیں۔ کہو کہ اس دل میں' میں بس رہا ہوں' اس کی دھڑکنوں میں میرے نام کی لے ہے' کہہ دو کے اس چہرے کے تمام رنگ میرے ہیں۔ میرے لیے ہیں' اس جسم کی اندر بستی روح کے ساتھ میرا سنگم جنم جنم سے ہے۔ کہہ دو کہ کرتی ہو تم بھی مجھ سے محبت۔ ٹیل می۔ یو لوی۔ محبت میں انا اور خود داری نہیں ہوا کرتی۔ توڑ ڈالو تمام کھوکھلی دیواریں اور بڑھ آؤ میری جانب۔ محبت گناہ نہیں ہے۔ نہ تم نے کوئی گناہ کیا ہے پھر کیوں خوفزدہ ہو۔ کیوں ہچکچا رہی ہو۔ یہ ہاتھ تمہاری سونی مانگ سنوارنا چاہتے ہیں۔ تمہاری سونی زندگی میں رنگ بھرنا چاہتے ہیں۔ پھر کیوں جھجک رہی ہو انہیں؟"

اس کے شانے پر اس کے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ حد درجہ بڑھ گیا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ شاید یہی ہار تھی۔ دل کی' نظر کی' جذبات کی' احساسات کی۔

لب گو خاموش تھے مگر اس کا جھکا سر' دہکتے عارض' کانپتی پلکیں چیخ چیخ کر یہ بات کہہ رہی تھیں کہ ہاں ہمیں محبت ہے تم سے۔

اور اس پل ثوبان قریشی نے بھی اس کے دل کی' نظر کی زبان کو شاید پڑھ لیا تھا۔

وہ اس لمحے اس کے سامنے ایک خوددار سوالی کی طرح کھڑی تھی۔ جو لبوں سے کچھ بھی نہ کہہ کر بھی اپنی مراد پانا چاہتے ہیں اور ہار فقط اس سوالی کی ہی ہوتی تو شاید عمر بھر کی نارسائی اس کا مقدر بن جاتی کہ کون ہے' ایسا جو بن مانگے سب کچھ نواز دے' مگر یہاں دینے والا ہاتھ خود پھیلا ہوا تھا۔ بات میں چاہے' کسی غرض کو دخل سہی' مگر بات دل کی بھی تو تھی نا' اور دل کب کسی کی مانتا ہے۔

دل کے ہاتھوں بڑے بڑے سورما شکست کھا گئے تھے' اور وہ تو پھر ایک نازک سی لڑکی

تھی۔

ثوبان قریشی نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

اور اب وہ محبت کی پناہ میں تھی۔

دل کے کونے کونے میں اچانک ہی پھول سے کھل اٹھے تھے' بے چینی اور اضطراب کی جگہ ایکدم ہی اطمینان نے لے لی تھی۔

✦ ◈ ✖

ثوبان قریشی ٹاول سے بال پونچھتا ہوا باہر نکلا تو وہ یونہی کروٹ لیے بے سدھ سو رہی تھی۔ ثوبان نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے ٹاول ایک طرف ڈالا پھر شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر برش کرنے لگا۔ لب دھیرے دھیرے گنگنانے لگے۔

مرے ہمسفر! تری نذر ہیں مری عمر بھر کی یہ دولتیں
مرے شعر' میری صداقتیں' مری دھڑکنیں' مری چاہتیں
تجھے جذب کرلوں لہو میں' میں کہ فراق کا نہ رہے خطر
تری دھڑکنوں میں اتار دوں میں یہ خواب خواب رفاقتیں

پھر وہ برش رکھ کر مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''ہیلو مادام۔ یوں تو صبح ہو چکی ہے' لیکن ہماری صبح تب تک نہیں ہوگی' جب تک آپ اپنے رخ روشن سے زلفوں کے یہ گھنے سیاہ بادل ہٹا کر محبت سے مسکراتی ہوئی ہم پر نگاہ نہیں کریں گی۔'' وہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب جا رکا۔ ایک نظر اس کے پرسکون چہرے پر ڈالی۔ لب جانے کیوں سوتے میں بھی مسکراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ایک دلکشی' ایک گہرا اطمینان اس حسین چہرے پر طاری تھا۔ جیسے دنیا کے تمام خزانے یکدم ہاتھ لگ گئے ہوں۔

ثوبان نے اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے اس کے چہرے سے شریر زلفوں کی لٹیں سرکائیں اور چاند چہرہ نمایاں ہو گیا۔ وہ ہلکا سا جھکا۔

''جانم۔ اٹھ جاؤ بھئی۔ صبح صبح والد اور والدہ کا فون بھی آیا ہے۔ فوراً بلوایا ہے' انہوں نے۔ میرا خیال ہے اب ہمیں پاکستان چلے ہی جانا چاہیے۔ اماں ابا یقیناً اپنی دوسری بہو کو دیکھ کر بھی خوش ہوں گے۔ پہلی گر چاند تھی' تو دوسری ستارہ ہے۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا۔ اس

کی زلفوں کی لٹیں بدستور اس کے ہاتھوں میں تھیں۔ لہجہ اگرچہ شریر تھا' مگر لبلبی کے وجود میں پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔

''اے لبلبی۔'' ثوبان نے گہرے جذب سے کہتے ہوئے' اس کا ہاتھ تھاما اور تبھی اس کے ہاتھ میں دبا کاغذ اس کو چونکا گیا۔ اس نے آہستہ سے اس کاغذ کو تھاما اور پھر تہ کھول کر پڑھنے لگا۔

ثوبان قریشی!

سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں کیسے اور کن لفظوں میں پکاروں کیونکہ تم وہ ہستی ہو' جو بظاہر میرے لیے شجر ممنوعہ ہی سہی لیکن میری ذات کے تمام رنگ تمہارے ہی دم سے تھے۔ تم میرے اندر زندگی بن کر دوڑ رہے تھے۔

میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ وہ کیسے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں' جنہیں کوئی چاہتا ہے' آواز دیتا ہے۔

اور میں یقیناً ایسی ہستی نہ تھی۔ تبھی ناامید بھی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مجھے بھی کوئی کبھی یونہی پکارے گا۔ شاید میری کوئی نیکی تھی' جس کے صلے میں تم مجھے مل گئے۔

ثوبان میری زندگی لاکھ بے رنگ اور بے کیف سہی' لیکن میں نے جب تم سے تعلق جوڑا تھا' تو میرے دھیان میں کوئی غرض یا مفاد نہ تھا۔ بلکہ میرا اولین مقصد تمہاری مدد کرنا ہی تھا' مگر نہ جانے کب اور کیسے تم میری روح تک کا سفر طے کر گئے۔ ثوبان میں اقرار کرتی ہوں' کہ میں نے تمہیں بے حد و بے حساب چاہا ہے' لیکن یہ محبت' یہ چاہت بے غرض تھی۔ کسی مفاد کے بغیر تھی۔ یہ محبت روح کی محبت تھی۔ تم میرے پاس نہ بھی ہوتے تھے' تو میں تمہیں اپنے اردگرد محسوس کرتی تھی' تمہاری خوشبو ہر لمحہ' ہر پل میری سانسوں میں بسی رہتی تھی' دل کی تمام شدتیں تمہارے لیے تھیں' ذہن فقط تمہیں سوچتا تھا' مگر اس کے باوجود میں نے کبھی بھی تمہاری قربت کی تمنا نہیں کی تھی۔ ہمارے درمیان اگرچہ ایک تعلق تھا۔ ایک بندھن تھا کاغذی ہی سہی مگر اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا' ہم قانونی اور شرعی رشتے میں قید تھے۔ کہنے کو یہ ایک کاغذی رشتہ تھا' مگر یہ بات حقیقت ہے' کہ اسی رشتے کے باعث ہمارے احساسات و جذبات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شاید یہ ایک فطری بات ہے' مگر میرا دل' میرا ضمیر ہمیشہ اس بات کو باور کراتے رہتے تھے کہ تم میرے نہیں ہو۔ شاید اسی لیے۔ میں تم سے بے اعتنائی

برتتی رہی' کہ میں کسی صورت بھی شرمندہ ہونا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اوّل روز ہی یہ بات خود کو باور کرادی تھی' کہ تم میرے پاس کسی کی امانت ہو اور تمہیں لوٹ بھی جانا ہے۔ اور میری زندگی تو پہلے ہی اس قدر مختصر اور شکستہ حال تھی' کہ میں بچے کھچے دنوں کے لیے کسی روگ کو پالنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی تھی' مگر وہ ہوتا کب ہے جو ہم سوچتے ہیں۔ سو یہ بھی نہ ہوا' اور للی حبیب تمہیں چاہنے لگی۔

مگر یہ چاہت بے غرض تھی۔

فقط میری اپنی ذات تک محدود۔

میں یہ بات اچھی طرح جانتی تھی' کہ تم ہمیشہ سے ریم کو چاہتے تھے۔ ایسے میں تمہارا میری جانب متوجہ ہونا میرے لئے باعث حیرت تھا' مگر پھر یہ کہنا کہ محبت کوئی ٹھہرا ہوا جوہڑ یا تالاب نہیں' جس کا پانی ایک جگہ جمع رہے اور بدبو چھوڑ جائے' بلکہ محبت تو سمندر ہے' جانے کتنے دریا اس میں گرتے ہیں اور شامل ہو کر اس میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ سمندر جس طرح وسیع ہوتا ہے۔ اسی طرح محبت بھی لامحدود ہوتی ہے۔ اگر دل اس بات پر ایمان لے آیا' مگر دماغ جانے کیوں کبھی بھی آمادہ نہ ہو سکا' اور شاید اسی کے باعث میں کبھی تمہاری حوصلہ افزائی نہ کر سکی۔ اس کے باوجود کے میں ہمیشہ کی تشنہ لب تھی۔ میرے اندر پیاس ہی پیاس تھی' اور تم نے اچانک ہی مجھے اتنا نواز دیا کہ میری روح تک سیراب ہو گئی۔ میری طلب تو فقط ایک قطرہ تھا' مگر تم نے تو مجھے چاہت کا سمندر عطا کر دیا۔ تمہارا دست محبت میری روح پر پڑا' تو جانے کب کے رستے زخم مندمل ہوتے چلے گئے۔ بے رنگ اور ویران زندگی میں یکدم ہی بہار آ گئی' تمہیں مسیحا کہوں یا روح کا ہمسفر۔

جانے کیوں تمہیں پانے کے بعد جینے کی خواہش پوری شدت کے ساتھ ابھرنے لگی تھی۔ موت میرے سامنے اپنی بانہیں پھیلائے کھڑی تھی' اور میں جینا چاہتی تھی۔ ایک طویل عمر۔ تمہارے ساتھ۔ تمہارے قریب رہ کر۔ شاید یہ خود غرضی ہی ہو مگر کبھی کبھی شدت سے دل چاہتا تھا' کہ تمہیں دل کے نہاں خانوں میں چھپا لوں یا پھر خود تمہاری دھڑکنوں میں بس جاؤں' تمہارے اندر سما جاؤں کہ موت گر آئے بھی تو مجھے ڈھونڈ نہ پائے۔ مگر ہم جو سوچتے ہیں' وہ اکثر ناممکن ہی ہوتا ہے اور دیکھو قضا میری جانب تکتی ہوئی مسکرا رہی ہے۔ بڑی مشکل سے چند لمحے مستعار لے کر اس وقت تم سے مخاطب ہوں وہ مجھے بتا رہی ہے اور جانے

والے رکتے کب ہیں۔ شاید میری کمی تم زیادہ محسوس نہ کرو۔ کہ ایک نہایت محبت سے گندھا وجود تمہارے لیے منتظر ہے' جو تمہیں یقیناً مجھ سے کئی گنا زیادہ چاہتا ہے اور سنو۔ مجھے واقعی خوشی ہو گی اگر تم مجھے فراموش کر دو۔ یوں بھی میرے خیال میں پل دو پل کی رفاقت اتنی زور آور ہرگز نہیں ہو سکتی' کہ پوری حیات کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ میرے لیے رونا مت' اداس مت ہونا' تمہارے چہرے کی مسکراہٹ بے پناہ دلکش ہے اور میں اس دلکشی کو سدا تمہارے چہرے پر برقرار دیکھنا چاہتی ہوں۔ ریم سے میری جانب سے معذرت کر لینا' کہ اس کی امانت میں خیانت کی مرتکب تو بہرحال میں ہو ہی چکی ہوں' مگر یہ بھول کچھ اتنی بڑی بھی نہیں' پھر مرنے والوں سے کون خفا رہتا ہے۔ ریم۔ جتنی اچھی ہے' اس سے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ سے خفا نہیں ہو گی۔

اور تم.....!

سنو میری ایک وصیت ہے۔ مجھے اس سرزمین پر ہرگز دفن مت کرنا۔ میں پاک دھرتی' میں دفن ہونا چاہتی ہوں۔ اپنے پیارے پاکستان کی پاک سرزمین میں۔ میری یہ آخری خواہش پوری کرو گے نا؟"

تمہاری للی!

"للی.....للی۔" ایک دم اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا' مگر اس کے بے جان وجود میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ ثوبان قریشی نے حواس باختہ ہو کر اس کی نبض ٹٹولی مگر اس کا برف سا سرد ہاتھ اس کی روح تک فنا کر گیا۔ نہ جانے کب کی جسم سے روح آزاد ہو چکی تھی۔ اب تو فقط خاک کا ڈھیر تھا۔

"للی۔" ثوبان قریشی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"للی۔ پلیز آنکھیں کھولو۔ للی۔ تم مجھے یوں دھوکا نہیں دے سکتیں۔ اٹھو آنکھیں کھولو۔ للی۔ میں تو تمہیں اماں ابا کے پاس لے کر جا رہا تھا' پھر اتنی جلد کیسے ہاتھ چھڑا گئیں تم۔"

وہ مسلسل اسے پکار رہا تھا' مگر جواب کوئی نہ آ رہا تھا۔

✦ ◈ ✦

میرا لماریوں میں چھپی تیری یادیں چیخ رہی ہیں
گھر کے ہر کونے میں دبکی

تیری باتیں' تیری آوازیں' تیری صدائیں
الماریوں اور گھر کے تمام کونوں میں چھپی
ان تمام باتوں' ان یادوں کو میں نذر آتش کر تو لوں مگر کوئی بتائے کہ میں
اپنے دل میں چھپی تیری یاد کی نرم ٹیسیں کیسے نظر آتش کروں

وہ انتہائی اضطراری کیفیت میں کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی اور آخر کار اٹھ کر چھت پر چلی آئی۔ دو چار گہرے گہرے سانس لے کر جیسے اندر کے حبس کو اس نے باہر نکالنے کی کوشش کی تھی اور پھر ٹہلنے لگی تھی۔

جب سے اسے خبر ملی تھی کہ وہ دشمن جاں پاکستان آ گیا ہے' تب سے اس کی یہی کیفیت تھی۔ دو روز گزر چکے تھے' اسے آئے ہوئے' مگر وہ اب تک اس سے ملنا تو دور کی بات' فون کر کے اطلاع تک نہ دی تھی۔ وہ تو اچانک حمزہ اس طرف گیا تھا' تو اسے یہ خبر ملی تھی البتہ ملا وہ بھی نہ تھا اس سے۔

وہ جو دو سال تک اس سے بدگمان رہی تھی۔
جانے آج کیوں اس کا دل کڑ لا رہا تھا۔
وہ جس نے اسے کی جانب سے موصول ہونے والے ہر دستک پر کان بند کر رکھے تھے'
جانے آج کیوں دروازے پر اسی آہٹ کی منتظر تھی۔
جانے کیا شے ہوتی ہے یہ محبت۔
بے بس کرنے والی۔
انتہائی طاقتور شے۔
چپکے چپکے دل کا سینہ چیر کر ابھر آنے والی فصل۔
جذبوں کو غلام کر دینے والی قوت۔
دل و نظر کو گھائل کرنے والا تیر۔
کائنات کی نبضوں میں دھڑکنے والی قوت!
خدا کے لہجے میں بولنے والی قدرت
زمین کا سینہ چیر کے اُگ آنے والی زندگی۔
اور وہ بھی اپنے دل کو اسی طاقت کے زیر اثر محسوس کر رہی تھی' دل پاگل اب بھی منتظر

تھا۔ اس راہی کا۔ جو بیچ سفر اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بقول اس کے' اس کی خوشیاں خریدنے اور کبھی جو وہ رک کر لمحہ بھر کو اس کی "خوشی" جاننے کی کوشش کرتا تو شاید آج ان کے بیچ اتنی وسیع خلیج حائل نہ ہوتی۔ اس کی خوشی تو وہ خود تھا' پھر بھلا اس کے لئے وہ کون سی خوشی خریدنے گیا تھا۔ وہ سوچتی رہی اور آنسو رخساروں پر بہتے رہے۔

گرمی کی اس تپتی دوپہر میں وہ جھلائی ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔

"سومیہ پلیز جلدی سے' ٹھنڈا پانی پلا دو۔"

اس نے بیگ ایک طرف ڈال کر ابھی دوپٹہ اتار ہی رہا تھا' جب ایک دم سامنے ستون پر اس کی نظر پڑی اور پھر ساکت ہو کر رہ گئی۔

ثوبان قریشی بھی اسی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ چپ کی مہر لبوں پر تھی۔ چہرہ' آنکھیں بے حد سپاٹ۔

دونوں ایک مدت بعد ملے تھے' مگر چہرے پر کوئی رنگ نہ تھے۔
کوئی جذبہ عیاں نہ تھا۔
مگر ریم کی خاموش نظریں مسلسل اس کی جانب اٹھی سوال کر رہی تھیں۔
اتنے دنوں بعد ملے ہو۔
کچھ کہو
کچھ تو کہو
کیسے گزرا اتنا عرصہ؟

مگر کئی لمحے بیت جانے کے بعد بھی چپ کا یہ سکوت نہیں ٹوٹا' اور تب ریم جلدی سے بیگ اٹھا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ دھندلائی آنکھوں سے وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ ثوبان قریشی کا ہاتھ اس کی کلائی تھامنے کو بڑھا تھا' مگر پھر جانے کیوں ساکت ہو گیا تھا' کمرے میں آ کر جانے کیوں ضبط کے سارے بندھن پل بھر میں ٹوٹ گئے تھے' اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ یہ وہی شخص تھا' جس کے ساتھ مسلسل دو سال سے وہ بے اعتنائی برت رہی تھی' پھر آج وہ اجنبی بنا تھا' تو جانے کیوں دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

✦ ◈ ✖

ثوبان قریشی نے لبنیٰ حبیب کی قبر پر پھول چڑھائے۔ مٹی کا دیا روشن کیا اور پھر مٹی کے

اس ڈھیلے کو بغور تکنے لگا۔

"تم نے کہا تھا نا کہ میں تمہاری قبر پر دیا جلانے ضرور آیا کروں' دیکھو میں آرہا ہوں باقاعدگی کے ساتھ۔ تم خوش ہو نا اب؟"

جانے کب پلکوں سے دو شفاف موتی ٹوٹے اور مٹی میں جذب ہو گئے۔

"میں نہیں جانتا تھا' محبت اتنا بے خود کر دینے والا جذبہ ہے۔ محبت تو مجھے ریم کے ساتھ بھی تھی مگر تم....."

وہ رکا پھر گہری سانس لے کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

مجھے تم بچھڑ کر اتنا مضطرب کر جاؤ گی کبھی سوچا ہی نہیں تھا' میں نے۔ بلکہ میری زندگی میں تو کسی دوسرے وجود کا سرے سے تصور ہی موجود نہ تھا' مگر تم مجھے اپنے سحر میں جکڑتی چلی گئیں اور پھر اتنا بے بس کر ڈالا کہ میں بھی بے خود ہو گیا۔ بقول تمہارے بلھے شاہ کے۔

جس تن لگیا عشق کمال

ناچ بے سرتے بے تال

اب میں بھی تمہارے ہجر میں مست و خود بے سر اور بے تال رقص کر رہا ہوں' پاؤں لگار ہو چکے ہیں' مگر جانے کیوں پھر بھی رکتے نہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں' یہ سفر رائیگاں ہے اور اب کچھ بھی ہاتھ آنے والا نہیں۔ حقیقت مٹ چکی ہے۔ تم جا چکی ہو مگر میرا دل جانے کیوں پھر بھی تمہیں پکار رہا ہے۔ تم اپنے اندر کا تمام اضطراب مجھے سونپ کر خود کہاں غائب ہو گئی ہو؟ میری یہ بے خودی و بے قراری کب تک مجھے تنہا جھیلنا پڑے گی۔ کب تک یونہی مست و بے حال جلتے شعلوں پر رقص کرنا ہو گا۔"

سانس خارج کرتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔

"میں جانتا ہوں دو پیاسی نظریں میری منتظر ہیں۔ ہاتھوں میں چاہت کے مہکتے گلاب لیے کب سے میری راہ تک رہی ہیں۔ وہ آنکھیں جو کہ مجھے بھی کبھی محبوب تھیں۔ میرے اندر تک رسائی رکھنے والی نازک کانچ سی لڑکی کی مضطرب و بے قرار نظریں۔ مگر جانے کیوں اس کی سمت بڑھنے کی چاہ کرتے ہوئے بھی میرے پاؤں ساکت ہو جاتے ہیں۔

مجھے اس سے محبت تھی اور ہے۔ میں کبھی بھی اظہار کا قائل نہیں رہا مگر وہ میری روح میں بستی تھی۔ ہمیشہ سے۔ ہم نے بنا کہے ایک دوسرے سے اقرار کے ڈھیروں الفاظ کہے'

ایک دوسرے سے اقرار کے ڈھیروں الفاظ کہے۔ چپ ہونٹوں سے ان گنت فسانے سنائے ہیں' ایک دوجے کو مگر آج جانے کیوں میری آنکھیں اس کی سمت اٹھ نہیں رہیں۔ شاید اس لیے کہ میں نے اس کے اعتماد کا خون کیا ہے۔ اس کے بھروسے کو تہس نہس کر ڈالا ہے۔

"جانے محبت کیا تھی۔

وہ جو ریم کو مجھ سے تھی۔

مجھ کو ریم سے تھی۔

یا تمہیں مجھ سے تھی؟ یا پھر مجھے جو تم سے ہوئی۔"

محبت کے اس اسرار و بھید کو شاید کوئی کبھی نہ جان سکے' مگر یہ طے ہے کہ محبت اضطراب کا دوسرا نام ہے۔

✦ ◈ ✖

اماں' ابا نے جب باہمی صلاح و مشورے کے بعد رخصتی کی تاریخ مقرر کر دی تو ثوبان قریشی نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس کے چہرے سے خاصے اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔

وہ یقیناً کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

کل جب سے اماں ابا ریم کے ہاں سے ہو کر آئے تھے۔ تب سے اس نے کوئی بیسویں بار اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ایک بار بھی آن دی لائن نہیں آئی تھی۔ یقیناً وہ اس سے ناراض تھی اور اب سے نہیں۔ بلکہ دو سال گزر گئے تھے اس ناراضی کو اور اسے حق بھی تھا۔

وہ جھنجلا کر چابی اٹھا کر نکلا اور رش ڈرائیونگ کرتا ہوا' ان کے ہاں جا پہنچا' مگر اسے دیکھتے ہی وہ جھٹ کمرے میں بند ہو گئی' اور وہ اپنا سا منہ لے کر واپس لوٹ آیا۔

"ریم بی بی! اختیار ہے' تمہیں یہ سلوک روا رکھنے کا کہ میں نے بھی کم اذیت تو نہیں پہنچائی تمہیں' مگر یاد رکھو ہمارے درمیان جو تعلق تھا' وہ ہر قسم کی قید و بند سے آزاد تھا۔ کسی قسم کر رسموں' قسموں اور وعدوں' شرطوں کو اس میں مداخلت کی اجازت نہ تھی۔ وہ روح سے روح اور دل سے دل کا تعلق تھا۔ سچا اور کھرا۔

تمہارے نصیب میں جتنے دکھ تھے تم نے سہ لیے۔ اب اور نہیں میری جان۔ اب اور

نہیں۔

درد وغم کے جتنے دنوں کو شمار کرنا تھا ہم کر چکے۔ اب ہم پھول گنیں گے۔

ثوبان قریشی ایک اٹل ارادے کے ساتھ مسکرایا' اور پھر کاغذ قلم سنبھال کر معافی نامہ تحریر کرنے لگا۔ جس میں گزشتہ دو سال کی تمام روداد حیات کا ایک ایک نقش شامل تھا۔

ریم اگرچہ ابھی رخصتی کے لئے بالکل بھی تیار نہ تھی' مگر امی کی ضد نے اسے اس قدر مجبور کر ڈالا کہ وہ باوجود کوشش کے انکار نہ کر سکی اور چپ چاپ رخصت ہو کر ''ریم محل'' میں چلی آئی۔ البتہ ایسے موقعوں پر لڑکیوں کے دلوں میں جو جوت جاگا کرتی ہے۔ اس کا اس کے چہرے پر دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔ حالانکہ کتنی پذیرائی ملی تھی اسے اس دہلیز پر قدم دھرتے ہی' مہکتے سرخ گلابوں کی طویل روش پر پاؤں پاؤں چلایا گیا تھا' مگر اس کے لئے جانے کیوں وہ پھول سرخ دہکتے انگارے بن گئے تھے۔ اور اب خالصتاً تازہ پھولوں سے سجی مہکتی سیج پر بیٹھی بھی وہ خاصے اکتائے ہوئے انداز میں سر جھکائے ان مہکتی کلیوں کو دیکھ رہی تھی۔

ایک شور ہنگامہ بپا تھا' کمرے میں جیٹھ' رشتے کے دیور' نندیں اور بھابیاں مگر اس شور وغل میں جانے کیوں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ یہ سب اہتمام اس کے لئے تھا' مگر جانے کیوں اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا' کہ یہاں سے اٹھے اور پھر بھاگتی ہوئی باہر نکل جائے۔

یا پھر اس سیج کے سارے مہکتے پھول اپنے ہاتھوں سے نوچ پھینکے اور پھر زور زور سے قہقہے لگائے' خوب ہنسے اپنی تقدیر پر اسے دل کی بے بسی پر جسے محبت تو ملی مگر وفا نہ ملی' جذبے تو سونپے گئے' مگر اعتماد کا شیشہ چکنا چور کر دیا گیا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی۔ اسے احساس تک نہ ہوا کہ کب سب لوگ اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

اور جانے کب تک وہ یونہی بے حس وحرکت بیٹھی رہتی کہ اچانک دروازہ کھلا اور کوئی بھاری قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ وہ بالکل بھی متوجہ نہیں ہوئی۔ چہرے کو جھکانا تو دور کی بات چہرے پر سرے سے گھونگٹ موجود ہی نہ تھا۔ بغور دیکھتے ہوئے ثوبان قریشی اس کے قریب بیٹھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے چونک کر یوں دیکھا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ سر اٹھا کر اس شخص کی جانب دیکھنے لگی۔ جو چپ

چاپ اس کی جانب تکے چلا جا رہا تھا۔ پھر ایک مدھر مسکان دھیرے سے اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔ بے حد..... بے پناہ حسین مگر دلہنوں کو اتنی بے تکلفی کے ساتھ ٹکٹکی باندھ کر اپنے دولہا کو ہرگز نہیں دیکھنا چاہیے۔''

اس کے لہجے میں شرارت وشوخی تھی' مگر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرا گئی۔

''مغرب کی چکا چوند سے متاثر ہونے والوں کو ہماری یہ بے تکلفی بری کیوں لگنے لگی۔''

وہ بولی تو لہجہ بے پناہ تلخ تھا۔ زہر میں بجھا ہوا اور یہ سب چونکہ ثوبان قریشی کی توقع کے عین مطابق تھا' وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اس کی جانب دیکھتا ہوا دھیرے سے مسکرا دیا۔

''ناراض ہو؟''

پھر اس کا جواب نہ پا کر بولا۔

''جنہیں حق بھی ہے مگر.....''

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی' پھر اس کے چہرے کی سمت بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''محبت کرتی ہو نا مجھ سے؟''

اس کا سوال ریم کو سرتا پا جلا گیا۔ شاید وہ اپنا اعتبار دلانا چاہ رہا تھا' مگر وہ پھٹ پڑی۔

''ہم لڑکیاں جس کو ایک بار من مندر کا دیوتا بناتی ہیں' پھر تمام عمر اسی کی پرستش میں بتا دیتی ہیں۔ چاہے وہ دیوتا' جواب میں ہمیں کچھ بھی نہ دے۔ مگر ہماری محبتیں اور پرستش اس کے لئے پھر بھی کم نہیں ہوتیں۔ ہماری محبتیں فریب یا دھوکہ نہیں ہوتیں۔ نہ ہم مردوں کی طرح اپنی محبتیں بدلتی ہیں' اور نہ وفائیں۔ مرد دیوتا بن کر چاہے جتنی بھی داسیاں بدل لے۔ ہم پجارنیں اپنا دیوتا ہرگز نہیں بدلتیں کہ مرد بے وفائی کرے بھی تو بے وفا نہیں کہلاتا۔

زمانے کا کوئی قانون اسے سزا نہیں دیتا۔ کوئی اسے مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ اس کے اقدام کو اس کی مردانگی کی آڑ سے ڈھک دیا جاتا ہے' مگر عورت' وفا کی یہ دیوی باوفا ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ قدموں تلے روندی جاتی ہے اور.....'' اس کی آواز رندھ گئی تو وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گئی پھر ثوبان کی جانب دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

''محبت کا یہ یقین کیا کافی نہیں مسز ثوبان قریشی کہ میں باوجود تم سے نفرت کرنے کے

کبھی تم سے نفرت نہ کرسکی۔ دو سال تک میں نے دو ہزار بار خود کو حسد کے دہکتے الاؤ میں زندہ جلتے رہنے کی سزا دی۔ کیا یہ محبت نہیں تھی کہ میں تم سے قطع تعلق کے باوجود، کبھی تمہیں فراموش نہیں کرسکی' اور اس کے باوجود کہ تم اپنا ناتا کسی اور کے ساتھ جوڑ چکے تھے۔ میں نے پھر بھی تمہیں پوجنے کی عادت ترک نہیں کی' اور اب جب تم ناکام ہو کر لوٹ آئے ہو تب بھی تمہیں ٹھکرایا نہیں۔''

آنسو تیزی کے ساتھ رخساروں کو بھگوتے چلے گئے مگر وہ بولتی چلی گئی۔

''وفا' محبت' عشق ان کے معنی تمہاری ڈکشنری میں تو بدل سکتے ہیں' ثوبان قریشی مگر میری زندگی میں نہیں۔ تم اپنی محبت' اپنی وفا کا رخ تبدیل کرنے میں حق بجانب ہو' کہ تم مرد ہو مگر میں' میں اگر ایسا کرنے کے بارے میں سوچوں بھی تو عورت کے نام پر گالی بن جاؤں گی' کہ وفا کا دوسرا نام عورت ہے اور جو بے وفا ہو جائے وہ عورت نہیں رہتی۔ میں کل بھی تم سے محبت کرتی تھی' اور آج بھی کرتی ہوں۔ میری وفائیں کل بھی تمہارے لیے تھیں اور آج بھی تمہارے نام ہیں' مگر کیا یہی یقین مجھے تم بھی دلا سکتے ہو؟'' وہ تر آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

ثوبان نے ایک نظر اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کی جانب دیکھ' پھر ایک گہرا سانس لے کر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا' پھر ایک لفافہ نکال کر اس کی جھولی میں ڈال دیا۔ وہ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ تبھی وہ گویا ہوا۔

''جو بات میں خود تم سے نہیں کہہ سکتا وہ اس میں تحریر کر دی ہے۔ تمہیں اس میں ہر سوال کا جواب مل جائے گا' مگر میں پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ محبت کا رخ تبدیل تو ہو سکتا ہے' مگر اس سے یہ اخذ کر لینا بھی بجا نہیں' کہ محبت مٹ گئی۔ یا فنا ہو گئی۔

محبت قوس قزح کی مانند رنگ بدلتی ہے
کبھی ایک رنگ ہے تو کبھی دوسرا
مگر تمام رنگ محبت کے ہی ہوتے ہیں
محبت مرتی نہیں
محبت تو بہتا دریا ہے
ایک وسیع سمندر ہے

کسی کو دو چار قطرے دے دینے سے جو کم نہیں پڑتا
محبت ایک شجر ہے
اور شجر کی چھاؤں پر ہر ضرورت مند کا حق ہے

کوئی تھکا ہارا مسافر اگر دو چار پل اس کی چھاؤں میں گزار لے تو یہ گناہ کبیرہ ہرگز نہیں کہ شجر تو اپنی جگہ اپنے مرکز پر ہر حال میں موجود رہتا ہے۔ جگہ تو مسافر بدلتے ہیں۔ اور میری محبت بھی ایک شجر ہے۔ جو آج بھی اپنے مرکز پر قائم ہے۔'' وہ اٹھا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ریم کچھ لمحوں تک اس سفید لفافے کو دیکھتی رہی' پھر اسے دھیرے سے اٹھا کر کھولنے لگی۔

✦ ◈ ✦

ثوبان قریشی کئی لمحوں تک کوریڈور میں یہاں سے وہاں ٹہلتا رہا۔ وہ قدرے مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا' کہ وہ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے گی۔ اسے وہ قبول ہوگا' اور اگر اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہے گی تو وہ زبردستی ہرگز نہیں کرے گا کہ ایسے بندھن زبردستی نہیں نبھائے جاسکتے' بلکہ وہ خود اس ضمن میں اس کی مدد کرے گا' اور اس کی ذات پر کوئی حرف لائے بغیر اس کی زندگی سے نکل جائے گا کہ دیکھنے والے اس تعلق کے ٹوٹنے پر اسے مورد الزام ہرگز نہیں ٹھہرائیں گے۔

یہ سب باتیں اس نے پہلے سے سوچ رکھی تھیں' بلکہ پورا پورا لائحہ عمل مرتب کر رکھا تھا۔ وہ اس کے ہر ردعمل کے لیے تیار تھا' مگر جانے کیوں اس لمحے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری تھا۔ پا کر کھونا شاید مشکل ہوتا ہے۔ اور وہ اس وقت ایک ایسے ہی وقت سے دوچار تھا۔ آنے والے لمحے اس کے لئے کچھ بھی کر سکتے تھے۔ یہ فیصلے کی گھڑی تھی اور جانے کیوں اس سے یہ وقت کاٹنا بے حد محال ہو رہا تھا۔

کتنے ہی پل یہاں سے وہاں چکر کاٹتا رہا پھر چلتا ہوا گرل کے پاس آن رکا۔ تبھی بڑی بھابی جانے کہاں سے ادھر آنکلیں۔

''ارے ثوبان تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

ثوبان چونک کر دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں اس وقت کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔ کیا پہلی ہی رات جھگڑا ہو گیا؟" ان کے شوخ سے انداز پر وہ بہ مشکل مسکرایا' پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"دراصل۔"

"بس اب وضاحتیں وغیرہ چھوڑو اور اپنے کمرے کا رخ کرو۔ اماں' ابا میں سے کسی نے دیکھ لیا تو شامت آ جائے گی تمہاری۔"

وہ بولیں تو ثوبان پلٹ کر ان کے مزید سوالات سے بچنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

اپنی خواب گاہ کے سامنے اس کے قدم لمحہ بھر کو رکے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بڑی بھابی وہیں کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ تب وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر بڑھ آیا کہ وہ کسی نئی کہانی کو جنم دینا نہیں چاہتا تھا' مگر اب سامنے بیٹھی ہاتھوں میں پیر تھامے وہ گم صم سی لڑکی اسے پوری طرح چونکا گئی۔ اس کے چہرے سے کوئی بھی تاثر عیاں نہ تھا۔ وہ یقیناً سب کچھ پڑھ چکی تھی' پھر جانے کیوں فیصلہ کرنے میں اتنی دیر لگا رہی تھی۔ ثوبان قریشی کی آمد پر بھی اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور اب۔

ثوبان قریشی نے ایک گہرا سانس خارج کیا پھر کوٹ اتارتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ بیڈ کے قریب رک کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر کوٹ کاؤچ پر اچھال دیا۔ وہ سر جھکائے خاصی لاتعلق سی بیٹھی تھی۔ ثوبان قریشی کے اندر کی بے چینی سوا ہو گئی۔ نہایت اضطراری انداز میں اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرے' پھر ایک گہرا سانس لے کر اس کے قریب آن رکا۔

"تم جو بھی فیصلہ کرو گی وہ مجھے قبول ہو گا۔ میں تم پر مسلط ہونا نہیں چاہتا۔ محبت کا بدل صرف محبت ہے۔ خیرات یا بھیک نہیں۔ کاسہ دل میں محبت کے سکوں کی کھنک ہی بھلی لگتی ہے۔ زبردستی کے بندھن ناپائیدار ہی ہوتے ہیں اور تم پر کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے جلدی نہیں۔ تم آرام سے فیصلہ کر سکتی ہو' مگر جو بھی فیصلہ کرو گی اس میں مجھے اپنا معاون پاؤ گی اگر تم علیحدگی اختیار کرنا چاہو گی تب بھی میرا تعاون تمہیں حاصل ہو گا اور....."

وہ ابھی بول ہی رہا تھا' جب وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور اس کی مقابل کھڑی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ سرخ عروسی جوڑے میں وہ شعلہ جوالہ بنی روح تک میں سرایت کر گئی تھی۔ بھیگی بھیگی سیاہ آنکھیں بے پناہ دلکش لگ رہی تھیں۔ ثوبان قریشی نگاہ چرا گیا۔ تبھی وہ دو قدم کا

فاصلہ عبور کر کے آگے بڑھی اور یکدم اس کے فراخ سینے پر کے برسانے لگی۔

ثوبان قریشی کے لیے اگرچہ یہ غیر متوقع تھا' مگر وہ پھر بھی مضبوط پہاڑ کی مانند اس کے سامنے جما رہا۔ وہ مارتی چلی گئی اور پھر تھک کر اسے کے شانے پر سر رکھ کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

ثوبان قریشی نے اپنے مضبوط شانے پر رکھے اس کے سر کو دیکھا۔

خوشی و اطمینان کی ایک لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

فیصلہ ہو چکا تھا۔

وہ اس کی پناہ میں تھی۔ محبت کے گھنے شجر کی چھاؤں میں تھی۔

یہ آنسو آج آخری بار بہہ رہے تھے' پھر کبھی نہ آنکھوں میں آنے کے لئے۔

اس نے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کیا اور مسکراتے ہوئے دھیرے دھیرے اس کے سر کو تھپکنے لگا۔

✦ ◈ ✦

آنکھوں کے پار چاند

زندگی
دھوبن چڑیا ہے
اجلے پروں کا لباس
پاؤں جوتوں سے بے نیاز
آنکھوں میں بھوری نیلی آس
زبان پر سمندر کی پیاس
مگر میں نے
ہمیشہ اسے اپنی قبر پر بیٹھے دیکھا ہے!

وہ گم صم بیٹھی ہمیشہ دھند لکے راستوں کو تکتی رہتی' کبھی دیوانی بدلیوں کی اوٹ میں چھپے شریر چاند کو دیکھے جاتی' کبھی جو نگاہ اٹھاتی تو تاروں کی کہکشاؤں کو آنکھوں میں سموئے جاتی' اور کبھی سرد ہواؤں میں سرمستی سے جھومے جاتی' کبھی تتلیوں کے پیچھے دوڑتی' جگنوؤں کو آنچل میں باندھتی' غروب ہوتے ہوئے سورج کے رنگ اسے بے پناہ بھاتے۔

کبھی یونہی بے نشان راستوں پر نکل کھڑی ہوتی' اور کبھی یونہی خشک پتوں کو گرتے ہوئے دلچسپی سے دیکھے جاتی۔ اسے بہار سے زیادہ خزاں اچھی لگا کرتی تھی۔ فضاؤں میں خنکی اور گہری چپ اسے بے حد متاثر کرتی۔ زرد گرتے ہوئے پتوں میں اسے نفسی لگتی' ساحل سے اسے عشق تھا' لہروں کے سنگ سنگ چلنا' اور جھومنا اس کا اوّلین شوق تھا۔

اب بھی اور اپنے ہی خیالوں میں کھوئی سی کھڑی تھی' کہ اندر سے بوا جی نے پکار لیا۔

''پوجا چندا! وہاں کہاں کھڑی ہو؟ دیکھو کس قدر ٹھنڈ ہے' بیمار پڑ جاؤ گی۔ اندر آ جاؤ۔''

وہ بہت انہماک سے چاند کو بادلوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آواز پر یکدم ہی مڑ کر دیکھنے لگی۔

''پوجا! او پوجا!'' بابو جی کی تیز آواز اس کے کان سے ٹکرائی' اور اس کا انہماک و توجہ یکدم ہی ختم ہو گئے۔ وہ تیزی سے پلٹی' اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی ہال کمرے میں آ گئی۔ بوا جی کھانا لگا رہی تھی۔ وہ ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آن بیٹھی۔

''کہاں تھی تم؟'' بابو جی نے کڑک لہجے میں پوچھا۔ وہ نظریں اٹھا کر نہ دیکھ سکی' دل کی دھڑکنیں یک دم تھمنے لگیں' ہاتھ سرد ہو کر پسینے سے بھیگ گئے۔

''کتنی بار کہا ہے' اپنی بوا جی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرو۔ گھر داری سیکھو' اپنی بیمار ماں کا خیال رکھا کرو۔ اب تم چھوٹی بچی نہیں رہیں۔ زیادہ دیر بالکونی میں مت کھڑی رہا کرو۔'' بابو جی نے کہہ کر کھانا شروع کیا۔ وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی۔ بوا جی' ماں جی کو کھانا دینے کے بعد وہاں آئیں' تو اسے اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھ کر ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

''پوجا! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' اور تب وہ بڑبڑا کر یکدم بے دلی کے ساتھ لقمے زہر مار کرنے لگی۔ پوجا' انڈین ہندو گھرانے کا فرد تھی' لیکن نہ جانے کیا بات تھی' کہ اس کی دوستی کسی ہندو گھرانے سے نہیں تھی' بلکہ ایک مسلم گھرانے میں اس کی دوستی تھی۔ جہاں وہ آتی جاتی رہتی تھی۔ ان کے اطوار' رہائش' عبادتیں' محبتیں بہت پسند تھیں۔ وہ بچپن سے ہی اس گھرانے سے بہت متاثر تھی۔ ماہا اسی مسلم گھرانے کی فرد تھی' پوجا کی اور اس کی دوستی بچپن سے چلی آ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اسی دوستی کے سائے میں پل کر دونوں جوان ہو گئیں۔

پوجا ایک اداس' بے چین اور دل شکستہ لڑکی تھی۔ یہ شکستگی اسے اپنے ماحول سے ملی تھی۔ اس کا باپ بہت ظالم تھا' اور اس کی ماں پر بہت ستم ڈھاتا تھا۔ اپنی ماں کی حالت پر پوجا کڑھتی رہتی تھی' مگر باپ سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ پوجا کی کنواری پھوپی بھی ان کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی' جسے پوجا' بوا جی کہتی' وہ پوجا کا بہت خیال رکھتی تھی۔ پوجا حد سے زیادہ حساس ہو گئی تھی۔

وہ جھلستی ہوئی' زرد دوپہر میں اب بارہا اسے ماں جی کی سسکیاں ان دوپہروں کا بین معلوم ہوتی تھیں۔ ویران سرد شاموں میں اسے بواجی کے خواب خون رنگ ہوتے نظر آتے تھے' اور جب دور آکاش میں زمین کی آخری حد میں سورج گم ہو رہا ہوتا' تو اس کے گرد پھیلے گہرے سائے اسے اپنا منتشر روپ لگتے۔ سنسان ویران راتوں میں بواجی کے کنوارے ارمانوں کے بین وہ صاف سنتی۔ ان کی خاموش' سرد آنکھوں کے سوال اس کے سامنے یکدم چیخ پڑتے۔

گرتے پتوں کی صدا کے ساتھ اسے ماں جی کی ڈوبتی ابھرتی دھڑکنوں کو صدا سنائی دیتی' اور یکدم وہ خود سے کہیں کھو جاتی۔ اسے ہوش ہی نہ رہتا' اور وہ خود کو دیکھنے' خود کو ڈھونڈنے ان آوازوں کے تعاقب میں بہت دور تک نکل جاتی۔ کبھی ستاروں میں خود کو کھوجتی' تو کبھی چاند میں اپنا آپ تلاش کرتی' مگر وہ خود کو کہیں نظر نہ آتی۔ کہیں نہ ملتی' نہ ویران سرد ہواؤں میں' نہ بادلوں' نہ گھٹاؤں میں' نہ ٹوٹتے تاروں' نہ دھندلے ویران رستوں پر۔

وہ ہر جگہ جاتی۔ ماں جی کی سسکیوں کو سنتی' اور بھاگتی چلی جاتی' بواجی کے خوابوں کے بین اسے سرپٹ دوڑائے چلے جاتے۔

اور پھر یکدم بابو جی کی کھردری آواز اسے واپس کھینچ کر اسی ماحول میں واپس لا پٹختی' اور تب وہ بے حد چونک کر اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھتی' خود کو دیکھتی' اور پھر بے دلی کے ساتھ آواز کے تعاقب میں قدم اٹھاتی ہوئی اپنے اصل مقام پر آن موجود ہوتی۔

اس نے بارہا یہ جاننے کی کوشش کی تھی' کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ خود سے' اس زندگی سے' مگر خود سے اسے کبھی کوئی جواب نہیں ملا تھا' اور اگر خود سے جواب مل بھی جاتا' تو کیا تھا۔ اس کی زندگی' اس کی اپنی کب تھی' اس کے باپ تابع تھی۔ وہ تو ایک بے جان گڑیا تھی' ویسی ہی بے جان گڑیا' جس کے ساتھ وہ بچپن میں کھیلا کرتی تھی۔ اس کے کپڑے سیتی تھی' اس کے استعمال کا سامان تیار کرتی تھی' اس کا کمرا' اس کا بیڈ' اس کا آئینہ' اس کی کنگھی حتیٰ کہ اس کی شادی کا جہیز تک اکٹھا کر ڈالتی' مگر پھر جب جی بھر جاتا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ' پھینک پھانک کر اٹھ کھڑی ہوتی تھی' اور تب وہ نازک سی گڑیا۔ ایک کونے میں پڑی اپنی بے وقعتی کو دیکھتی رہتی۔

آج اسے اپنا وجود بھی اسی بے جان گڑیا کا سا لگتا۔ بے حد حسین' کانچ سے بھی نازک

کانچ گڑیا۔

بابو جی جب بے حد ترنگ میں ہوتے تو اسے گڑیا کہہ کر ہی مخاطب کرتے' اور تب جانے کیوں اس کے ذہن میں اسی ایک نام کی بازگشت ہوتی چلی جاتی۔ گڑیا..... گڑیا..... گڑیا..... گڑیا..... گڑیا..... اور کبھی کبھی تو واقعی اسے اپنا وجود ایک ''گڑیا'' ہی لگتا۔ بے جان' نازک' بے وقعت' بے قیمت' بے اختیار' جس کی ڈوری کسی کے ہاتھ میں ہو' اور وہ ہاتھ جب چاہے اسے متحرک کر کے خط اٹھالے۔ محظوظ ہولے' اور جب دل نہ چاہے اٹھا کر ایک کونے میں ڈال دے۔

اس کی عمر کوئی اتنی بڑی نہیں تھی۔ اس کی عمر کی لڑکیوں کی دلچسپیاں کچھ اور ہی ہوا کرتی ہیں' مگر وہ سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں دبکی جانے کیوں خود سے اور اپنی لاتناہی سوچوں سے الجھتی رہتی۔

ایک اس کے پڑوس میں رہنے والی ماہا ہی ایسی تھی' جو اس کی اچھی سنگی ثابت ہوئی تھی۔ وہ ہر روز بڑی باقاعدگی سے اس کے پاس آتی' اس سے باتیں کرتی' اس کی سوچوں کو پڑھتی' خیالوں میں اترنے کی کوشش کرتی' مگر وہ اور بھی خود میں سمٹنے لگتی۔

''یار! مجھے اپنی اچھی دوست سمجھو۔ جو دل میں ہے' مجھ سے شیئر کرو۔ جو سوچیں تمہیں پریشان کرتی ہیں' انہیں میرے ساتھ بانٹو۔ دوستی ایک مقدس رشتہ ہے۔ میں کبھی بھی اس مقدس رشتے کی بے حرمتی نہیں کروں گی۔'' ماہا نے اس کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

''دوستی؟'' وہ یکدم چونک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگتی۔

''ہاں دوستی' میں تمہاری بچپن کی دوست ہوں۔'' ماہا خاموشی کے ساتھ اس کی بھوری آنکھوں میں جھانکنے لگتی۔

''ہاں! تم ہی تو ہو' جسے دیکھ کر جینے کو جی چاہتا ہے۔'' تب وہ بے حد معصومیت سے مسکرا کر اسے دیکھتی' تو وہ بے ساختہ اس کی بھوری گہری ساکت آنکھوں کی ویرانی کو دیکھے جاتی۔

''پوجا! تو اپنی عمر سے پہلے بڑی ہو رہی ہے۔'' اس لہجے میں افسوس ہوتا۔

''میں بڑی ہو چکی ہوں۔'' وہ بے پروائی سے اپنی سیاہ کاکلوں سے کھیلنے لگتی۔

''اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ ایک مفکر نے کہا ہے۔'' اپنی عمر کے خول سے قبل از وقت

نکل کے جینے والے کبھی زیادہ دیر تک نہیں جی سکتے۔ ان کی زندگی کی مدت کم' دشوار اور بے ثبات ہوتی ہے۔" ماہا نے مفکرانہ انداز میں کہا۔

"زندگی کا نام ہی بے ثباتی ہے۔"

"تجھے احساس نہیں تو شعور کے جس راستے پر قدم بڑھا رہی ہو' وہ تجھے' تجھ سے چھین لے گا۔ تجھے بے رنگ اور ویران کر ڈالے گا۔"

"پھر کیا ہوگا؟" اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرے سمندر ڈول رہے تھے۔ تب ماہا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پوجا! بولا کرو' ہنسا کرو' رنگوں سے' تتلیوں سے پیار کیا کرو۔"

"رنگ تو ناپائیدار ہوتے ہیں' ان کے تعاقب میں کہاں تک بھاگوں' تتلیوں کے پروں پر کیسے کہانیاں لکھوں' کیسے چھوؤں اس کے نرم' کھلتے شوخ رنگوں کو کیسے اسے مٹھی میں بند کروں' کوئی راستہ ہو بھی تو۔"

"پوجا! تو مر جائے گی۔"

"اب بھی کہاں زندہ ہوں۔"

"تم زندہ ہو۔ تم زندہ ہو۔ کیوں بے حس ہو رہی ہو۔ ایک زندہ لاش میں تبدیل ہو رہی ہو' ایک سرد وجود بن رہی ہو' زندگی کو گزارو زندگی کی طرح۔"

"مجھے جینا نہیں آتا۔"

"پھر مر جاؤ۔" وہ اکتا کر کہتی۔

"مر بھی نہیں سکتی۔" اس کی آواز میں بے انتہا بے بسی ہوتی۔

"گھر میں پڑی رہو گی' تو ایسی خرافات تو جنم لیں گی۔ باہر نکلو' ایڈمیشن لے لو کسی اچھے سے کالج میں۔"

"بابو جی کو جیسے تم جانتی نہیں۔" اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"بابو جی۔ ہونہہ۔ کیسے آدمی ہیں وہ۔ خود تو جی بھر کر زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں' اور پابندیاں لگا رکھی ہیں ایک معصوم سی جان پر۔"

"پلیز' ان کے بارے میں کچھ مت کہو۔"

"ہاں فرشتہ ہیں نا وہ تو۔" ماہا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا' اور وہ

سر جھکا گئی۔

"وہ حق بجانب ہیں۔"

"کس لئے؟ تمہاری ماں جی انہیں ایک عدد وارث نہیں دے سکیں اس لیے؟ انہیں حق ہے توڑیں' پھوڑیں' بے جان کھلونوں کی طرح سمجھیں' احساسات کی بنا پروا کئے انہیں لتاڑ ڈالیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ایک مرد ہیں' اور تم کمزور عورتیں' خود کہو کیا خطا تھی بوا جی کی؟ کیوں انہوں نے ان کے حسین رنگوں سے سجے دن اس کال کوٹھڑی میں دفن کر دیئے؟ کیوں ان کو ایک زندہ لاش بنا ڈالا؟ اور تمہاری ماں جی اگر آج وہ موت اور زندگی کے درمیان ایک ناکارہ وجود بن کر جی رہی ہیں' تو یہ سراسر تمہارے بابو جی کا کمال ہے۔"

"پلیز ماہا۔" اس نے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سماعتیں بند کرنا چاہیں' اور تب ماہا اسے اسی حالت میں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

✦ ◈ ✦

ایمرسن کہتا ہے کہ "انسان جو کچھ سوچتا ہے وہی بنتا ہے۔" مگر وہ کبھی اپنی سوچوں میں خود کو نہ تلاش کر سکی۔ سوچوں کی حقیقت بننے کی بات تو بہت دور کی تھی' بہر حال اس نے خود کو کھوجنا اور سوچنا پھر بھی ترک نہیں کیا تھا۔

وہ ان دنوں جینے اور زندگی کا ڈھنگ سیکھ رہی تھی' جب پھر ماہا آ گئی۔

"ہم بنگلور جا رہے ہیں ماریہ آپی کی سسرال میں ان کے دیور کی شادی ہے۔ چلو گی۔ تمہاری تفریح بھی ہو جائے گی' اور بنگلور میں گھومنے کا بھی موقع مل جائے گا۔"

"بنگلور' ہونہہ۔ یہاں ابھی بمبئی ہی ٹھیک سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا' اور تم چاند پر جانے کی بات کر رہی ہو۔" وہ تلخی سے ہنس پڑی۔

"چاند نہیں بنگلور کہہ رہی ہوں پاگل۔"

"ہمارے لیے بنگلور جانا چاند پر جانے کے ہی مترادف ہے۔"

"تمہاری مرضی۔"

ماہا چلی گئی' اور پھر کئی دن تک نہ آئی۔ یقیناً وہ بنگلور جا چکی تھی۔

وہ خود سے الجھتے الجھتے تھک سی گئی تھی' تبھی اس دن بوا جی سے اپنی تعلیم کی بات کہہ بیٹھی۔

"بھائی جی نہیں مانیں گے۔"

"تبھی تو ان سے نہیں کہہ رہی۔ آپ سے بات کر رہی ہوں۔"

"مگر میں تیرے لیے کیا کر سکتی ہوں؟" ان کی آواز میں اتنی بے چارگی تھی کہ وہ یکدم ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"ہم کب تک یونہی گھٹ گھٹ کر جیتے رہیں گے بواجی! کب تک؟"

"ہمارا نصیب یہی ہے میری جان!" انہوں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

"بابوجی ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"وہ مرد ہیں۔ بااختیار ہیں۔"

"ہم بے اختیار کیوں ہیں؟ ہم بھی تو انسان ہیں۔"

"ہم عورتیں ہیں۔ جنہیں سدا ظلم کی بے رحم چکی میں پسنا پڑتا ہے۔ بے رحم ہواؤں کے تھپیڑوں میں جینا پڑتا ہے۔ مردوں کے معاشرے میں ہماری کوئی حیثیت' کوئی وقعت نہیں' کوئی مرضی کوئی خواہش نہیں۔ ہم ایسی دھرتی ہیں' جن پر یہ اپنی انا کا پرچم لگا کر غاصبانہ قبضہ کرتے ہیں' اور خود کو' اپنی مردہ انا کو تسکین دیتے ہیں۔ بے وقعت دھرتی کے سینے پر پاؤں دھر کے فخر سے سینہ تان کر چلنے والے یہ بھول جاتے ہیں' کہ یہ دھرتی بھی جاندار ہے۔ احساس رکھتی ہے۔ روندنے پر اسے بھی تکلیف ہوتی ہے' درد اٹھتا ہے۔"

"بواجی! میں اس ماحول میں گھٹ کر مر جاؤں گی۔ میری روح انہی ویرانوں میں بھٹکتی رہے گی۔ شاید میں مر کر بھی آزاد نہیں ہوں گی۔ میری روح' جسم کو چھوڑ کر بھی قید رہے گی۔ اس قفس میں' اس پنجرے میں۔" وہ ان کے گھٹنوں پر سر دھر کے رونے لگی۔

"جب باؤجی دوسرا بیاہ رچا چکے ہیں' پھر کیوں ہمیں ہمارے حال پر نہیں چھوڑ دیتے۔ کیوں ہمیں تڑپا تڑپا کر مار رہے ہیں۔"

وہ باقاعدہ سسکیوں سے رونے لگی تھی۔

پھر جانے کب تک وہ خود کو کھوجنے میں بھٹکتی رہتی' کہ اچانک جیسے اس پر قسمت نے اپنے خوشیوں کے در وا کر دیے۔

بابوجی نے اسے کالج جانے کی اجازت دے ڈالی۔ وہ تو یہ سن کر ساکت سی رہ گئی۔ کبھی کبھی بہت زیادہ خوشی بھی تو ساکت کر دیتی ہے نا۔ وہ بھی ایسی ہی حیران رہ گئی تھی۔

"بواجی یہ' سب کیسے ہوا۔ بابوجی کیسے مان گئے؟"

"بس بچی شاید بھگوان نے تیرے باپ کے دل میں دیا ڈال دی ہے۔" بواجی نے تار پر کپڑے ڈالتے ہوئے کہا' اور تب وہ اطمینان کی ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی ماں جی کے کمرے میں آ گئی' مگر وہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ نیند میں بھی ان کا چہرہ متفکر اور اداس تھا۔ ایک کرب' ایک اذیت اور گہرے دکھ کی کیفیت واضح انداز میں ان کے چہرے پر وہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ دھیرے سے آگے بڑھی۔ ان کے ماتھے پر دھیرے سے بوسہ دیا' اور پھر ان پر کمبل ڈال کر باہر نکل آئی۔

اسی کی طرح ماہا نے بھی جب یہ خبر سنی' تو وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوئی۔

"میرا خیال ہے انہیں اپنے آخرت کی فکر ستانے لگی ہے۔" پھر وہ شوخی سے بولی' تو وہ بھی دھیمے میں مسکرا دی۔

پھر ماہا نے ہی اس کا ایڈمیشن اپنے کالج میں کروایا' اور وہ اس کے ساتھ روز کالج جانے لگی۔ ڈری سہمی سی۔ وہ خوفزدہ ہمیشہ اسی کے ساتھ چپکی رہتی۔ پتا نہیں کیوں۔ بابوجی کے سائے سے نکل کر بھی وہ خود کو آزاد محسوس نہیں کرتی تھی۔ اسے لگتا ان کی سرخ سرخ آنکھیں اس کے تعاقب میں ہوں۔ اسی پر ٹھہر گئی ہوں۔ ہر لمحہ اسے کھوج رہی ہوں۔ اس کی جانچ کر رہی ہوں' اور تب جانے کیوں اس کا دل تھمنے سا لگتا' ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ جاتیں۔ ماہا اس کے مقابلے میں بہت پر اعتماد اور بولڈ تھی' مگر وہ ذہین ہوتے ہوئے بھی ڈری سہمی اور خوفزدہ' بعض من چلے تو اسے دیکھ کر "خوفزدہ ہرنی" کا لقب بھی دے ڈالتے۔ کچھ شوخ دل "ماما زگرل" کہہ کر بھی خراج تحسین پیش کرتے کہ وہ ہر وقت ماما کا پلو جو تھامے رکھا کرتی تھی۔ کچھ فرماتے۔ "ارے اتنا ظلم' ابھی تو بے بی کے پالنے میں کھیلنے کودنے کے دن تھے اور....."

بہر حال کالج میں جہاں ہر طرح کے لوگ تھے۔ وہیں اسے ہر طرح کے ریمارکس بھی سننے کو ملتے' مگر وہ بنا سنے (بلکہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی ہوئی) آگے بڑھتی چلی جاتی' کہ وہ یہاں ایسے لوگوں کے منہ لگنے نہیں آئی تھی' بلکہ وہ تو یہاں ایک اعلیٰ مقصد کے تحت آئی تھی' اور جس منصب سے اسے یہ موقع میسر آیا تھا' یہ بھی وہ اچھی طرح جانتی تھی'

تبھی تو اسے گنوانا نہیں چاہتی تھی اور سب کی جانب سے کان بند کیے ہوئے فقط اپنی اسٹڈی میں مگن تھی۔

✦ ◈ ✖

موت ایک بہت بڑی اٹل حقیقت سہی' لیکن اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ موت ایک دن اس کے ہاتھوں سے سب کچھ چھین لے جائے گی' اور اسے تہی داماں کردے گی۔ وہ بھرے ہاتھوں تو کبھی نہ تھی' مگر ایک سکھ تو تھا کہ ماں کا سایہ ہے اس کے سر پر' ایک زندہ لاشے کی صورت ہی سہی' مگر وہ موجود تو تھیں' مگر رات اچانک جانے کیسے ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی' اور وہ ڈاکٹر کی آمد سے قبل ہی دم توڑ گئیں۔ ایک ظلم و بربریت کی بے بس تصویر' بے جان بت بنی اس کے سامنے تھی' اور بوا جی سمیت بابو جی ان کے سرہانے کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔

آپ کو شاید اس لئے افسوس ہو رہا ہے کہ اب آپ کے اپنا تختہ مشق بنائیں گے' اب کون آپ کے جبر و ظلم کو خاموشی سے برداشت کرے گا' کون لاتوں اور گھونسوں کی مار سہے گا' کون طنز میں ڈوبی برچھیاں اپنے سینے میں اتارے گا' اب کسے نشے میں دھت آپ اپنے مضبوط جوتوں سے ٹھوکریں ماریں گے؟

وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس جانب دیکھتی رہی' لیکن نمی کا ایک بھی قطرہ اس کے رخسار پر نہیں گرایا' شاید اس کے تمام آنسو اس کے اندر ہی اندر گر رہے تھے۔

کاش جابر اور ظالم معاشرے کو بھی کہیں دفن کیا جاسکتا۔ ہمیشہ کے لیے۔

کاش ایک جابر کے مرنے کے بعد دوسرا ویسا ہی جنم نہ لے سکتا۔

ایک غاصب کی موت کے بعد دوسرا غاصب پیدا نہ ہوتا۔

مگر حالات کب اختیار میں رہے ہیں۔ سو بدستور دنیا کا نظام جاری و ساری رہتا ہے۔ ایک مرتا ہے دوجا اس کی جگہ لے لیتا ہے' وجود مرتے ہیں کردار نہیں۔ کردار نبھانے والے جگہ پُر کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

بالکل ایسے ہی جیسے اب اس نے ماں جی کی جگہ لے لی تھی۔ ماں جی کے حصے کی سختیاں' جھڑکیاں صلواتیں اب وہی سنتی تھی۔ برداشت کرتی تھیں۔ کہیں کوئی در نہیں تھا' اس زندان میں' کہیں کوئی دروازہ نہ تھا اس قفس میں۔

وہ کھل کر سانس لینا چاہتی تھی' مگر حبس اس قدر تھی کہ دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا' مگر وہ

اسی ماحول میں قناعت کیے ہوئے تھی۔ کاش وہ مر سکتی' ماں جی کے ساتھ زندہ جل سکتی' مگر شاید اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کبھی بھی نہیں' وہ تہی دست تھی' تہی داماں تھی' بے اختیار تھی بے بس تھی۔ وہ سامنے سے اٹھ کر بوا جی کے پاس آبیٹھی۔

بوا جی بڑی خاموشی کے ساتھ صحن کے کھردرے فرش پر لکڑی کے بجھے کوئلے سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھیں۔ (ان کی قسمت بھی تو انہی آڑی ترچھی لکیروں جیسی تھی۔)

"بوا جی!" اس نے دھیمے سے پکارا' پھر ان کے عین سامنے بیٹھ گئی۔ انہوں نے یکدم اپنا ہاتھ روک دیا۔ مگر سر اٹھا کر اسے دیکھا نہیں' اور تب وہ ان کے چہرے پر پھیلی سوچ کی لکیروں کو جیسے واضح انداز میں پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بوا جی! گھر میں فقط ہم دو ہی تو وجود ہیں' کیا ضروری نہ ہوگا کہ ایک دوجے کو احساس دلانے کے لئے کہ ہم زندہ ہیں' کبھی کبھی بول لیا جائے۔"

بوا جی نے اس کی سمت یکدم سر اٹھا کر دیکھا' پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیں۔

"زندہ وجودوں کو اپنے ہونے کا احساس دلانے کے لیے ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

وہ کتنے ہی لمحے ساکت سی انہیں دیکھتی رہی' پھر سر جھکا گئی۔

"ہم اگر زندہ نہیں تو مر بھی کیوں نہیں جاتے؟"

"مرے ہوئے ہی تو ہیں۔"

"ہمارے ہاں یہ رواج ہے۔ ہم کسی کو کچھ بھی نہیں دیتے' بلکہ لے لیتے ہیں' چھین لیتے ہیں۔"

"بوا جی! نہ زندگی ہے نہ موت ہے' کیا کریں ہم۔ کس طرح اپنے وجود میں قائم رہیں۔ نہ زمین پر ہیں نہ آسمان پر۔ کہیں خلا میں معلق ہو کر رہ گیا سارا وجود۔"

بھگوان سب ٹھیک کردے گا' اتنی مایوس نہ رہا کر۔"

"اور بھگوان نے ہماری نہ سنی تو؟" وہ سہمی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"وہ اتنا بے رحم نہیں۔" پوجا نے دھیرے سے سر ان کے گھٹنوں پر ٹکا دیا۔

"بوا جی۔"

"ہونہہ۔"

"بھگوان کے علاوہ بھی کوئی ہماری سننے والا ہے؟"

"چار سو بھگوان ہی ہے۔"

"خدا..... اللہ؟"

"سب بھگوان ہی کے نام ہیں۔"

"ماہا کہتی ہے اس کی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ اس کے اللہ اس کی تمام آشاؤں کو پورا کر دیتے ہیں۔ بوا جی میرا دل چاہتا ہے میں بھی اس کے اللہ میاں سے ایک التجا کروں۔ ایک دعا مانگوں۔"

"کیا.....؟"

"ہمیں مال و دولت نہیں چاہیے۔ بس سکون عطا کر دے۔ ایک بھکاری پجارن تیرے در کی سوالی ہو رہی ہے' اسے اپنے پیروں کی خاک سے نواز دے۔ ہم پاپی سہی' خطا وار سہی' مگر یہ گناہوں کی سزا ہمارے گناہوں سے بہت بھاری ہے۔"

اس کے آنسو بوا کا دامن بھگونے لگے۔

"تجھے اس طرح دعا مانگنی کس نے سکھائی؟" بوا جی حیران ہوئیں۔

"کسی نے نہیں۔ بس خدا کو پانے کی جستجو میں آپ ہی آپ لفظ بن گئے۔ بوا جی۔ کیا خدا واقعی دکھ دور کر سکتا ہے۔"

"ہوں اس کی ذات بہت بڑی ہے۔"

"میں ڈھونڈنا چاہتی ہوں اسے..... وہ کہاں ہے.....؟" وہ دھیمی سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "کتنی بلندیوں پر رہتا ہوگا وہ؟ کیسے رسائی پاؤں گی میں اس تک۔ کیسے اپنی عرضی اس تک بھیجوں گی؟ وہ تو نظر بھی نہیں آئے گا مجھے۔ پاپی جو ہوں میں۔ پھر وہ ہمارا خدا تو نہیں.....؟"

"خدا سب کا ایک ہی ہوتا ہے پگلی۔" بوا جی نے کسی عالم کی طرح اس کے الفاظوں کی نفی کی۔ "وہ ہر جگہ ہے۔ پاپی' گناہ گاروں سب کی سنتا ہے وہ۔ سب کی عرضیاں وصول کرتا ہے وہ۔"

"آپ نے دیکھا ہے کیا اسے؟" اس نے عجب سوال داغ دیا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گئیں۔

"ہوں۔ بس ذرا جھلک دیکھی تھی کبھی۔"

"پھر.....؟"

"پھر کوہ طور کی طرح جل کر راکھ ہو گئی۔"

"کوہ طور.....؟ یہ کیا ہے؟"

"وہ پہاڑ' جہاں حضرت موسیٰؑ خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جہاں خدا ان سے مخاطب ہوتا تھا' اور جہاں ایک بار موسیٰؑ نے خدا کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"آپ کیسے جانتی ہیں یہ سب.....؟" وہ یکدم سیدھی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ یکدم نظریں جھکا گئیں' ان کے چہرے پر عجیب سا رنگ پھیل گیا تھا۔

"تیرے بابو جی آنے والے ہیں۔ جلدی سے کھانا بنا لے۔ ورنہ آتے ہی شور مچا دیں گے۔" وہ اٹھیں اور پھر تیزی سے اندر بڑھ گئیں' اور پوجا ان کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

✦ ◈ ✦

ماہا کی بڑی بہن کی شادی تھی' اور اس نے پوجا کو بطور خاص بلوایا تھا۔ اگرچہ وہ ڈری سہمی اور خود میں سمٹی رہنے والی اور ہجوم سے ڈرنے والی لڑکی تھی' مگر اس گھڑی اسے جانے کیوں تقریبات میں شرکت کا بے حد اشتیاق ہوا۔ وہ جانتی تھی تقریب گھر ہونے کی وجہ سے بابوجی انکار ہرگز نہیں کریں گے۔ دو جے بچپن کا ساتھ بھی تھا۔ محلے داری تھی۔

اگرچہ بابوجی سماجی تقسیم اور مذہبی و ثقافتی حدود کے بے حد خواہاں تھے' مگر ماہا کی فیملی کے ساتھ ان کے مراسم بے حد پرانے تھے۔ تبھی اس تقریب میں شرکت کی اجازت بھی انہوں نے پوجا کو خوشی کے ساتھ دے دی' اور پوجا کے دل کی خوشی کا تو ٹھکانہ نہ رہا تھا۔

اودھے' نیلے' پیلے' سرخ' نارنجی' سنہرے' کالے' کاسنی' کتنے ہی رنگوں کے کپڑے اس نے بنوا لیے تھے۔ یہ مایوں کے لئے۔ اس کے ساتھ چاندی کے آویزے' یہ مہندی کے لئے' اس کے ساتھ پتھر کے سبز رنگوں والا سیٹ' یہ جوڑا بارات کے لئے' اس کے ساتھ سرخ یاقوت کا نفیس سا سیٹ' سفید براق گھیر والی قمیص کے ساتھ چست چوڑی دار پاجامہ اور سوا تین گز کا سفید براق آنچل جس کے کناروں پر سنہری ڈوری اور گھنگرو بندھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ بیلے کے پھولوں کا زیور کانوں میں بوا جی کے سنہری جھمکے' گلے میں گلوبند' بالوں میں چھن چھن کرتا پراندہ اور.....''

کتنے ہی دلکش تصور اس نے باندھ لیے تھے پلو میں' آس کے لاتعداد جگنو مٹھی میں قید کرنے کو وہ بے تاب تھی۔

ماہا روز بازاروں کے چکر لگا رہی تھی۔ اس نے گلی کے ایک بچے کو بھیج کر پتا کروایا تھا' کہ مایوں کی رسم شروع ہونے میں کتنی دیر ہے' اور ابھی ماہا آئی ہے یا نہیں۔ وہ بچے کو کہہ کے ساتھ ہی اندر آ کر تیاری کرنے لگی تھی۔ لباس تبدیل کر کے ابھی شیشے کے سامنے آ کر کھڑی

ہوئی ہی تھی کہ بچہ پیغام لے کر آ گیا۔

''دیدی' ماہا دیدی بازار سے آ گئی ہیں' اور کہہ رہی ہیں آپ بھی جلدی سے وہاں آ جائیں۔ شاید دلہا والے رسم کرنے کو آنے ہی والے ہیں۔'' بچہ کہہ کر باہر نکل گیا' اور تب وہ بہت عجلت کے ساتھ چوٹی کو بل دینے لگی۔ کانوں میں چاندی کے آویزے پہننے کے بعد جلدی سے ہاتھوں میں بھی کانچ کی نازک چوڑیاں پہنیں' پھر آنکھوں میں کاجل کی دھار لگانے کے بعد جانے کیوں اس نے لپ اسٹک بھی اٹھالی' ابھی کو رہٹا کر کھول کے ہونٹوں کے قریب کی ہی تھی کہ یکدم پشت سے بابوجی کی بھاری کرخت آواز ابھری۔

''کس کو دکھانے جانا ہے تیرے کو ادھر' کس کے لیے اتنا سنگھار کر رہی ہے تو؟'' اس کے ہاتھ جہاں تھے' وہیں تھم گئے۔

''بچی ہے راکیش بھیا۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ بچیاں شادی بیاہوں پر نہیں سجیں گی تو بھلا اور کب سجیں گی۔'' بوا جی نے ایک کمزور سی دلیل دی۔

''مگر یہ نہیں سجے گی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر لپ اسٹک اس کے ہاتھ سے جھپٹی' اور پاؤں تلے رکھ کر روند ڈالی' اور دوسرے ہی پل کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ آنکھیں شدت سے بھینچ کر جیسے اپنے اندر کا سارا درد اندر ہی کہیں دفن کرنے لگی۔

ماہا کے ہاں جب وہ داخل ہوئی تو تقریب شروع ہو چکی تھی۔ وہ جلتی آنکھوں اور جلتے ذہن سمیت قدرے سنسان گوشے میں ٹک گئی۔ کس قدر خوش تھی' وہ یہاں آنے سے قبل' کیسے کیسے خوشیوں کے جگنو پلکوں میں پروئے تھے' مگر اب ان جگنوؤں کی جگہ کانچ کے ٹکڑوں نے لے لی تھی۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر جیسے اندر کے وسیع سمندر پر بند باندھ رہی تھی۔

وہ اپنے ہی خیالوں کے تانے بانے بننے میں لگی ہوئی تھی' جب اچانک ایک دلکش سا لہجہ اس کے کانوں سے ٹکرا کر گلاب سے بکھیر گیا۔ وہ یکدم اپنی سوچوں سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگی' مگر ارد گرد کوئی نہ تھا۔

''پیلا سا ایک چاند۔'' آواز جیسے ساعتوں میں بازگشت کی طرح گونجنے لگی۔ اس نے یکدم اپنے پیلے ریشمی آنچل کو جو سبزے پر جھول رہا تھا' تھام کر شانے پر پھیلا لیا۔

اداس' سوگوار' سرخ نگر کاجل کی دھار سے مزین آہو چشم' پھر اِدھر اُدھر سرگرداں ہوئی۔ دل یکدم کانپا' اور وہ اپنی تنہائی کا خیال کر کے یکدم ہی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دو قدم چلی

تھی کہ ایک سفید گلاب اس کے قدموں سے آن ٹکرایا۔ وہ یکدم ٹھہر گئی۔ نظر سبز گھاس پر اس کے قدموں کے عین قریب پڑے سفید تر و تازہ گلاب پر پڑی۔ اس کے دل میں یکدم ہل چل سی مچ گئی۔ اس نے بے تحاشا چونک کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ چند فٹ کے فاصلے پر ماہا کی بہن کی رسم ادا ہو رہی تھی۔ سب لوگ اگرچہ مگن تھے مگر اسے ایسا لگا۔ ہر کوئی اس کی چوری پر نگاہ جمائے بیٹھا ہے۔ وہ بھاگ کر فرار چاہتی تھی' اور اسی ضمن میں قدم اٹھایا ہی تھا کہ دوسرے ہی قدم پر ایک سرخ گلاب اس کے قدموں سے پھر آن ٹکرایا۔ وہ ششدر سی اسے دیکھنے لگے۔ دل ناتواں پر یہ کاری ضرب تھی۔ وہ یقیناً ایسے گلاب حملوں کے لیے تیار نہ تھی۔ یہ مرحلے اس کی زندگی میں پہلی بار آئے تھے' اور اس کے محسوسات جہاں سلب ہوئے تھے' سوچیں سر پر پاؤں رکھ کر کہاں بھاگی تھیں۔ وہیں چہرے پر بھی یکدم خوف کے رنگ آن ٹھہرے تھے۔ اس نے اس سرخ گلاب کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہا تھا' مگر خوشبوؤں سے بسے گلاب کو گھنے پودوں کی باڑ میں ڈال کر وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ آئی۔ دل میں عجیب اتھل پتھل سی مچی ہوئی تھی۔ شور اس قدر تھا کہ آواز سے کان پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ زندگی کی یہ اولین ہلچل تھی۔ یہ پہلا احساس تھا کہ دل کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ جب دل نے باور کروایا تھا کہ وہ بھی پہلو میں ہے۔

''اف۔'' وہ گہری اضطراری کیفیت میں ایک چیئر پر جم گئی۔ لگ رہا تھا ہر کوئی اس کی جانب متوجہ ہو' اسے دیکھ رہا ہو۔

بہرحال کچھ بھی تھا۔ اس کا دل' اس کا دماغ یکدم ہی بے اختیار ہو کر از خود مصروف عمل ہوئے تھے۔

''پہلی بار کچھ ہوا تھا۔''

''ابھی ابھی' یہیں کہیں' لمحہ بھر میں' پل کے ہزارویں حصے میں۔'' وہ ابھی ابھی سوچوں میں غلطاں تھی' سنبھل بھی نہ پائی تھی' کہ ماہا نے اسے پکار لیا۔

''پوجا کی بچی! کہاں غائب تھیں تم؟ ابھی آ رہی ہو۔ دیکھو رسم ادا بھی ہو چکی۔''

''اوہ۔ آئی۔ آئی ایم سوری۔'' وہ بمشکل مسکرا کر بولی۔ ''وہ دراصل۔''

''چلو کوئی بات نہیں۔ اب جلدی سے آ جاؤ۔ لڈی ڈالتے ہیں۔'' ماہا نے مسکرا کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

''لڈی! مگر مجھے تو لڈی ڈالنی نہیں آتی۔ اس کے پیلے چہرے کا رنگ یکدم ہی اور بھی پیلا پڑ گیا۔

''اف کیا غضب کی لگ رہی ہو' مکمل شاہکار' ایک حسین پیلا چاند' پیلا جوڑا' وہائٹ براق دوپٹا' جیسے بادلوں کی اوٹ سے پیلا چاند جھانک رہا ہو۔'' ماہا نے بھرپور تعریف کی۔

''اف۔'' اس نے یکدم گھبرا کر ماہا کی جانب دیکھا۔ ''پیلا چاند۔''

ٹھہر گیا ہے سراسیمہ سا پیلا سا اک چاند

کوئی سنگناتا ہوا لہجہ اس کی سماعتوں میں جیسے ہل چل سی مچا گیا۔ وہ سر جھکا کر کلائیوں میں موجود چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔ مبادا آنکھیں دل کی کیفیات ہی عیاں نہ کر ڈالیں۔ اس کا انداز اس قدر الجھا ہوا تھا کہ ماہا قریب چلی آئی۔

''خیریت۔ کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟'' ماہا کے ہاتھ کا دباؤ اس کے شانے پر تھا۔

''نن..... نہیں۔ تو.....'' اس نے یکدم سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''پھر تمہارا چہرہ اس طرح فق کیوں ہو رہا ہے؟'' ماہا نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''شاید۔ شاید اس پیلے جوڑے کا اثر ہے۔'' ماہا ہنس پڑی۔

''ہاں شاید واقعی مگر تم پر یہ رنگ جچ بھی بہت رہا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کوئی اس پیلے چاند کا شیدائی و تمنائی نہ ہو بیٹھے۔''

پوجا کی سونے جیسی کھلتی رنگت یکدم سرخ پڑ گئی۔

''بکو مت۔'' وہ بمشکل مسکرا سکی۔ تبھی وہ بولی۔

''چلو نا لڈی ڈالتے ہیں مل کر۔''

''لیکن مجھے تو لڈی ڈالنا نہیں آتی۔''

''کوئی بات نہیں ہم تمہیں سکھا دیں گے۔''

''اوں ہوں۔ بابو جی کو اچھا نہیں لگے گا۔''

''اف۔ تمہارے بابو جی۔ ہر وقت جانے کیوں تمہارے سر پر سوار رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے ان کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ تمہیں یہاں پر ٹوئس کر سکیں۔''

وہ ہنس پڑی۔

''ان کی نگاہیں بہت تیز ہیں۔ ہر جگہ' ہر وقت مستعد۔ شاید واقعی کوئی طاقت ان کے

پاس موجود ہے۔"

"بہر حال تم بیٹھو اور انجوائے کرو۔" ماہا اس کی بحث سے جیسے اکتا کر بولی' اور پھر اپنی کزنز اور خاندان کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ لڈی ڈالنے لگی۔

وہ پورے انہماک سے انہیں دیکھ رہی تھی' تب ہی چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش کا احساس کر کے وہ بے چین ہو اٹھی۔ بلا ارادہ ہی سامنے نگاہ اٹھائی۔

لان کے آخری سرے پر ایک ٹولہ سا لڑکوں کا جمع تھا۔ انہی میں سے ایک وہ بھی تھا۔ بلو چست جینز وائٹ شرٹ' اجلا چہرہ' تنومند وجود' ہاتھ میں گٹار تھام کے (بلکہ گٹار دھیمے سروں میں بجاتے ہوئے) وہ اسی کی جانب متوجہ تھا۔ پوجا کے اس کی جانب اس طرح دیکھنے پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

پوجا کا دل جیسے یکدم ہی کانوں میں آن گھسا تھا۔ یا جیسے پسلیاں توڑ کر ابھی باہر آجائے گا۔ وہ جلدی سے نگاہیں جھکا گئی' مگر دھک دھک کی آواز کان پھاڑتی رہی۔

تبھی میوزک بند ہوا' اور ایک شور سا اٹھا لڑکیوں میں۔ اس نے نگاہ اٹھائی کہ ماہا "اسی" کا ہاتھ تھامے کھینچتی ہوئی لا رہی تھی۔ گٹار اس کے ہاتھ میں تھا۔ پوجا کا دل جیسے بند ہونے لگا۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

"سنیں معزز خواتین' یہ میرے ڈیئر کزن اعیان عمر شیخ ہیں۔ پڑوسی ملک۔ یعنی پاکستان سے آئے ہیں۔ پڑھ تو ایم۔ بی۔ اے میں رہے ہیں' مگر گاتے بھی کمال کا ہیں۔ آج یہ ہماری ہی پُرزور فرمائش پر آپ کو کچھ سنائیں گے۔ جی تو اعیان صاحب کیا سنا رہے ہیں آپ؟" ماہا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ تب وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرایا۔ نگاہیں یکدم حرکت کرتی ہوئیں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

آپ کو دیکھ کر دیکھتا رہ گیا
کیا کہوں اور کہنے کو کیا رہ گیا

اس کا انداز اتنا دلکش اور شوخ تھا کہ ہجوم میں یکدم بھرپور شور اٹھا' اور زبردست داد کے ساتھ تالیاں بھی بجائی گئیں۔ اس کی سیاہ آنکھوں کی جوت مزید بڑھ گئی۔ گٹار کے سروں کو دھیرے سے چھیڑا۔

پہلے ایک قطعہ عرض ہے۔

جب سے تو نے پاؤں دھرا ہے دل کے سُونے جنگل میں
خوشبو سی اک پھوٹ رہی ہے دل کے سُونے جنگل میں
لمحہ بھر جو دیکھیں تیری روشن ہنستی جھلمل آنکھیں
جگنو رستہ پوچھ رہے ہیں دل کے سُونے جنگل میں

"واہ۔ واہ۔ واہ۔ زبردست۔" کئی ملی جلی آوازیں ابھریں۔ مترنم قہقہے ابھرے۔

"کون ہے بھئی وہ؟" ماہا سے بڑی سعدیہ نے بولڈ لہجے میں پوچھ بھی لیا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرایا' پھر آنکھیں میچ کر باقاعدہ سر میں گانے لگا۔

جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے
جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے

پوجا کی دھڑکنیں جیسے تھمنے سی لگیں۔ وہ یکدم اٹھی۔ ماہا کی امی کو بتایا' اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل آئی۔ گھر میں آکر بستر پر گر کر کتنی ہی دیر تک وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی' مگر دل کا شور پھر بھی مدھم نہ ہوا۔

ہوسکتا ہے جیسا وہ اخذ کر رہی تھی' وہ سب قیاس ہی ہوتا۔ یا غلط فہمی ہی ہوتا' مگر یہ بھی تھا کہ اس کی نگاہ ایک عورت کی تھی' اور عورت چاہے سولہ برس کی ہو یا ساٹھ برس کی۔ اس کی نگاہ بہت کچھ بھانپنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اور کچھ ہو نہ ہو لیکن مرد کی نگاہ وہ بہت جلد جان جاتی ہے' اب پوجا کو جو بھی حالات درپیش ہوں' لیکن وہ اسے مکمل نظر انداز کر کے پہلو نہیں بچا سکتی تھی۔

دوسرے دن ڈھولک تھی' سکھیوں' سہیلیوں کو اکٹھے ہونا تھا۔ گیت گانے تھے' لیکن وہ نہیں گئی' پھر اس سے اگلے دن بھی۔ وہ یونہی کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہی۔

تیسرے روز مہندی تھی' اور اس روز بھی اس کا ارادہ کچھ ایسا ہی تھا' کہ ماہا آپ چلی آئی۔ اسے بستر پر لیٹے کتاب پڑھتے ہوئے کچھ خشمگیں نظروں سے دیکھا پھر بولی۔

"میں سمجھی موت واقع ہوگئی ہوگی' اور اب تک شاید کریا کرم بھی ہو چکا ہو' مگر تم تو زندہ سلامت ہو۔"

وہ کتاب ایک طرف رکھ کر اٹھ بیٹھی۔ "سوری دراصل وہ میں....."

"اوں ہوں۔ وضاحت نہیں' جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سمجھیں۔" وہ بولی اور پھر اسی تیزی سے واپس مڑ گئی' وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھی رہی' پھر بے دلی کے ساتھ اٹھ کر تیار ہونے لگی۔

تب تصور میں جانے کیوں وہ سیاہ جگنوؤں سی روشن آنکھیں ابھر آئیں۔

سفید سوٹ زیب تن کر کے اس نے پشت پر ڈھیلی سی چوٹی باندھ لی۔ اگرچہ تیاری تو اس کی کچھ اور ہی تھی' اور اس سوٹ کے ساتھ لوازمات بھی کچھ اور طے ہوئے تھے' مگر اب قصداً گھنگروؤں والے پراندے سے پرہیز کیا گیا' کانوں میں بوا کے سنہری جھمکوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہن لیے' آنکھوں میں کاجل بالکل نہ لگایا۔ وہ اپنی طرف سے حفاظتی بند باندھ رہی تھی' مگر نہیں جانتی تھی کہ پہلی اٹھنے والی نگاہ میں جو تاثر بن جاتا ہے' دوسری نگاہ اسے بدل نہیں سکتی۔ لٹنے والا ایک نگاہ میں ہی لٹ جاتا ہے۔ کیوپڈ کا تیر کام کر جاتا ہے۔ لوٹنے والے کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کیا کچھ لوٹ لیا۔ بس لٹنے والا جانتا ہے۔

وہ سادگی کی سی تیاری سمیت وہاں پہنچی' تو ماہا نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"عالم ارواح سے پدھاری ہو کیا آپ؟" وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا گئی' اور تب وہ اسے تھام کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

"مانا یار تمہارا حسن بلا کا قیامت خیز ہے' اور اچھی صورت کو سنورنے کی ضرورت نہیں ہوتی' مگر یہاں آج ایک اہم تقریب ہے' اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ کوئی آپ کو بیوہ جان کر کچھ کہے نا تو پلیز آپ یہ ذرا سی لپ اسٹک ہونٹوں پر پھیر لیجئے۔" اس کا انداز برہم تھا۔ پوجا پہلے تو اسے دیکھتی رہی' پھر اس کے ہاتھ سے لپ اسٹک لے کر ایک طرف رکھ دی۔

"بابو جی کو یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ مجھے بیوہ نظر آنے کا کوئی شوق نہیں' مگر وائٹ رنگ میرا فیورٹ ہے' اور پھر ضروری نہیں کہ یہ رنگ فقط بیواؤں کے لئے ہی مخصوص ہو۔ یہ پاکیزگی کی علامت بھی تو ہے۔"

"ماشاءاللہ کیا کہنے۔" ماہا نے اسے بھرپور داد دی پھر اپنی تیاری میں مگن ہو گئی۔

وہ ڈریس چینج کرنے ڈریسنگ روم میں گئی تھی' تبھی داخلی دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا۔

"ماہا۔ یہ پھول۔"

"پوجا نے رخ پھیر کر یکدم دیکھا' اور پھر نظریں یکدم ہی دوبارہ جھک گئیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

"یہ گجرے وغیرہ منگوائے تھے ماہا نے۔" پوجا نے نگاہ اٹھا کر دیکھا' اس کا ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے پیکٹ تھام لیا' مگر اس کا ہاتھ اس کے بھاری مضبوط ہاتھ سے لمحہ بھر کو مس کر گیا۔ لمحہ بھر کو نظریں اٹھیں' یہ لیں' وہ اپنائیت سے مسکرا دیا۔

"آپ کا نام؟"

"پو..... پوجا..... پوجا راکیش ٹھاکر!"

"اوہ۔" اس کے ہونٹ یکدم سیٹی کے انداز میں سکڑے' پھر دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا دیا۔

"اچھا نام ہے مقدس سا۔ پاکیزہ سا' شبنم کے قطروں کی طرح صاف ستھرا۔" وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی' تبھی وہ بولا۔

"آئی ایم اعیان عمر شیخ۔ فرام پاکستان۔"

"میں جانتی ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"کب سے؟" وہ شرارت سے بولا۔

"وہ دراصل ماہا نے تعارف کروا دیا تھا اس روز۔" وہ بولی تو وہ دلکش انداز میں مسکرا دیا۔

"بہرحال آپ یہ گجرے انہیں دے دیجئے اور کہئے جلدی تیار ہو کر نیچے آ جائے۔"

"سنیں اتنے دنوں تک آپ آئیں کیوں نہیں؟"

اور پوجا کی جیسے سانسیں تھم گئیں۔ اس نے دھیرے سے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ بہت دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں کے دیپ بے تحاشا روشن تھے۔ وہ یکدم بوکھلا کر سر جھکا گئی۔

انداز عام سہی لیکن لفظ کہاں عام تھے۔

کیا' کیا اسرار و بھید نہ چھپے ہوئے تھے اس میں۔

پوجا کی پیشانی یکدم نمی کے قطروں سے تر ہو گئی۔

"وہ..... دراصل۔" اس نے کہنے کے لئے سر اٹھایا۔ زبان کھولی' مگر لفظ اندر ہی کہیں

دم توڑ گئے' اور تب اس نے دیکھا' وہ بے حد بھرپور انداز میں مسکراتا ہوا واپس پلٹ گیا تھا۔

پوجا کتنے ہی لمحے ساکت سی اسی حالت میں کھڑی دروازے کی جانب دیکھتی رہ گئی۔ حتیٰ کہ جب تک ماہانہ آ گئی۔

"چلو یار کیا بت بنی کھڑی ہو۔ دلہا والے آ گئے ہیں۔ باہر نہیں چلنا کیا؟" وہ تقریباً چیخی تھی' اس کے کان کے قریب اور تب وہ جیسے یکدم ہی کسی خواب سے بیدار ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی' اور پھر یکدم ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر کچی تھی' لیکن وہ کچے خواب دیکھنے سے ڈر رہی تھی' مگر جانے کیوں اس کی آنکھیں ان کچے خوابوں کو پلکوں پر پرونے سے ڈر رہی تھیں۔ شاید اس لئے بھی کہ مکمل تصویر نہ تھی۔ فقط عکس تھا۔ خیال تھا اور خواب و خیال کا کیا اعتبار۔ خواب تو جھوٹ بھی ہو سکتے ہیں۔ خیال دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ تبھی وہ بھی اپنے دل کو بار بار ڈپٹ کر تاویلیں دے رہی تھی۔ ایسی کوئی بات نہیں" کچھ خاص" نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی۔ وہ غیر ہے۔

غیر مذہب ہے' غیر قوم ہے' الگ ذات ہے' الگ ملک کا ہے' الگ ماحول کا ہے' غرض ہر طرح سے غیر اور اجنبی۔

"کیا واقعی؟"

دل سے یکدم صدا ابھری اور وہ ششدر رہ گئی۔

شادی والے دن اس کا جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا' مگر بواجی کے ٹوکنے پر مجبوراً وہ تیار ہو گئی۔ جانا بواجی کو بھی تھا' مگر پھر بابوجی کے خیال سے وہ گھر پر ہی ٹھہر گئیں کہ جانے شادی والے گھر میں کتنا وقت صرف ہو جاتا۔ وہ بہت ڈرتی ڈرتی نکل آئی۔

سچ تو یہ ہے کہ بندہ خوفزدہ تب ہی ہوتا ہے۔ جب اپنے دل میں بھی کوئی چور ہو' یا پھر فطری خوف بھی ہوتا ہے' اور جس ماحول میں پلی بڑھی تھی اس کا اثر بھی اس پر خاصا تھا۔ ایک وقت ہوتا ہے۔ ایک لمحہ ہوتا ہے' جب سب کچھ لٹ جاتا ہے۔ لٹنے اور لوٹنے والا کبھی کبھار دونوں ہی بے قصور' بے خبر ہوتے ہیں۔ کبھی دانستہ تیر چلایا جاتا ہے وار جاتا ہے' اور کبھی نادانستگی میں سب کچھ ہو جاتا ہے۔

وہ جو خود میں سمٹی سمٹائی رہنے والی' اور خود کو خود سے بھی چھپا کر رکھنے کی عادی تھی' یقیناً بہت کچھ گنوا بیٹھی تھی' ورنہ دل رہ رہ کر اسے یوں ستا نہ رہا ہوتا۔ اس کا خیال یوں آ آ کر شب

بیدار نہ کر رہا ہوتا۔

ماہا کے گھر آ کر وہ اس کے ساتھ ہی چپکی رہی تھی' مسلسل۔ پہلے کمرے میں' پھر کچن میں' نوکر کو ضروری ہدایتیں دیتے ہوئے اور پھر جب بارات آ گئی۔ تب وہ اس کے سواگت کو باہر چلی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بھی ساتھ چلے' مگر اس نے سہولت سے منع کر دیا' اور ماہا کی بھابی کے پاس ہی ٹک گئی' جو کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں بچوں کو تیار کر رہی تھیں۔

"تم نہیں گئیں باہر۔ لڑکیاں تو تمام باہر ہی ہیں؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ..... میری سینڈل دراصل مجھے بہت تنگ کر رہی ہے۔" اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا۔ اب یہ خدا کا شکر تھا کہ انہوں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا' اور دوبارہ اپنے بچوں کے ساتھ مصروف ہو گئی تھیں' تب وہ سر جھکا کر ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچنے لگی تھی۔ ابھی زیادہ لمحے نہیں گزرے تھے کہ اچانک وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس پر نگاہ پڑی تو آنکھوں میں روشنی سی بھر گئی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی انداز میں اضطرابی اور الجھن کے سے آثار تھے۔

"باقی تمام لوگ تو باہر ہیں آپ تنہا یہاں بیٹھی کیا کوئی" چلہ" کر رہی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا' اور تبھی پوجا نے گھبرا کر سر اٹھایا' اور ساکت رہ گئی۔ بھابی جانے کب کی وہاں سے اٹھ کر جا چکی تھیں' اور اب وہ وہاں بالکل تنہا تھی۔ اس طرح تنہا چھپ کر بیٹھنا' پوزیشن اچانک ہی آ کوردز سی لگی۔ اندر کا چھپا چور جیسے یکدم ہی ظاہر ہونے لگا۔ اس کی نظریں اس کے بھاری جوتوں پر تھی۔ (یہ میری ٹوہ میں کیوں لگا رہتا ہے۔ آخر میرا اتنا خیال کیوں ہے اسے؟) اس نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھائی۔ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً نظریں دوبارہ جھکا گئی۔

"اتنی خوفزدہ اور سہمی سہمی سی کیوں رہتی ہیں آپ؟"

جواب میں کیا کہتی' سوچ ہی رہی۔

"آپ کو دیکھ کر مجھے بچپن کی پڑھی وہ کہانی یاد آتی ہے۔ جس میں سبکتگین نامی بادشاہ جنگل میں شکار کو جاتا ہے' اور اس کا شکار ہونے والی ہرنی اسے دیکھ کر خوفزدہ سی ہو جاتی ہے۔ مجھے آپ ویسی ہی کوئی خوفزدہ ہرنی لگتی ہیں۔"

پوجا کے ہاتھ پاؤں جیسے سرد ہونے لگے۔ اسے اپنا وجود بے جان سا ہوتا محسوس ہو رہا

تھا۔ وہ یوں تنہا' ایک شخص کے ساتھ۔ ایک انجان مسلم شخص کے روبرو' محوِ گفتگو۔ اگر کوئی دیکھ لیتا' تو جیسے اس کی چھوٹی سی دنیا میں قیامت ہی تو آجاتی۔ وہ اسے سنے بنا اس کی جانب دیکھے اٹھی تھی' اور پھر فوراً ہی باہر نکل گئی تھی۔ ستون سے لگ کر کتنے ہی لمحے وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔ پھر ماہا کی تلاش میں بڑھ گئی تھی۔ بعض اوقات جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں۔

جس خطرے کو بھانپتے ہیں۔ اس کے سد باب کے طور پر بہت سے اقدامات بھی کر لیتے ہیں' مگر کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سب دیواریں ڈھیر ہوجاتی ہیں' آنے والا لمحہ اتنا مضبوط اور توانا ہوتا ہے کہ سب بند کھوکھلے سے ہو کر رہ جاتے ہیں' اور ہم لاکھ بچتے ہیں' لیکن ہوتا وہی ہے جو کہ ہونا ہوتا ہے۔ تبھی جب وہ واپس آرہی تھی تو وہ بھی کسی کوہکن کی طرح تمام رکاوٹوں کو توڑتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

اور اس کے دل میں یہاں سے لے کر وہاں تک اچانک ہی جیسے ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا' اور اس لمحے وہ کچھ بولی نہیں' بس اِردگرد نگاہ ڈال کر خوفزدہ سے انداز میں جیسے اسے کچھ کہنے سے باز رکھنا چاہا تھا' اور تبھی وہ بھی جیسے کچھ کہنے کے پروگرام کو ملتوی کرتے ہوئے ایک کاغذ کا پرزہ اس کے ہاتھ میں تھما کر تیزی سے واپس مڑ گیا تھا' اور وہ بھی اس لمحے جہاں حیران ہوئی تھی' وہیں ساکت بھی رہ گئی تھی۔

اُف۔ جس خطرے سے بچنے کے لئے اتنے اقدامات کیے تھے' آخر کار وہ خطرہ ظاہر ہوگیا۔

وہ مٹھی میں بند پرزے کو بھینچ کر یکدم ہی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی' گھر آکر وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ رات بہت ہو چکی تھی۔ بابو جی تو سو چکے تھے' البتہ بوا اب بھی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ وہ یقیناً اس وقت سونا چاہ رہی تھیں' تبھی اس کے پیچھے نہیں آئیں' اور یہ لمحے اس کے لئے غنیمت ہوگئے۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ بوا جی سوگئی ہیں' تب اس نے دھیرے سے دروازہ بند کیا۔ دروازے کے ساتھ لگ کر چند گہرے سانس لیے۔ دل ابھی تک جیسے اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا' پھر وہ وہیں نیچے بیٹھ گئی۔ بہت ڈرتے ڈرتے آہستہ سے مٹھی کھولی۔ ایک خوشبودار سا کاغذ اس کی ہتھیلی پر جیسے دل بن کر دھڑک رہا تھا۔ کچھ کہنے والے کا بے قرار دل۔ جذبوں سے معمور' احساس سے منور دل۔

پوری ہتھیلی جیسے سلگتی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے اس نے ہتھیلی میں اب تک کاغذ نہیں آگ دبا رکھی ہو۔

اس نے اس کاغذ کو دھیرے سے ہاتھ میں لیا' اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ آہستہ آہستہ کھول دیا۔ جگمگاتی ہوئی' موتیوں سی اردو ہینڈ رائٹنگ اس کے روبرو تھی۔

اک بات جو تم سے کہنی ہے
اک بات جو تم سے سننی ہے
وہ بات' کوئی عام بات نہیں
وہ لفظ بھی ہرگز عام نہیں
جذبے دل میں دبے ہیں اور
لب سے کہنا آسان نہیں
وہ بات' کوئی عام بات نہیں
وہ لفظ بھی ہرگز عام نہیں
بات اک عمر کی ہے جو تمہیں
اک پل میں ہمیں بتانی ہے
فقط ایک

"دھک' دھک' دھک' دھک!" اس نے اپنی آنکھیں میچ کر سر دروازے کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے اندر ایک حشر سا برپا ہو چکا تھا' جیسے اندر باہر کتنا سمجھدار ہے وہ۔

زمین منتخب کی بھی تھی اپنے لیے تو وہ جو کسی طرح "زرخیز" تھی۔ پانی کی فقط ایک بوند کی منتظر اور پھر سبزہ ہی سبزہ۔ ہاں وہ اس زمین کی ہی مانند تو تھی جو اب تک زرخیز تو تھی' مگر کوئی بادل اس پر نہ برسا تھا' اور اگر کبھی کوئی بادل برس جاتا تو یقیناً سبزہ ہی سبزہ ہوجاتا کہ زرخیزی کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بونے والا۔ فقط چند بیج بے دلی سے بھی پھینک دے تو رائیگاں نہیں جاتے۔

اس حقیقت سے شاید وہ بھی واقف تھا۔ لفظوں کا انداز۔ نظر ہر ہر طرح سے وہ مقابل پر وار کرنا جانتا تھا' اور اس کا کوئی وار بھی خطا نہیں گیا تھا۔

اوّل تا آخر۔ ہر وار کا اپنا ایک انداز تھا۔ اثر تھا۔ پوجا کے اندر جیسے ایک طوفان بالا خیز

سا موج زدہ تھا۔ ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا' لہریں شوریدہ سی ہو رہی تھیں۔ وہ اب دل کے بے حد قریب محسوس ہو رہا تھا۔ بے حد قریب۔ دھڑکنوں میں دھڑکتا ہوا۔

اور تب وہ جیسے سب کچھ فراموش کر گئی تھی۔ ہر دیوار ڈھا گئی تھی۔ مذہب کی' فرقے کی' قوم کی' ملک کی' سرحد کی۔ محبت حدوں کی محتاج نہیں ہوتی اور جو ہوتی ہے' وہ محبت نہیں ہوتی۔ محبت تو بس اپنا آپ دیکھتی ہے' اپنی تسکین کے لئے سارے خیال' ساری حقیقتیں پس پشت ڈال دیتی ہے یہی محبت ہے۔

اور وہ بھی بلا تامل اس کا اظہار کر گئی تھی۔

بنا بابو جی کی پروا کیے۔

اس کے لب ہل رہے تھے۔ سرگوشی کر رہے تھے۔ اس کاغذ پر بکھرے لفظوں کو جیسے زندگی بخش رہے تھے۔

''ہم ہار گئے۔ تم جیت گئے۔ ہاں اقرار ہے۔ ہمیں اقرار ہے' پیار ہے' ہمیں پیار ہے۔''

اور تب وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ کسی معصوم سی بچی کی طرح۔ جسے پہلے کھلونے دے کر بہلایا جائے' اور پھر دوبارہ کھلونے لے لئے جائیں' یا چھین لیے جائیں اس کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی۔ اگرچہ اس سے اسے کوئی چھین نہیں رہا تھا' فی الحال مگر وہ مکمل اس کا کب تھا۔

یہ حقیقت بھی تو اپنی جگہ مسلم تھی۔

ضروری نہیں کہ جو شعلے اٹھیں' انہیں ہوا بھی دی جائے' کسی آگ کو دبانا بھی پڑتا ہے' اور اس کوشش میں چاہے اپنا آپ جل جائے۔ مٹ جائے کب پروا ہوتی ہے' وہ خود سے اقرار تو کر گئی تھی نادانستگی میں' مگر وہ ان جذبوں کو اس پر آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پا کر کھونے کی اذیت اور تکلیف بہت جان لیوا ہوتی ہے' اور وہ اس تکلیف سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔ جذبات کی رو میں بہک کر بندہ کچھ عرصے کے لیے خود سے اور زمانے سے غافل ہو سکتا ہے' لیکن کبھی نہ کبھی تو حقیقت میں آ کر خود پر نظر آنے کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ اس دنیا کا سامنا کرنا پڑتا ہی ہے۔ ہم سدا خوابوں میں زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری بدقسمتی سہی' لیکن ہے تو حقیقت۔

اور اس نے بھی وقتی جذبات کی رو میں بہہ کر خود سے اقرار تو کر لیا تھا' مگر یہ حقیقت بھی اس پر منکشف تھی کہ سماج والے اسے کبھی بھی اس کا نہ ہونے دیتے۔ خواب حسین و دلفریب سہی' مگر تلخ حقیقت کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا' کہ دونوں کے درمیان مذہب' ملک اور معاشرے کی دیوار حائل تھی۔ سو اس نے بھی خود پر بند باندھ لیے تھے۔ اگرچہ یہ بہت دشوار تھا' مگر اس نے طے کر لیا تھا' کہ اب وہ کبھی اس کا سامنا نہیں کرے گی۔ نہ ہی ماہا کے گھر جائے گی۔

مگر اسی شام اچانک ہی اسے یاد آیا کہ صبح ٹیسٹ ہے' اور اسے ماہا سے ضروری نوٹس درکار تھے۔ تب وہ بوا جی کو بتا کر جلدی سے نکل آئی۔

دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لیا' کوئی تو ڈھال چاہیے تھی نا' ارادہ تھا کہ بس دروازے سے ہی لے کر واپس لوٹ آئے گی' مگر ماہا زبردستی اندر کھینچ کر لے گئی۔

''بدتمیز۔ کہاں غائب ہو گئی تھیں' اس روز کے بعد سے نظر ہی نہیں آئیں۔'' ماہا اسے

دیکھتے ہی بگڑ کر بولی۔

"بوا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" اس نے یونہی بہانہ گھڑا۔

کچھ فاصلے پر وہ ماہا کے بہن بھائیوں اور کزنز کے ساتھ بیٹھا کیرم کھیل رہا تھا۔ اگرچہ مصروف تھا' لیکن توجہ اس پر بھی تھی' اور پوجا اس سچویشن پر خاصی پریشان ہو رہی تھی۔

"مجھے آئی۔ آر کے نوٹس دے دو۔ صبح ٹیسٹ ہے۔" وہ لبوں پر زبان پھیر کر جلدی سے بولی۔

"ماہا لوگوں سے کہہ دو' آئی۔ آر پڑھنے یا رٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک بندے کی پی آر اچھی نہ ہو۔" وہ وہیں سے بنا اس کی جانب دیکھے باآواز بلند بولا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا تھا' اور وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا گئی تھی' اور وہ مزید کہہ رہا تھا۔

"ان سے کہو پہلے پی۔ آر اچھی بنائیں پھر آئی۔ آر پڑھیں۔"

"اُف توبہ ہے اعیان بھائی۔ آپ تو بالکل زچ کر کے رکھ دیتے ہیں بندے کو۔" ماہا سے چھوٹی صبا نے اس کا مکمل دفاع کیا۔

"یہ تم دفاعی مورچہ کس خوشی میں بنا رہی ہو' کیا محترمہ کے منہ میں زبان نہیں؟" اس کے ماتھے پر نمی کے کئی قطرے آن ٹھہرے' سب مسکرا رہے' ہنس رہے تھے۔ موضوع گفتگو وہ تھی' اور موضوع گفتگو بنانے والا' دل کا حکمران تھا' مگر اس گھڑی کیسا بیگانہ اور پرایا لگ رہا تھا۔

"بس اعیان' اب آپ کچھ نہیں کہیں گے۔ پوجا بہت بھولی ہے۔ خبردار جو آپ نے اسے مزید کچھ کہا۔" آخر کار ماہا نے بھی اس کا دفاع کیا۔ وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"بھولی صورت۔ والے کبھی کبھی متضاد شخصیت کے مالک ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں صورتوں پر نہیں جانا چاہیے۔ خصوصاً بھولی سی صورت پر۔" وہ ایک نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ کھیل میں مصروف ہو گیا۔ اس کا جی چاہا اٹھے اور فوراً یہاں سے بھاگتی ہوئی باہر نکل جائے' مگر جانے کیوں وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی' اور ماہا اٹھ کھڑی ہوئی یہ کہہ کر وہ اسے نوٹس لا کر دیتی ہے۔

وہ اپنے قدموں پر نگاہ لگائے بیٹھی رہی جب تک کہ ماہا نہ آ گئی۔

"سوری ذرا دیر ہو گئی' دراصل مل ہی نہیں رہے تھے۔ شادی والے گھر میں تو بندہ بھی ایک جگہ رکھ دو تو وہ بھی گم ہو جائے۔ یہ تو پھر نوٹس۔"

"ماہا پتا کر لو اچھی طرح شاید کوئی بندہ بھی کھو نہ گیا ہو کہیں۔" اعیان کے ساتھ بیٹھا فرحان جو کہ اس کی تمام حرکتوں کو برابر نوٹ کر رہا تھا' مسکرا کر بولا تو وہ بڑے جاندار طریقے سے ہنس پڑا۔

ماہا نے انہیں ایک تیز نظر سے دیکھا' پھر اسے لے کر کمرے میں چلی گئی۔

"مجھے ذرا یہ سمجھا دو۔ دراصل جس روز یہ لیکچر ہوا تھا' میں اس روز گئی نہیں تھی۔" وہ اندر کی تمام کیفیات قابو پاتی ہوئی بولی' اور تب ماہا تفصیلاً لیکچر سمجھانے لگی۔ اس کا ذہن اگرچہ مکمل حاضر نہیں تھا' لیکن وہ پوری توجہ کے ساتھ سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی' اور اسی اثنا میں شام گہری ہو گئی۔ اس نے جب اچانک کھڑکی سے باہر نگاہ کی تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بابو جی آ چکے ہوں۔" وہ دوپٹہ سر پر جما کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہال کمرے میں وہ لوگ اب تک محفل جمائے بیٹھے تھے۔

نہ پیار کیے نہ اقرار کیے
نہ روٹھے نہ تکرار کیے
نہ بولے نہ اظہار کیے
یہ ملنا بھی کوئی ملنا ہے
کہ آئے اور چل دیے

سب مل کر بیٹھے گا رہے تھے۔ کئی آوازیں تعاقب میں تھیں' مگر ایک آواز بہت بلند تھی۔ ان میں مگر اس نے قدموں کو روکا نہیں تھا۔ تیزی کے ساتھ دہلیز پار کر آئی تھی۔

✦ ◈ ✖

"یہ کیا چکر ہے یار؟" فرحان اس کے سامنے بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

"کون سا؟"

"وہی جو میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اب مکر مت جانا' کہ نظریں ہم بھی رکھتے ہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر باور کرانے والے انداز میں بولا تو اعیان عمر شیخ مسکرا دیا۔

"سب کچھ جانتے ہو تو پھر پوچھ کیوں رہے ہو؟"

''پوچھ اس لیے رہا ہوں کہ آپ کے والدین نے ماہا بیگم کے لیے آپ کو یہاں بھیجا ہے' اور آپ مذہب تک کو پھلانگتے نظر آ رہے ہیں۔ یہ ماہا بیگم کس خانے میں فٹ ہوں گی؟''

''فکر کیوں کر رہے ہو یار۔ میرے دل کے ابھی تین خانے مزید خالی پڑے ہیں۔''

اس کا انداز شریر تھا۔ فرحان اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگا۔

''کیا تمہیں ماہا پسند نہیں آئی؟''

''میں نے ایسا کب کہا۔''

''تمہیں اس لڑکی سے محبت ہے؟''

''میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔''

''پھر؟''

''ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ویسے یار اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ سوچیں گے' سمجھیں گے' آرام سے کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔''

''مجھے تو تمہاری منطق سمجھ میں نہیں آ رہی۔ آخر آنٹی' انکل کو جا کر تم کیا جواب دو گے؟''

''اٹ از مائی ہیڈک۔ اونلی مائی ہیڈک۔ او کے۔''

''او کے مگر شادی ختم ہوئے ہفتہ بھر ہونے کو ہے۔ واپس کب چلنا ہے۔ مجھے تو اپنے وطن کی یاد شدت سے آ رہی ہے۔''

''وطن کی نہیں اس کالی بلی کو یاد کہو۔'' وہ یکدم ہنس پڑا۔

''خبردار جو اسے کالی بلی کہا' تمہاری ہونے والی بھابی ہے وہ' اور فرح نام ہے اس کا۔''

فرحان نے اسے کشن مارتے ہوئے تنبیہ کی۔ وہ شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ فرحان نے اپنے اونچے لمبے۔ پُروجیہہ پرسنالٹی کے حامل کزن اور دوست کو دیکھا' پھر مسکرا دیا۔

''ویسے لڑکی اچھی ہے واقعی۔ کیا نام ہے اس کا؟''

''کس کا؟'' وہ یکسر انجان بن گیا۔

''اس سانولی شام کا؟'' فرحان نے شرارت کی۔

''خبردار' پوجا نام ہے اس کا۔ سانولی شام۔ ویسے یہ نام بھی برا نہیں' لیکن اسے تمام خطابات و القابات سے نوازنے کا حق فقط مجھے ہے۔''

''تمہاری میراث کب سے بن گئی وہ؟'' وہ شوخی سے مسکرایا۔

''جب سے نظروں کے رستے دل میں گھسی ہے۔'' اعیان عمر شیخ نے بھی برجستہ جواب دیا تھا۔

''ویسے کیا تم اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ اس طرح فقط ٹائم پاس کر کے غلطی نہیں کر رہے؟'' فرحان کو اس بھولی سی صورت والی لڑکی پر اچانک ہی ترس سا آ گیا۔

''تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں اس کے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہوں؟'' وہ خود پر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔

''گویا سیریس ہو۔ اس معاملے میں؟''

''میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔'' وہ بولا تو فرحان نے اسے کشن کھینچ مارا' اور تب وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

✦ ◈ ✦

وہ ابھی کلاس لے کر باہر نکلی تھی' اور آ کر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی ہی تھی' کہ اچانک دو بھاری قدم چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا' اور نگاہ جیسے ساکت رہ گئی۔ وہ ایک اٹل حقیقت کی مانند اس کے روبرو تھا۔

''آپ؟ لیکن ماہا تو آج نہیں آئی۔''

''ماہا کو ملنے کے لیے مجھے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی' اسے تو میں گھر میں بھی سیکڑوں بار بلا تامل مل سکتا ہوں۔'' اس کا جواب اتنا مفصل تھا کہ پوجا کے لب جامد ہو گئے۔ وہ مزید کچھ آگے کہہ ہی نہ سکی۔ وہ اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔ پوجا کی جان جیسے فنا ہونے لگی۔ اردگرد کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالی۔ اسے ایسا لگا' جیسے ہر کوئی اسی کی طرف متوجہ ہو۔

اعیان عمر شیخ شاید اس کی کیفیت بھانپ گیا تھا' تبھی مضبوط لہجے میں بولا۔

''دنیا کی پروا مت کرو۔ کیونکہ دنیا ہماری کبھی پروا نہیں کرتی۔''

''لیکن پروا کرنی پڑتی ہے۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ تو وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''خوشی ہوئی جان کر کہ آپ بھی منہ میں زبان رکھتی ہیں۔'' اور تب جانے کیوں وہ سختی کے ساتھ ہونٹ بھینچ کر ساتھ ہی سر جھکا گئی۔

"پوجا۔" اس نے پکارا۔

"ہوں۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"میں نے تمہیں اپنے دل کی بات بتا دی۔ کیا تم مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتاؤ گی' اپنی مرضی سے آگاہ نہیں کرو گی؟"

اف۔ دل میں لاکھ طوفان سہی' لیکن کہنے کا یارا کسی میں ہے۔

"مم..... میری کلاس..... ہے۔" وہ یکدم اٹھنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔ تمہاری کلاس ابھی ختم ہوئی ہے' اور دوسری کلاس شروع ہونے میں ابھی بہت وقت ہے۔" وہ مضبوط انداز میں بولا' تو وہ اسے ایک نظر دیکھ کر سر جھکا گئی۔

"کیا..... کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

"اپنا مدعا بیان کر تو چکا ہوں۔ کیا تم دوبارہ میری زبان سے سننے کی آرزومند ہو؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"میرے..... میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔" اس کا انداز معصوم اور بھولا تھا' شکست آمیز۔ ہتھیار ڈالنے والا اور تب جانے کیوں اعیان عرشیخ کو اس پر ترس آ گیا' نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں' پھر دھیرے سے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھ پر یقین کرتی ہو؟" پوجا کو جیسے بجلی کا کرنٹ چھو گیا۔ ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا' مگر وہ اس کی جانب قطعی متوجہ نہ تھا۔ ہاتھ پر بنا مہندی کا ڈیزائن جو کہ اس نے ماہا کی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے بنوایا تھا' کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو میں ٹھیک سے جانتی تک نہیں' آپ اعتبار و یقین کی بات کر رہے ہیں؟" وہ اتنے یقین و مضبوط اعتماد بھرے لہجے میں بولی کہ وہ اسے یکدم دیکھنے لگا۔

"یعنی کہ اگر تم مجھے جاننے لگو تو مجھ پر یقین کر لو گی؟" وہ مسکرا کر بولا۔ مگر وہ ایک کتاب کھول کر یونہی ورق گردانی کرنے لگی۔

"پوجا! میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ جواب دو مجھے۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر سکتی۔"

"کیوں ڈرتی ہو مجھ سے؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"آپ..... آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

وہ زچ ہو کر بولی۔ اعیان خاموش ہو گیا اور اس کی نوٹ بک اٹھا کر یونہی صفحے الٹنے لگا۔ اچانک ایک جگہ اس کی نگاہیں منجمد ہو گئیں۔ ورق پر جگہ جگہ' جابجا اس کا نام لکھا گیا تھا اور پھر مٹایا گیا تھا۔

لکھ کے کاغذ پہ میرا نام مٹاتے کیوں ہو
ہم سے اقرار کرو پیار چھپاتے کیوں ہو

پوجا سر اٹھا کر یکدم اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے کھلی ہوئی نوٹ بک اس کی آنکھوں کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کر دی۔

"یہ لفظ تمہارے اقرار کا ثبوت ہیں۔ گواہ ہیں میری محبت کے۔" اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

پوجا کی وہ کیفیت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے بمشکل خود پر کنٹرول کرتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا' مگر جواب کوئی نہ تھا' گویا اس کے اپنے فراہم کیے گئے ثبوت نے اسے لاجواب کر دیا۔ اس کی قوت گویائی سلب کر دی تھی۔ وہ بمشکل اس سے نظریں چرا کر گھاس پر دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ نوٹ بک ایک طرف رکھتے ہوئے دھیمے انداز میں بولا تھا۔

"بھولی لڑکی اگر میں کہوں کہ یہ حقیقت میں پہلے ہی سے جان چکا تھا تو؟"

"کیسے؟" وہ بلا ارادہ بول گئی' پھر احساس ہوا تو فوراً ہونٹ دبا کر سر جھکا گئی۔ تبھی وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"تمہاری ان آنکھوں سے' میں چہرہ شناس نہیں' مگر تمہارا چہرہ ایک ایسی دلچسپ اور دلکش کتاب ہے کہ بے ساختہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔" وہ معصومیت سے بولا تو وہ دھیرے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ جیسے کوئی بچہ اپنی چوری پکڑے جانے پر شرمندہ اور نادم ہوتا ہے۔ بالکل اس گھڑی وہ بھی سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"تم خوفزدہ کیوں ہو؟" وہ اس کی کیفیت بھانپ کر بولا تھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔"

"مگر کس سے ڈرتی ہو تم؟"

"بابو جی سے' خود سے اور اس ساری دنیا سے۔"

"کیوں محبت کوئی گناہ تو نہیں پھر؟"

"یہ سب کتابی باتیں ہیں۔ حقیقت بہت تلخ اور کڑوی ہے۔" اس نے حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ وہ متاثر کن انداز میں اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"حقیقت کو مارو گولی۔ دل کی بات مانو۔"

"دل تو پاگل ہے' دل دیوانہ ہے۔ میں دماغ سے فیصلے کرنے کی عادی ہوں۔"

"خوب۔" اس نے جیسے اس کی حاضر جوابی کو سراہا۔ "لیکن دماغ کے فیصلے بڑے حاکمانہ ہوتے ہیں۔"

"دل بھی تو جذباتی حکم صادر کرتا ہے۔"

"دماغ کی مان کر سدا پچھتاتا رہتا ہے۔"

"مگر حاکم تو پھر بھی دل ہی ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"گویا تم دماغ کے فیصلے کو ترجیح دو گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھنے لگا اور گویا پوجا کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبا ڈالا۔ خاموش ہو کر بے بسی سے ہونٹ کچلنے لگی اور تب وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ آہستہ سے شہادت کی انگلی سے اس کا چہرہ اٹھایا' اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "کیا اب بھی دماغ کی ہی مانو گی؟" اور اس ایک جملے میں کیا' کیا کچھ باور نہ کروا گیا تھا وہ۔

پوجا کی نگاہ اس کی نگاہوں سے لمحہ بھر کو ٹکرائی اور ساکت رہ گئی۔ وہ ساحر آنکھوں میں ہزار ہا جگنو سمیٹے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہار سے کیوں خوفزدہ ہو؟"

"ہار سے نہیں دنیا سے خوفزدہ ہوں۔" وہ سر جھکا کر سچ بولی۔ "میرے اور آپ کے درمیان مذہب کی دیوار کھڑی ہے۔"

"کیا میری مضبوطی پر تمہیں یقین نہیں؟"

"کیا' آپ مجھے اس دنیا سے بچا سکیں گے؟" اس نے الٹا سوال کر دیا۔

"اگر میں کہوں ہاں تو؟"

"اگر مگر کی بات چھوڑیے۔ حتمی بات کیجیے۔" اور وہ اس کی بہادری اور ذہانت پر جیسے لاجواب ہو کر رہ گیا۔

"تم جتنی معصوم نظر آتی ہو' اتنی واقعی ہو نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"یہ میری بات کا جواب نہیں۔" وہ اتنے ہی مضبوط انداز میں بولی۔

"اتنی سی عمر میں اتنی پریکٹیکل قسم کی سوچ؟"

"اگرچہ میری عمر خوابوں کے جزیروں پر قیام کی ہے' مگر میں خوابوں میں رہنے کے بجائے حقیقت میں رہنے کی قائل ہوں' اگر آپ مجھے سبز باغ دکھا کر فقط وقت گزارنا چاہ رہے ہیں' تو یقیناً آپ غلط جگہ پر وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

اتنی سی عمر اور اتنی گہری اور مضبوط سوچ۔ وہ محو حیرت اسے دیکھے گیا۔ شکل و صورت سے معصوم سی بھولی سی نظر آنے والی' کانچ کے پیکر والی لڑکی کی سوچ کس قدر مضبوط تھی۔ یقیناً وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی' اور یہ بات وہ اس کی گفتگو سے جان گیا تھا۔ گفتگو واقعی انسان کا آئینہ ہوتی ہے۔ اسے بھی اس کی حقیقت پسندی پر حیرت بھی ہو رہی تھی' اور وہ اس کی ذہانت و عقل و فراست سے متاثر بھی ہوا تھا۔ بہر حال اسے ساتھ ہی افسوس بھی ہوا تھا' کہ اس نے اسے ایک عام شخص جانا۔

"افسوس کہ تم نے مجھے بہت سطحی انداز کا انسان سمجھا۔ بہر حال تمہاری سوچ حقیقت پر مبنی ہے۔ آج کل واقعی کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند آیا۔" وہ دلکشی سے مسکرایا' تو وہ سر جھکا گئی۔ تبھی اس کی نگاہ رسٹ واچ پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سوری میری کلاس کا وقت ہو گیا ہے۔" وہ اٹھنے لگی تھی' جب اس نے اس کی کلائی تھام لی۔

"کیا یقین چاہتی ہو تم؟"

"یقین محکم۔" وہ کتابیں سمیٹنے لگی۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟" وہ اس کا ہاتھ یونہی تھامے تھامے بولا اور وہ جیسے اس لمحے ساکت سی رہ گئی۔

اردگرد جیسے لاتعداد روشنیاں بکھر گئیں' پھواری برسنے لگی' نغمگی گونجنے لگی' بہاریں رقص کرنے لگیں۔

اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہ آیا۔ تبھی بے یقینی سے اسے تکتی چلی گئی۔

"کیا؟"

"شادی کرو گی مجھ سے؟" اس نے مسکراتے ہوئے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنا سوال پھر دہرایا' اور تب یکدم ہی اس کی نگاہیں حیا سے بھر گئیں۔ لانبی پلکیں لرزیں اور آخر کار جھک گئیں۔ اس نے اس ہاتھ سے اپنی کلائی کھینچی اور ہوش میں آتی ہوئی بولی۔

"میں ہندو ہوں۔"

"میں مسلمان کر لوں گا۔" اعیان عمر شیخ اس کے سبز آنچل کو پکڑتے ہوئے بولا' تو وہ ایک دم چونک پڑی اور بڑی ہی عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے سوچنے دو۔ اتنا بڑا فیصلہ اچانک نہیں ہو سکتا۔ میں اپنا دھرم چھوڑ سکوں گی یا نہیں' فی الحال ارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" پوجا لڑکھڑاتی زبان سے بولی۔

"رہ لگا چکا ہوں کہ اسلام کی طرف تمہارا رجحان بہت زیادہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میرے حق میں فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی۔" اس نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ مجھے موقع دو کہ تمہارے حق میں فیصلہ کر سکوں۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"ایک اور بات' بلکہ دلیل۔ کہہ دوں؟"

"کہو؟"

"میں جانتا ہوں کہ اب تم کسی اور سے شادی نہیں کر سکو گی' خواہ وہ تمہارے دھرم کا ہی ہو' لہٰذا تم اسلام قبول کر لو۔"

پوجا کو اسے اس کے لفظوں پر ایمان لانا ہی پڑا تھا۔ مگر وہ تنہا یہ سب کیسے کر سکے گی۔

بابو جی کو راضی کرنا ممکن نہیں تھا' اور ان کی مرضی معلوم کرنا یا اجازت طلب کرنا تو دور کی

بات اس کی زبان تو یہ راز کھولنے کی سکت بھی نہ رکھتی تھی۔

کیا وہ بابو جی کے بغیر' ان کی مرضی کے بغیر یہ انتہائی قدم اٹھا سکتی تھی؟

"یقیناً نہیں۔"

مگر انہیں آگاہ کرنا بھی تو ایک قیامت تھا۔

"وہ کٹر ہندو ہیں۔"

کیسے ایک غیر مذہب شخص کو اپنی بیٹی کے لئے قبول کر سکتے تھے۔ وہ یقیناً یہ سن کر ہی شاید پوجا کو جان سے مار ڈالتے۔

پھر؟

وہ بوا جی کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ ان دنوں یاترا پر چلی گئی تھیں۔

پھر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ کیا کرے؟

دل جہاں یکدم خوشی سے بھرا تھا' وہیں اب نئے حالات کے باعث کچھ الجھ بھی گیا تھا' ایک طرف خاندان تھا' باپ تھا' پھوپھی تھی' مذہب تھا' اور دوسری طرف دل تھا' محبت تھی' پیار تھا' جذبے تھے' ایک مضبوط ہمسفر تھا۔ جس نے اس کی ذمے داری لی تھی۔ جس نے اس کی ڈھال بننے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ جو پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

اب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"دل رکھتی تھی تو رشتے نہ رہتے تھے' اور اگر رشتے رکھتی تھی' تو محبت سے ہاتھ دھو بیٹھتی تھی' اس کی سمجھ میں فی الحال کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کرنے والی تھی۔

بہر حال اس نے خود کو تقدیر کے حوالے ضرور کر دیا تھا۔

✦ ◈ ✖

کبھی کبھی بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اندر تک خوشی بھر دیتی ہیں۔

اور کبھی بڑی سے بڑی خوشی بھی مطمئن کر نہیں پاتی۔

کبھی پت جھڑ میں بھی بہار کا سا عالم ہوتا ہے' اور کبھی بھری بہار خزاں کی صورت!

سچ کہا ہے کسی نے کہ سارے موسم "اندر" کے ہوتے ہیں۔

اور جیسا "اندر" ہوتا ہے' ویسے ہی رنگ سارے موسم اختیار کر جاتے ہیں۔

تازہ محبتوں کا نشہ تھا کہ اولین جذبوں کا خمار!

اس کے لہجے کی ہر بات دل تک میں سرایت کر جاتی۔

وہ ان دنوں بے حد سرشار تھی۔ بے حد خوش تھی مگر کہتے ہیں نا کہ اچھے دنوں کی مدت کم ہوتی ہے' اور اگرچہ اس بات سے واقف تھی' مگر پُر امید بھی تھی تبھی جب اس دن وہ ملا تو وہ اس کا سنجیدہ انداز محسوس کر کے بھی کچھ نہیں بولی' وہ ماہا کی موجودگی میں کبھی بھی اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔ پہلی دو چار ملاقاتیں کالج میں ہوئیں' اور ان دنوں ماہا نہیں آ رہی تھی' پھر وہ لوگ پارک میں ملنے لگے اگرچہ یہ ایک بولڈ اسٹیپ تھا کہ اگر کوئی دیکھ لیتا تو یقیناً پوجا کے حق میں بہت برا ہوتا' مگر کہتے ہیں نا کہ عشق' انسان کو بہادر اور نڈر بنا ڈالتا ہے۔ سو وہ بھی کچھ کچھ بہادر ہوتی جا رہی تھی' اب بھی وہ پارک کے ایک ایسے گوشے میں تھے' جہاں آمد و رفت نہیں تھی' وہ اس کے سامنے خاموش سا بیٹھا تھا۔

وہ اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی تبھی وہ یکدم بول پڑا۔

''پوجا میں جا رہا ہوں۔''

''کیا؟''

''ہوں' بہت کم وقت ہے میرے پاس۔''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ مجھ سے شادی۔'' اس کا لہجہ یکدم دم توڑ گیا اور تب وہ بغور اس کی سمت دیکھنے لگا۔

''ایک تو تم عورتیں جانے کیوں بہت جلد کوئی بات اخذ کر جانے کی عادی ہوتی ہو' مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ کیا تمہیں جب کہا ہے تو فقط فریب تو نہیں دیا' میرے جذبوں کی صداقت پر یقین نہ کر کے تم مجھے میری نظروں میں بے توقیر کر رہی ہو!'' وہ بے حد خفا نظر آ رہا تھا۔

''میرا۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' وہ یکدم بول پڑی۔

''بہر حال! یہی بات میں تم سے کرنا چاہ رہا تھا۔ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں آج اور ابھی میرا دوست اور کزن فرحان ایک قریبی ہوٹل میں گواہوں اور قاضی کے ساتھ ہمارے منتظر ہیں۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں' دونوں کام اسی وقت ہوں گے' تم پہلے اسلام قبول کرو گی' بعد میں میں فوراً نکاح پڑھواؤں گا۔''

بات اتنی غیر متوقع اور اچانک تھی' کہ وہ کتنے ہی لمحے بت بنی اسے تکتی رہی۔ آنکھوں

میں حیرت بے حد واضح تھی' تبھی اعیان اسے دیکھنے لگا۔

''سوچنے کا مرحلہ گزر چکا ہے پوجا!''

''مگر میرے بابو جی ..... بوا جی!'' بہت گھٹی گھٹی سی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

''میں نے بھی یہ فیصلہ تنہا کیا ہے' پوجا زندگی ہمیں بسر کرنی ہے' ہماری زندگی ہے' یہ اور اسے جینے کا حق بھی فقط ہمیں ہے۔''

''لیکن میں اتنا بڑا قدم اس قدر اچانک کس طرح اٹھاؤں اور پھر تنہا۔ میں نے تو کسی کو بھی راز میں شریک بھی نہیں کیا' کسی سے مشورہ بھی نہیں کیا' کسی کو آگاہ بھی نہیں کیا۔''

''پوجا۔ بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ اب باقاعدہ اعلان کرنے سے تو رہے ہم۔''

''ایسی بات نہیں مگر۔''

''کیا تم ایسا نہیں چاہتیں۔''

''مگر تم تو چلے جاؤ گے۔'' اس نے آنسوؤں کے درمیان کہا۔

''واپس بھی تو آؤں گا۔ تمہیں لینے۔''

''لیکن اگر تمہارے گھر والوں نے مجھے قبول نہ کیا تو؟''

''شادی تم سے میں کر رہا ہوں' میرے گھر والے نہیں۔''

''شادی ایک خاندان کا دوسرے خاندان سے سمبندھ کا نام ہے۔''

''فی الحال ایسا ممکن نہیں ہے' لیکن بعد میں ہم دونوں مل کر سب کو کنونس کر لیں گے۔''

''مگر میں کس طرح؟'' اس کا ذہن قطعی تیار نہ تھا۔

''تم اس فیصلے پر راضی ہو یا نہیں؟'' وہ جارحانہ انداز میں پوچھنے لگا' اور وہ تب خاموشی کے ساتھ سر جھکا گئی۔

ایک طرف کنواں تھا' دوسری جانب کھائی۔

''دل رکھتی تو ..... خاندانی وقار قائم نہ رہتا' اور خاندانی عزت کا پاس کرتی تو دل ہمیشہ کے لیے ساکت ہو جاتا' وجود برف کی سل بن جاتا' بے جان مردہ اور مردہ وجود کے ساتھ بھلا کوئی کیسے جی سکتا ہے۔

وہ جو اپنا آپ اتنا چھپا کر رکھنے کی قائل تھی' ہاری بھی تھی تو کہاں۔

''اس نے تو ماہا کو بھی ابھی شریک راز نہ کیا تھا' حالانکہ وہ اس کی عزیز ترین دوست تھی' مگر شاید محبت کرنے والے دل بے حد محتاط بھی ہو جایا کرتے ہیں' اپنے سائے سے بھی خوف کھاتے ہیں' خود سے خود کو چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں' اور وہ بھی باعث خوف اس راز کو کبھی افشا نہ کر سکتی تھی۔

دل سینے میں زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑا رہا تھا۔ آواز اتنی تھی کہ کان پھٹے جا رہے تھے۔ وہ زمین کے سینے پر مضبوطی کے ساتھ کھڑا چہرے پر کوئی تاثر لیے بغیر اس کی جانب تک رہا تھا' اس نے ایک لمحے کو آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ رخسار اشکوں سے متواتر بھیگ رہے تھے' اندر باہر جلن ہی جلن تھی' فیصلے کی گھڑی یقیناً بہت مشکل ہوتی ہے' کسی امتحان سے بھی زیادہ مشکل۔

اور اسے بھی لمحہ بھر میں فیصلہ کرنا تھا۔

مگر ذہن و دل میں سے کوئی بھی اپنی شکست ماننے کو تیار نہ تھا۔

اعیان عمر شیخ نے بہت اکتائے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھا' پھر جیسے وہ مایوس ہو کر واپس مڑا اور پوجا کے دل کی دھڑکنیں جیسے یکدم ساکت ہو گئیں۔ دل جیسے دھڑکنا بھول گیا' آنکھیں یکدم ہی بینائی کھونے لگیں۔ (اس کا عکس ہی تو آنکھوں کا نور تھا۔ وہ نہ رہا تو بھلا باقی کیا بچتا۔) وہ چلا جاتا تو یقیناً وہ تہی داماں رہ جاتی۔

زندگی ہمیشہ کے لئے ویران صحرا بن جاتی!

اس کے لب یکدم کھلے۔ ''اعیان!''

وہ رک گیا پلٹا نہیں' اور تب وہ جلدی سے بیگ اور کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی' زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس نے تنہا ہی کر لیا تھا۔ حالت ایسی تھی کہ چلنا محال تھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ سر چکرا رہا تھا۔

''اعیان پلیز مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔'' وہ بمشکل بولی' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا یکدم رک گیا۔

''کیا بانہوں میں اٹھا لوں۔'' اس کا انداز شریر تھا' چہرے سے فتح مندی کا احساس بے حد نمایاں انداز میں ظاہر ہو رہا تھا' آنکھیں فتح کے نشہ سے سرشار تھیں' وہ سٹپٹا کر رہ گئی' فوراً نظریں جھکا گئی' کیسے بول رہی تھیں اس کی سیاہ نظریں' آنکھیں گفتگو کا ہنر بھی جانتی ہیں' اس

سے قبل وہ نہیں جانتی تھی۔ اور ساتھ ہی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پیچھے بائیک پر آن بیٹھی' چہرہ دوپٹے سے اچھی طرح چھپا لیا' مبادا کوئی دیکھ نہ لے اس نے ڈرتے ڈرتے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھرا۔

''صحیح طرح پکڑو نا مضبوطی کے ساتھ۔'' اس کی سانسیں پھر جیسے بے ترتیب ہونے لگیں' اس شخص کی قربت یوں بھی محال ہوا کرتی تھی' کجا اتنی قربت اس نے بہت دھیرے سے ہاتھ دھرا ہوا تھا' مگر جیسے اس کے اندر بجلی دوڑی جا رہی تھی۔

''گر گرا گئیں تو میرا ذمہ نہیں ہوگا' ویسے تمہارا ارادہ کیا مجھے شادی سے قبل ہی رنڈوا کرنے کا ہے؟'' وہ از راہ مذاق بولا تھا' اور تب اسے اس کے شانے کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا ہی پڑا تھا۔

✦ ◈ ✦

اوراس نے اپنا دھرم چھوڑ دیا۔ وہ اسلام قبول کر چکی تھی۔ اعیان نے اس کا نام جمیلہ تجویز کیا تھا۔ وہ سر جھکائے بہت ملول سی بیٹھی تھی۔ ابھی ابھی اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے تھے۔ گواہوں کی موجودگی میں اس شخص کو قبول کیا تھا۔ اسے پانا اگرچہ اس کی زندگی کا اولین سہانا خواب تھا۔ کچی عمر کی ریشمی پلکوں پر بنی خواہش تھی' مگر اس طرح اور اس انداز میں اسے جیسے یقین نہ آ رہا تھا۔

وہ خود سے پرائی ہو چکی تھی۔ اپنا آپ کھو چکی تھی' اپنا دین' اپنا مذہب' سب کچھ دل' نظر' تن' سب کا مالک یکدم ہی کوئی اور بن بیٹھا تھا۔

وہ جیسے ایک خواب کے سے عالم میں تھی کہ تبھی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ اپنے دوستوں اور مولوی صاحب کو چھوڑنے کے بعد واپس پلٹا تھا۔ ہوٹل کے اس یخ بستہ کمرے میں اسے اس طرح افسردہ سی بیٹھی دیکھ کر وہیں رک گیا۔

''پچھتا رہی ہو کیا؟''

وہ یکدم سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ دل یکبارگی دھڑکا۔ وہ اپنائیت سے مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے جذبے جیسے اسے جلا کر خاکستر کرنے کو تھے۔ دھیمی دھیمی سلگتی آنچ جیسے اسے موم کی طرح پگھلانے کو تھی۔ وہ گھبرا کر یکدم نظریں جھکا گئی۔ دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تھا۔ وہ اب مکمل طور پر اس کی تھی۔ بیچ میں کوئی دیوار نہ تھی۔ ریت کی' سماج کی' مذہب کی۔

وہ ہر طرح سے اپنا تھا' لیکن دل جانے کیوں دھڑکے جا رہا تھا۔ شاید اس دھڑکن میں حیا کو دخل زیادہ تھا۔ اَن چھوئے جذبات کی طغیانی تھی یہ۔ وہ طوفان سا برپا کیے ہوئے تھے پورے وجود میں۔ اندر باہر ہلچل ہی ہلچل تھی۔

اعیان نے مسکراتے ہوئے اس کا سرخ چہرہ دیکھا اور پھر آگے بڑھ آیا۔ جمیلہ کی نظریں

اس کے بڑھتے ہوئے قدموں پر پڑیں تو دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی مگر نقاہت ''رونے کے باعث'' اس قدر تھی کہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔ اعیان نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اسے اپنی مضبوط پناہ میں لے لیا۔

''ہوش کھونے تو ہمیں چاہئیں اور کھو آپ رہے ہیں۔ ساقی کو اس حالت میں پہلی بار دیکھا ہے۔'' اس کا لہجہ مدھر تھا۔ دھیما مگر جذبوں کی حدت سے دہکتا ہوا' اور وہ جو اسے دیکھ کر ہی ہوش کھو رہی تھی' اس کی گرفت میں جیسے اس کی جان ہوا ہونے لگی۔ اتنے قریب کے تعلق کو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کے دل کی تو بس یہی خواہش تھی۔

کبھی کبھار اسے دیکھ لیں' کہیں مل لیں

یہ کب کہا تھا کہ وہ خوش بدن ہمارا ہو

اور اس وجود کی رسائی کے متعلق تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ وہ فوراً اس کی مضبوط پناہ سے مچل کر نکل آئی۔

''پلیز مجھے گھر..... گھر چھوڑ آئیں مجھے۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ نظریں مسلسل جھکی ہوئی تھیں کہ حیا کا بار ہی اتنا تھا' پھر اس کی نظروں کا مقابلہ کرنے کی سکت کس میں تھی۔ وہ تو پہلے ہی نڈھال تھی۔ دل سے ہی ہاری بیٹھی تھی' پھر ایک نئے محاذ پر جنگ کیسے لڑتی۔

وہ اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرایا۔ وہ سر جھکائے ہونٹ کاٹتی ہوئی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کچھ کہے بغیر اسے تکتا چلا گیا۔ اس کی نظروں کی تپش کو سہنا اس کے لئے محال تھا۔ تبھی یکدم اس نے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ کلائیوں میں پڑی چوڑیاں یکدم چھنک گئیں۔ اعیان نے اسے ایک نظر دیکھا پھر اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کی نازک ہاتھ تھام لئے' اور اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگا۔

''ایسے انداز اختیار مت کرو کہ میں خود پر قابو نہ رکھ سکوں۔ بندہ بشر ہوں' فرشتہ نہیں' بہک بھی سکتا ہوں اور اس صورت میں تو اور بھی کہ ملکیت کا احساس بھی دو چند ہو۔'' اس نے پورے استحقاق سے اس کے وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے لئے جیسے سانس لینا محال ہو گیا۔

''جمیلہ! نئی زندگی کی شروعات کر رہے ہیں ہم' نئے بندھن میں بندھ چکے ہیں۔ خصوصاً

تم تو واقعی نئی زندگی کی ابتداء کر رہی ہو' نئے مذہب وعقیدے کے ساتھ تمہیں اپنا نیا نام پسند آیا؟''

''ہاں۔ بہت۔''

''ویسے محبت کے تو کئی نام ہیں۔ جانم' جاناں' جانوں' ڈارلنگ۔''

''ہوں۔'' اس نے بمشکل اثبات میں گردن ہلائی' پھر ذرا اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ بولی۔

''پلیز مجھے گھر.....'' اور تبھی اس نے اس کے ہونٹوں پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔

''آج جانے کی ضد نہ کرو۔'' اس کی دھڑکنیں جیسے تھمنے سی لگیں' اس کا لہجہ' انداز سب بے خود تھا' خمار آلود۔ بہکا' بہکا سا۔

''آپ.....آپ بہک رہے ہیں۔'' وہ جانے کیسے کہہ گئی۔ وہ پہلے چونکا پھر دلکشی سے مسکرا دیا۔

''آپ کو دیکھ کر کوئی ذی روح ہوش میں نہیں رہ سکتا' اور میں فرشتہ نہیں ہوں۔ یہ بات پہلے ہی باور کرا چکا ہوں۔'' وہ نظریں جھکا گئی۔

ہماری آنکھ سے خود کو جو دیکھ لیتے کبھی
تمہارے ہاتھ سے آئینے گر گئے ہوتے

''بابو جی۔ انتظار.....''

''اوں ہوں۔ ذرا جی بھر کے دیکھ تو لینے دو۔''

''بابو جی کو آپ جانتے نہیں وہ.....''

''اب آپ ہماری ہیں۔ کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیسے قائل کرے اسے۔ تبھی وہ بولا۔

''میاں' بیوی ایک دوسرے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان کسی تیسرے کو نہیں آنا چاہیے۔

''مگر بابو جی.....''

''اچھی بیویاں اپنے شوہروں کی تابعدار ہوتی ہیں۔ ہم دونوں عاقل و بالغ ہیں مذہب' قانون اور شریعت نے ہمیں ایک ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے' تمام دسوسے دل

سے نکال پھینکو۔'' وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''لیکن وقت.....'' اس نے رسٹ واچ کی جانب نگاہ ڈال کر کہا۔

''ہاں وقت تو واقعی قیمتی ہے۔'' اس کا لہجہ ذومعنی تھا۔ ''اور کم بھی۔'' اس نے اپنا مکمل استحقاق استعمال کرتے ہوئے اسے دل کے بے حد قریب کر لیا۔ اس کے جسم کی خوشبو' قربت کی تپش اس کے حواس جیسے سلب کر رہی تھی۔ وہ پتھر نہ تھی۔ موسم و حالات جس پر اثر انداز نہ ہوتے۔

ایک نازک سی لڑکی تھی' موم سی نرم۔

جذبے اور احساس رکھنے والی۔

اور اعیان عمر شیخ کے جذبوں کی تپش نے آخر کار اسے پگھلا دیا تھا۔

جائز وارث تھا وہ اس کا۔

اس کے احساسات و جذبات کا۔

من کا' تن کا۔

پھر؟

تعرض کی وجہ بھی تو کوئی ٹھوس نہ تھی' بلکہ تعرض کی گنجائش نکلتی ہی کہاں تھی۔

اس نے اپنا پیاسا تن من اس مہربان بادل کے حوالے کر دیا تھا۔

✦ ◈ ✦

شام کے پانچ بج رہے تھے' جب وہ گھر میں داخل ہوئی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں' چال میں لڑکھڑاہٹ بے حد واضح تھی۔

''پوجا اتنی دیر' کہاں تھی تو؟'' بابو جی نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ..... وہ کالج میں ایگزیم ہونے والے ہیں۔ نوٹس بنا رہی تھی۔'' بمشکل کہہ کر وہ اپنے کمرے تک آئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا۔ بابو جی مطمئن ہوئے تھے یا نہیں' مگر اتنی خبر تھی کہ اگر وہاں مزید کچھ دیر کھڑی رہتی تو یقیناً وہ گر جاتی۔ اسی لیے وہاں سے ہٹ گئی تھی' اور کمرے میں آ کر جیسے اسے مضبوط پناہ ملی تھی۔ بابو جی کو شاید اس کی بات پر اعتبار آ گیا تھا' تبھی وہ پیچھے مزید کچھ پوچھنے نہیں آئے تھے' اور اس نے سکھ کا گہرا سانس لیا تھا' مگر جانے کیوں اچانک ہی احساس جرم ہونے لگا تھا۔

اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔

مگر جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"بابوجی میں نے آپ کے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی' مجھے معاف کر دیجئے' لیکن اس میں بھی قصور میرا زیادہ نہیں اگر آپ ڈکٹیٹر کے بجائے باپ بن کر اپنی شفقت مجھ پر نچھاور کرتے تو شاید آج میں اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتی۔ بے جا پابندیاں ذی روح کو باغی پن پر اکساتی ہیں۔ میں بغاوت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے آپ سے محبت تھی' بابوجی لیکن میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔" وہ تکیہ بھگو رہی تھی۔

وہ خاموش سر جھکائے بیٹھی مسلسل اشک بہا رہی تھی۔

"لوٹ آؤں گا میں میرا یقین رکھو۔" اعیان اس کی جانب دیکھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں بولا' لیکن اس کے اشکوں کے تسلسل اور روانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

"اعتبار نہیں ہے کیا میرا؟" مگر وہ جواب میں کچھ نہیں بولی۔ اس نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا پھر بولا۔

"ہم میں رشتے کی ایک مضبوط ڈور ہے پگلی کیا یہ بات ٹھوس دلیل نہیں۔"

"مگر اس کے اشک پھر بھی نہ تھمے۔"

"اگر تم یونہی روتی رہیں' تو بابوجی سے تمہیں ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کرنا ہی پڑے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ یکدم سر اٹھا کر خوفزدہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"خدا کے واسطے ایسا غضب مت کیجئے گا۔ وہ ہمیں جان سے مار ڈالیں گے۔"

"اچھا ہے نامر کر امر پریمیوں میں نام آجائے گا۔" وہ ہنسا تبھی فوراً اس نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"اللہ نہ کرے۔" بالکل غیر ارادی حرکت تھی یہ۔ اعیان پہلے چونکا پھر مسکرا دیا۔ وہ خجل سی ہوگئی۔ ہاتھ واپس کھینچنا چاہتی تھی' لیکن اس نے فوراً گرفت میں لے لیے تھے' اور جیلہ کی دھڑکنیں یکدم منتشر ہونے لگی تھیں۔ اعیان کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ ہوٹل کے اس کیبن میں وہ دونوں تنہا تھے۔ جانے سے قبل ان کی یہ آخری ملاقات تھی' پھر فاصلے ہی فاصلے حائل ہو جاتے۔ میلوں کے' دنوں کے' سالوں کے۔

اعیان نے اس کے ہاتھوں کو دھیرے سے چھوا۔ اس کے روم روم میں جیسے خوشبو سی

پھیلنے لگی۔

"اعیان! مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ خوفزدہ سے لہجے میں یکدم بولی۔

"کس سے؟" وہ جیسے چونک کر دیکھنے لگا۔

"دنیا سے' سماج سے' وقت سے' حالات سے' دوری سے' خود سے اور اپنی تقدیر سے۔ میں نے بہت بڑا قدم اٹھالیا ہے۔ اعیان پلیز کبھی مجھے پچھتاوے کا احساس مت دلانا۔ میں کہیں کی نہیں رہوں گی۔ میں نے اپنا سب کچھ تجھے دیا ہے' ساری کشتیاں جلا ڈالی ہیں' واپسی کی کوئی راہ نہیں ہے میرے پاس۔ مجھے دنیا کی نظروں میں سدا سرخرو رکھنا۔

اس کی آنکھیں پھر گہر بہانے لگیں۔

اعیان نے بے قرار ہو کر اس کے تمام اشک پوروں پر چن لیے۔

"تمہیں اعتبار دلانے کو ہی میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا' اور یہ کوئی جذباتی لمحوں کا جذباتی فیصلہ نہیں ہے۔ یہ فیصلہ میں نے عمر بھر کے لئے کیا ہے۔ شادی سے مضبوط بندھن کوئی اور نہیں ہے۔"

"کیا فائدہ اس تعلق کا' جسے ہم دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

"یہ جرم نہیں ہے۔ کوئی گناہ نہیں کیا ہم نے۔ شادی کی ہے' جائز طریقے سے' قانون' شریعت گواہ ہیں' اس بات کے اور رہی بات تعلق کو ظاہر کرنے کی' تو ایسا ہم بہت جلد کریں گے۔ خاندانی بندہ ہوں۔ زبان پر اعتبار کر سکتی ہو تو کر لو۔ والدین کو ساتھ لے کر آؤں گا' اور اپنی دلہن کو لے جاؤں گا۔" وہ ایک نگاہ دیکھ کر سر جھکا گئی۔

"لیکن یہ سب کچھ جلدی کیجئے گا۔ میں انتظار نہیں کر پاؤں گی۔" وہ جانے کیسے سچ کہہ گئی۔ ایک ماہ سے بھی کم کی رفاقت تھی ان کی' لیکن یوں معلوم ہو رہا تھا' جیسے صدیوں کا ساتھ ہو۔

"جدائی دل پر بہت بھاری ہوگی' لیکن جاناں یہ چند روزہ ہے فقط۔ ہم دور رہیں گے بھی تو ہمارے درمیان کوئی فصیل حائل نہیں ہوگی کہ دل سے دل قریب ہو تو فاصلے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ وعدہ کرو پھر آنسو نہیں بہاؤ گی۔" وہ اس کے اشک پونچھ کر مضبوط لہجے میں بولا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو مسکراؤ اب جلدی سے اور مجھے الوداع کہو۔" وہ مسکرایا۔

"الوداع! اللہ حافظ۔"

"اوں ہوں۔ اچھی بیویاں شوہروں کو اس طرح رخصت نہیں کرتیں' کوئی زادِ سفر۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر شرارت سے اسے دیکھنے لگا اور وہ شرم سے دہری ہوگئی۔

پھر وہ چلا گیا' اور اس کی زندگی ہجر کی ایک طویل سیاہ رات میں بدل گئی۔

بواجی یا تراسے واپس آگئی تھیں' اور اسے دیکھ کر جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

"کیا بات ہے بوجا۔ تو کچھ دبلی اور کمزور نہیں ہوگئی؟" ان کی نظریں یقیناً جہاندیدہ تھیں۔

"نہیں بواجی۔ بس ذرا امتحانوں کی ٹینشن ہے۔" وہ نظریں جھکا کر بولی تھی۔

"خیال رکھا کر اپنا۔" وہ کہہ کر اپنے کام میں مصروف ہوگئیں' اور اس نے سکھ کی ایک گہری سانس آزاد کی۔

وہ اس کا مکمل ایڈریس وغیرہ لے گیا تھا' لیکن اس نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ اس سے خط و کتابت وغیرہ نہ کرے' کیونکہ بابو جی اور بواجی کے ہاتھ اگر کچھ لگ جاتا تو یقیناً بہت برا ہوتا۔ اسے گئے کئی دن بیت چکے تھے۔ لیکن ابھی تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے ایک دوست کا ایڈریس دے کر گیا تھا' جس پر اس نے کئی خطوط ارسال کیے تھے' لیکن جواب کی اسے توقع یا آس اس لیے نہیں تھی کہ وہ خود ہی اسے باز کر چکی تھی۔

ماہا بھی اسے دیکھ کر الجھ جاتی۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے لڑکی؟"

"ہوں۔ کیا..... کیا ہوا؟" وہ چونک کر پوچھتی۔

"کہیں کچھ نہیں ہوا احمق لڑکی۔ یہ دریافت کر رہی ہوں۔ تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہوں۔" وہ سر ہلاتی چلی جاتی۔

ماہا بیٹھتی متواتر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی' لیکن وہ مسلسل ہوں ہاں میں جواب دیتی چلی جاتی' اور تب وہ اکتا کر وہاں سے اٹھ جاتی۔

"علاج کرواؤ اپنا۔ اپنے بابو جی کے ڈکٹیٹر ٹائپ رویے سے تم یقیناً اپنا ذہنی توازن کھو رہی ہو۔"

"تمہیں کیا پتا اس کا ذمے دار کون ہے۔ کیا کچھ لے گیا ساتھ جانے والا۔" وہ سر جھکا کر رہ جاتی۔ جواب کوئی نہ دیتی۔ البتہ وہ منتظر رہتی ماہا کہ منہ سے اس کے متعلق کسی خبر کی' خط آیا' خیریت سے ہے' خوش ہے۔ وغیرہ سے آگے وہ بھی کچھ نہ بتاتی' اور نہ ہی اس کی پوچھنے کی ہمت ہوتی۔

پتا نہیں کیا ہونا تھا اس کے ساتھ۔ اسے کچھ خبر نہ تھی' بس اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ تقدیر بھی عجب شے ہے۔ انسانی زندگی سے کھلونے کی مانند کھیلتی ہے۔ اسے بے بس او بے اختیار کر ڈالتی ہے۔ بغیر اس کے احساسات و جذبات کی پرواہ کیے بس کھیلتی ہی چلی جاتی ہے' اور جب جی بھر جاتا ہے تو بدقسمتی کے خانے میں پٹخ ڈالتی ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے سیاہ رات چھا جاتی ہے۔

ہبیلہ کے فائنل ایئر کے ایگزیم تھے' لیکن اس کی طبیعت ان دنوں بے حد خراب رہنے لگی تھی۔ انتہائی سست اور کاہل' کچھ کرنے کو دل نہ چاہتا۔ جی گھبراتا' دل چاہتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پڑی رہے۔ پتا نہیں شاید وہ ایک ہی جیسی روٹین سے گھبرا گئی تھی' یا عیان کے نہ آنے کے باعث اس کی ایسی کیفیت تھی۔ اچھے دن جانے ابھی کتنے دور تھے' لیکن اس نے مستقبل کی فکر چھوڑ کر اپنے حال کے دنوں کو ماضی کے دلکش رنگوں سے بھر لیا تھا' لیکن اس کا یہ خواب اس دن ٹوٹ گیا' جس روز اس کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ اور وہ کچن میں کام کرتے کرتے اچانک گر کر بے ہوش ہوگئی۔ بواجی نے گھبرا کر ڈاکٹر کو بلا لیا تھا' لیکن چیک اپ کے بعد جو بات ڈاکٹر نے بتائی تھی' اس کو سن کر وہ گنگ رہ گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک طویل نسخہ لکھ کر معہ ہدایتوں کے انہیں تھمایا تھا' اور خود چلے گئے تھے۔ بواجی کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

وہ ایک گھنٹے بعد ہوش میں آئی' تو وہ بت سی بنی اس کے سرہانے کھڑی تھیں۔

ایک گھنٹہ جانے انہوں نے کیسے صبر کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑیں۔

"کس کا پاپ ہے یہ؟ کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے تو نے؟"

وہ ششدر سی انہیں تکنے لگی۔ جانے وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی' یا سمجھ کر حیران تھی۔

"میں پوچھتی ہوں کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے تم نے' کس کا پاپ پل رہا ہے تمہارے اندر؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا' اور تب وہ جیسے احساسِ جرم کے ساتھ سر جھکا گئی۔

"کوئی پاپ نہیں کیا میں نے' نہ ہی یہ پاپ کی نشانی ہے۔"

"ایک کنواری کنیا اس حال کو پہنچ جائے یہ پاپ نہیں تو اور کیا ہے۔ پوجا تو مر کیوں نہ گئی۔ تجھے اپنے بابوجی کی عزت کا رتی بھر خیال نہ آیا' یوں منہ کالا کرتے ہوئے' تجھے معلوم نہیں وہ تیرا کیا حشر کریں گے' تجھے نتیجے کی پروا کیوں نہ ہوئی؟" وہ رو رہی تھیں۔

"بواجی! پلیز آپ میری بات خاموشی اور صبر سے سن لیجئے۔" وہ خود پر الزامات کی بوچھاڑ ہوتے دیکھ کر فوراً ہمت کر کے بولی۔

"ارے اب کیا کہے گی تو۔ کہنے سننے لائق بچا کیا ہے اب۔ میری مان تو فوراً چھٹکارا پانے کی سوچ اس پاپ سے۔"

"بواجی! پلیز آپ میرے جائز بچے کو بار بار ناجائز مت کہیے۔" وہ یکدم بول پڑی۔

بواجی حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگیں پھر وہ آہستہ اور دھیمی آواز میں بولی۔

"میری شادی ہو چکی ہے۔"

"کون ہے وہ؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

"اعیان عمر شیخ نام ہے ان کا' پاکستان سے آئے تھے۔ ماما کے کزن ہیں۔"

"ہائے ہائے ایک مسلمان' غیر ذات پات' غیر مذہب' غیر قوم پھر پردیس کا' تجھے کوئی اپنے مذہب' اپنی جاتی نہ ملا' کمبخت' تیرے بابوجی تو کٹر ہندو ہیں' انہیں پتا چلے گا تو تجھے زندہ گاڑ ڈالیں گے۔ تجھے خیال نہ آیا بدبخت۔ ہائے پوجا۔ تجھے بھگوان کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس سے تو اچھا تھا تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔"

"محبت رسموں رواجوں' ذات پات' عقائد کو نہیں مانتی۔ محبت کوئی سودا نہیں جو سوچ سمجھ کر' دیکھ بھال کر کیا جائے۔ یہ تو ایک بے اختیاری جذبہ ہے۔ کبھی بھی کسی بھی دل میں پھوٹ سکتا ہے' اور دوسری بات یہ کہ آپ مجھے پوجا مت کہیں میں اسلام کے دائرہ کار میں داخل ہو چکی ہوں' اور میرا نام میرے شوہر نے جمیلہ رکھا ہے۔ جمیلہ اعیان شیخ۔" وہ اس اعتماد سے اپنے دفاع میں بولی کہ بواجی گنگ اسے تکتی رہ گئیں۔

"مجھے نتائج کی پروا نہیں۔ میں نے دل کی مانی ہے۔ اپنے طور پر میں نے کچھ غلط نہیں کیا' مجھے خدا کی تلاش تھی' میں نے خدا کو پالیا ہے۔ اب عبادت میں مجھے واقعی بہت سکون ملتا ہے۔ مجھے اس خدا نے ایک اچھے ساتھی سے نوازا ہے۔"

"مگر سوچ پوجا کیا ہوگا اب؟ تیرے بابوجی....." اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"بواجی! آپ نے کہا تھا نا۔ آپ کے دل میں بھی خدا کو پانے کی لگن تھی' جستجو تھی لیکن آپ طور کی راکھ ہو گئیں۔ کیا آپ کو خوشی نہیں ہوئی کہ میں نے خدا کو پالیا ہے' اور میں اپنے اندر کی تسکین میں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے اپنا مقصد پالیا ہے۔" وہ ایک جذب سے ان کے قدموں پر جھک گئی۔ بواجی نے آنسو پونچھ کر اسے اٹھایا' اور اپنے سامنے بٹھا دیا۔

"پوجا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ بھگوان جانے کیا ہونے والا ہے' لیکن میرا دل بہت ڈر رہا ہے۔ تیرے بابوجی تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ زندہ گاڑ دیں گے تجھے وہ لیکن ایک مسلمان کے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت کے دہکتے الاؤ تو نہیں دیکھ سکتی میری بچی۔ میں ان کے ظلم کی جیتی جاگتی تصویر ہوں' آج تک ایک چھوٹے سے گناہ کی پاداش میں اس دہلیز پر بیٹھی ہوں۔ عمر گزر گئی' لیکن وہ اب بھی اس بات کو نہیں بھولے۔ اب بھی مجھ پر یوں نظر رکھتے ہیں' جیسے میں سولہ سال کی کوئی بچی ہوں۔ تو نے تو ان کی نظر میں گناہ عظیم کیا ہے۔ تیری تو معافی کی بھی امید نہیں۔"

"بواجی کیا آپ.....؟" وہ حیران ہوئی۔ پہاڑ کا راکھ بننا اسے سمجھ میں آگیا۔ طور کا خاک ہونا' وہ جان گئی۔ وہ بھی ایک مسلمان کی محبت میں گم ہو گئی تھیں۔ ان کی گود میں سر رکھ کر یکدم رونے لگی۔

✦ ◈ ✦

بات جہاں تک اپنی ذات کی تھی' تو وہ تمام صبر سہ سکتی تھی' تکلیفیں برداشت کر سکتی تھی' لیکن اب وہ تنہا نہیں تھی۔ اسے اپنی زندگی سے زیادہ اس وجود کی فکر تھی' جو اس کے وجود کا حصہ تھا' اور اس میں پوشیدہ تھا۔

وہ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ آخر کیا کرے۔ کہاں جائے کہ تبھی ماما چلی آئی۔ خاصی سنجیدہ سی لگ رہی تھی وہ۔ اس کے چہرے سے وہ کچھ اخذ نہ کر سکی۔ حالانکہ اس سے قبل جب وہ ملنے آئی تھی تو بہت خوش تھی۔

"خیریت؟" اس نے اپنے اندر کا تمام کرب چھپا کر اس سے دریافت کیا۔

ماما نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔ اس کے چہرے پر اگرچہ کوئی

تاثر نہ تھا' لیکن آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی جانب بغور تکنے لگی۔

"کوئی بات تو ضرور ہے۔ بتانا نہیں چاہتی تم مجھے؟"

ماہا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر یکدم گردن جھکائی' پھر بے ربط لہجے میں بولی۔

"میرا کزن آیا تھا پچھلے دنوں آپی کی شادی پر پاکستان سے شادی میں شرکت کا تو ایک بہانہ ہی تھا۔ مجھے بطور خاص دیکھنے آیا تھا۔" وہ رک گئی۔

"پھر؟" اس کی دھڑکنیں جیسے تھمنے لگیں۔

"میں اسے پسند آئی یا نہیں یہ بات میں نہیں جانتی' لیکن ہماری بات پکی ضرور ہوگئی تھی' مگر اب اچانک ہی جبکہ شادی کی تیاریاں شروع ہوچکی ہیں' تو وہاں سے فون آیا ہے کہ وہ....."

"ہاں کیا وہ؟" اس کا تجسس کمال پر تھا۔ ماہا نے کچھ دیر اس کی جانب دیکھا' پھر بولی۔

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا' اور اس نے یہ بات خود مجھ سے کہی ہے۔"

اس کے اندر جیسے اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایک گہرا سانس اس نے خارج کیا۔ کتنا خود غرض ہوجاتا ہے' بعض اوقات انسان۔

"کیا تم اسے پسند کرتی تھیں؟" وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ ایک زخم خوردہ لڑکی کے روپ میں اس کے سامنے تھی' مگر اس وقت اسے اس سے ہمدردی کی جگہ خود اپنی فکر ستا رہی تھی' پھر یہ احساس کہ وہ مکمل طور پر اس کا تھا' اور کسی کی نظر اپنی چہرے پر برداشت کرنا بعض اوقات واقعی محال ہوجاتا ہے۔ مالکانہ حقوق کا بھی اپنا ایک نشہ ہوتا ہے۔

"ناپسند کرنے والی کوئی بات اس میں ہے ہی کب؟" اس کا جواب اس کی توقع کے عین برعکس تھا۔ اس کا خیال تھا وہ اس کے متعلق بدظن ہوگئی ہوگی کہ وہ اسے ٹھکرا رہا ہے مگر وہ۔

"کیا وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے؟"

"یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا' لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ وہ کسی کو قول دے چکا ہے۔"

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے؟"

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" ماہا کے چہرے پر ایک زخمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے چند ثانیے اسے دیکھا' پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"میں بھی تمہیں ایک اہم بات سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔" ماہا اس کی جانب سر اٹھا کر

دیکھنے لگی' تب اس نے تمام حقیقت اس کے گوش گزار کردی۔

ماہا سن کر کتنے ہی پل تک اسے بے یقینی سے تکتی رہی پھر تلخی سے مسکرا کر سر جھکا گئی۔

"اعیان کا انتخاب واقعی قابل ستائش ہے۔"

حریف جس نے بازی جیتی یقیناً ہم سے کمتر نہیں

ورنہ شاید تا حیات یہ درد ستاتا رہتا

"اب سوال برابری کا ہی نہیں' بلکہ تم یقیناً مجھ سے بھی بڑھ کر ہو۔ اب افسوس کی گنجائش باقی نہیں بچتی۔" وہ مسکرا کر دوستانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ سر جھکا گئی۔

"میں بے خیالی میں تمہارا حق غصب کر گئی۔ معذرت خواہ ہوں۔ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی کہ وہ تمہیں دیکھنے یا منتخب کرنے آئے ہیں۔"

"ورنہ تم یقیناً ان کے سامنے نہ آتیں۔" ماہا کہہ کر ہنسنے لگی۔ تب وہ بھی مسکرا دی۔

"خیر یہ نصیب کے کھیل ہوتے ہیں سارے' مگر افسوس اس بات کا بھی ہے کہ اسے نہیں تو کم از کم تمہیں تو مجھے اپنے راز میں شریک کر لینا چاہیے تھا۔ وہ تو شاید اپنے اور میرے متوقع تعلق کے باعث گریز کر رہا ہو' مگر تمہاری تو میں دوست تھی۔"

"بس ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

"ہمت کی بات تو اب چھوڑو۔ ایک چھ فٹ کے بندے کو قابو کر لیا۔ یہی ہمت کیا کم ہے اور اب....." وہ بات چھوڑ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگی پھر بولی۔

"ماہا کچھ کرو۔ مجھے یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہے۔ بابو جی کو تھوڑی بہت بھی اس بات کی سن گن مل گئی تو وہ یقیناً کچھ اچھا نہیں کریں گے' اور مجھے اپنی پروا نہیں ہے۔ میں ان کی امانت ان تک محفوظ طریقے سے پہنچانا چاہتی ہوں۔"

ماہا کچھ دیر خاموش رہی' پھر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر سر اٹھا کر بولی۔

"میں فون پر جلد ہی اس سے بات کروں گی' لیکن ہوسکتا ہے۔ اسے آنے میں کچھ دن لگ جائیں اور تمہارا یہاں سے نکلنا بے حد ضروری ہے۔ وہ بھی جلد از جلد۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے بوا جی سے تو بات کر لی ہے نا۔ یعنی وہ تمہارا ساتھ تو دیں گی نا؟"

"بوا جی مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ وہ یقیناً مجھے ایسے موقع پر تنہا نہیں چھوڑیں گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم کل ہی میری خالہ کے گھر شفٹ ہوجاؤ۔ درلی میں مقیم ہیں تنہا

ہیں۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد بیوہ ہوگئی تھیں۔ کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ قدرے تنہائی پ
ہیں۔ اس لیے شور ہنگامہ وغیرہ بالکل پسند نہیں کرتیں' نہ ہی خاندان والوں سے زیادہ ملتی ج
ہیں۔ تمہارے میاں کی پھوپھی صاحبہ ہیں' لہٰذا تمہاری تو ساس ہوئیں۔ یقیناً تمہارے ساتھ
وہ اچھی ہی رہیں گی۔'' وہ مسکرا کر بولی تو جانے کیوں وہ اس کی آنکھیں یکدم بھر گئیں۔

''گھبرا کیوں رہی ہو بھئی سسرال جا رہی ہو رخصت ہو کر' پھر تمہاری ان چھپے رستم سا
صاحب کو فون تو میں کر دوں گی' اور ساتھ ہی خوشخبری بھی سنا دوں گی۔ یقیناً دوڑے چلے آئیں
گے۔'' وہ چھیڑتے ہوئے مسکرائی اور تب وہ بھی ہولے سے مسکرا دی۔

✦ ◈ ✖

''بیٹیاں جب بابل کی دہلیز سے رخصت ہوتی ہیں تو کئی دعائیں ان کے ساتھ ہو
ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ کسی کا آشیرواد نہیں تھا۔ بابو جی کئی دنوں سے گھر نہیں آئے تھے' ج
اپنی دوسری بیگم کے ہاں تھے۔ بہرحال اسے یہی موقع مناسب لگا تھا۔ سو اس نے ضرورت کا
تمام اشیاء ساتھ باندھ لی تھیں۔ آتے ہوئے وہ بوا جی کے گلے سے لگ کر بہت بہت رو
تھی۔

''بوا جی آپ کے ساتھ بابو جی یقیناً اچھا نہیں کریں گے۔''

''تم اپنی زندگی کے متعلق سوچو ہماری فکر مت کرو۔ ہماری زندگی کا تو انت ہے پ
جانے کب بھگوان بلا لے موت کا ڈر اب رہا ہی نہیں۔ ہاں تجھے بھگوان لمبی عمر سے نوازے
تیری گود بھرے' یہی میری خواہش و جیون ہے۔''

''بوا جی آپ مہان ہیں۔'' وہ سسکیاں بھرنے لگیں۔

''بس اب آنسو پونچھ لے۔ بھگوان نے تجھے نیا جیون دیا ہے' نیا بندھن' نیا گھر' سنسا
نیا نام دیا ہے۔ اس کا شکر کرتی رہنا۔'' ان کے محبت بھرے انداز پر جیسے وہ پگھلنے لگی۔

''بوا۔ میں نہیں جا سکتی آپ کو چھوڑ کر۔'' بوا کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

''جانا تو ہوتا ہے بیٹا۔ بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں' لیکن فرق یہ ہے کہ تو ہمیشہ کے
لئے رخصت ہو رہی ہے۔ آج کے بعد تیرے لیے یہ دہلیز انجان ہو جائے گی۔ کبھی پلٹ کر
یہاں قدم مت رکھنا۔ ہم ہمیشہ بیاہتا بیٹیوں کو آشیرواد دیتے ہیں کہ وہ سکھی رہیں' اور جس گھر
اس کی ڈولی جا رہی ہے' وہاں سے اس کی ارتھی ہی نکلے۔ تجھے بھی یہی کہوں گی کہ اپنے پتی کی

عزت و احترام کرنا۔ ساس سسر اور باقی رشتے داروں سے مل جل کر رہنا کہ تو تمام
سختیاں جھیل کر جا رہی ہے۔ اور تیرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں اس لئے۔ پچھتاوے کبھی
اپنی زندگی میں مت آنے دینا۔ چل اب جلدی سے جا۔ ورنہ تیرے بابو جی آ گئے تو.....''

اس نے اچھی طرح چادر لپیٹی اور مٹھی میں دبا ایڈریس ایک بار پھر دیکھ کر مٹھی کو اچھی
طرح دبا لیا' پھر وہاں سے نکل آئی کبھی نہ لوٹنے کے لیے۔

✦ ◈ ✖

وہ کتنی ہی دیر تک کمرے میں دھوئیں کے مرغولے بناتا رہا' پھر آخر کار تنگ آ کر باہر نکل آیا۔ ٹیرس پر کھڑے ہو کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔

زندگی نے اچانک ہی ایسا رخ دکھایا تھا کہ وہ ششدر رہ گیا تھا۔ ایک طرف اتنی بڑی خوشی کی نوید ملی تھی' تو دوسری جانب۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب ماہا کے ساتھ اس کے بچپن سے اتنے مضبوط تعلقات تھے' نکاح ہوا تھا' تو انہوں نے کبھی اسے اس کے متعلق پہلے آگاہ کیوں نہیں کیا' اور اب اچانک جب اس نے اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی ان سے شیئر کی تو انہوں نے اچانک اتنا بڑا راز کھول دیا تھا۔ کتنے عرصے سے وہ ماما پاپا کو اس بات کے متعلق راضی کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا' مگر وہاں سے آنے کے فوراً بعد ہی اس کے فائنل ایگزیم شروع ہو گئے' اور اسے کچھ اور سوچنے کا وقت ہی نہ ملا' پھر جیسے ہی ایگزیم سے فارغ ہوا' پاپا کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ وہ اس پریشانی سے سنبھلا تھا کہ پھر کاروباری ذمے داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر آن پڑا' اور اسے کچھ کہنے کے لئے نہ تو موقع ملا نہ ہی حوصلہ لیکن جب ماہا کے متعلق اس کی رائے دریافت کی گئی' تو وہ فوراً بدک گیا۔ اس کے علم میں فقط یہی بات تھی کہ وہ انڈیا اسے دیکھنے کی غرض سے گیا تھا' بلکہ بھیجا گیا تھا' اور پسند و ناپسند کا حق ہمیشہ کی طرح اس کے ہاتھ تھا۔ جیسے زندگی کے دیگر امور میں اس کی مرضی کو اہمیت حاصل رہی تھی' اس کا خیال تھا یہاں بھی وہ اپنی اکلوتی حیثیت کا سہارا لے کر صاف بچ نکلے گا' مگر ایسا خیال محض خیال ہی ثابت ہوا تھا۔ اسے ہبیلہ کی فکر تھی' وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھا' مگر تقدیر نے اسے اچانک ہی جیسے بے بس کر دیا تھا' اور تب اس کے لیے اس راز کو کھولنا اور اپنے ردعمل کا اظہار کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس نے وقتی جوش و غصے کی کیفیت میں اس معصوم لڑکی کے احساسات و جذبات کی بنا پروا کیے جانے کیا کچھ کہہ دیا تھا۔

ایک اٹوٹ بندھن تھا' اس کے ساتھ اس کا ایک مضبوط تعلق۔ خواہ دل کا نہ سہی' جذبوں کا نہ سہی' بہرطور تعلق تو تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی کسی موڑ پر لا کر اسے اتنا بے بس و مجبور بھی کر دے گی' وہ کسی فیصلے پر ہی نہ پہنچ پائے گا۔ وہ سب میں اس طرح تقسیم ہو جائے گا کہ خود کو ڈھونڈنا دشوار ہو جائے گا۔ رشتے جہاں مضبوط سہارے ہیں تو کبھی کبھی قدموں کی بیڑیاں بھی بن جاتے ہیں' مگر ہو تو اپنی ہی ذات کی زنجیروں کے کنجل میں مقید ہو گیا تھا۔

زندگی ایک تھی اور طلب گار دو۔

کسے حق دیتا اور کسے محروم کرتا۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ جہاں مضبوط و توانا نظر آتا تھا' وہیں اندر سے بے حد موم تھا۔ کسی کو آزار دینا یا تکلیف پہنچانے کے متعلق اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کجا ساری عمر کا رنج و داغ یقیناً ہمارے بڑے اپنی مہارتوں کے زعم میں بہت غلط فیصلے کر جاتے ہیں' کسی کی زندگی سے کھیلنا' کسی کو جائز نہیں' لیکن ایسی شخصیتوں کے سامنے جن کے بے شمار احسانوں کے تلے ہمارا وجود دبا ہوتا ہے' کبھی سر اٹھا کر بھی یہ نہیں پوچھ پاتے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ جانے یہ والدین محبتیں دے کر بے بس و مجبور کیوں کر ڈالتے ہیں۔ بے حد مخلص' بے غرض' بے مفاد' تہی دل سے چاہنے والے زندگی کی ہر خواہش کو پورا کرنے والے۔

ہر ضد پر ہارنے والے۔

مگر جانے کیوں اڑ جاتے ہیں ایک بات پر۔

وہ بات جو زندگی بھر کا احاطہ کرتی ہے' پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ ایک فیصلہ۔ جانے کیوں خود کرنے کا حوصلہ نہیں دیتے وہ۔ ساری خوشیاں قدموں میں ڈھیر کر ڈالتے ہیں مگر جو دل کی خوشی ہوتی ہے وہی دل تک نہیں پہنچنے دیتے۔ اسی فیصلے کی اجازت نہیں دیتے۔ جس سے دل کی خوشی جڑی ہوتی ہے۔

وہ لڑتا تو کس کے خلاف؟

غیر کون تھا۔

سب اپنے تھے۔ ذات کا حصہ۔

اور اپنے آپ سے کون لڑ سکا ہے' کون لڑ سکتا ہے۔

اچانک آہٹ ہوئی اس نے مڑ کر دیکھا پاپا کھڑے تھے۔ انہوں نے خاموشی سے اس کو

دیکھا پھر دو قدم آگے بڑھ آئے۔

''رات بہت ہوگئی ہے سو جاؤ۔'' وہ یونہی اضطراری کیفیت کے ساتھ کھڑا رہا۔ تب وہ اسے کچھ دیر خاموشی کے ساتھ دیکھنے کے بعد بولے۔

''عمر تمہاری ہے' زندگی تمہیں بسر کرنی ہے' فیصلے کا حق بھی تمہیں حاصل ہونا چاہیے' لیکن بیٹا ہم سے جو غلطی سرزد ہوگئی۔ اس کی سزا کیا اس معصوم لڑکی کو ملنی چاہیے؟ اس کا کیا قصور ہے۔ اس کے باوجود کہ خاندان میں ہماری بے حد بے عزتی ہوگی' مرتبہ و نام' وقار سب خاک میں مل جائے گا۔ میں فیصلے کا حق تمہیں دیتا ہوں۔ ہم جابر والدین نہیں ہیں۔ جو کچھ کیا تھا اس میں یقیناً تمہاری خوشی کو ترجیح حاصل تھی۔ تم نے ایسے کون سے والدین دیکھے ہیں۔ جن کی اولاد ان سے کھانے کو گوشت مانگے اور وہ اسے سانپ کھلا دیں۔ کیا والدین اولاد سے کبھی دشمنی کر سکتے ہیں۔ کبھی اس کی خواہش و آرزو سے ہٹ کر کچھ سوچ سکتے ہیں؟'' وہ جوان کی جانب دیکھ رہا تھا فوراً ہی نظریں جھکا گیا۔ ان کے لہجے کا تحمل اور دھیما پن بدستور قائم تھا۔

''ہم والدین ہمیشہ اولاد کے لئے اچھا ہی سوچتے اور چاہتے ہیں' مگر کچھ فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں' مگر ہم انہیں عمر بھر کے پچھتاوے میں تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہماری خواہش اور خوشی ایک جانب' لیکن تم ہمیں اپنی تمام خوشیوں سے بڑھ کر عزیز ہو۔ تم خوش ہو تو ہم بھی خوش ہیں۔ اس لیے کوئی زبردستی نہیں کریں گے تمہارے ساتھ۔ تم مکمل طور پر آزاد ہو۔ جو بھی فیصلہ کرو' سوچ سمجھ کر کرنا۔'' انہوں نے کہہ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا۔ تب وہ دوستانہ انداز میں مسکرائے' اور پھر پلٹ کر آگے بڑھ گئے۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑا انہیں تکتا رہا' پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔

انسان جب خود سے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا تو خود کو تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس کے لئے اگرچہ کسی فیصلے پر پہنچنا آسان نہیں تھا' لیکن آخر کار وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا' اور ماما' پاپا کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ گھر میں اچانک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی' اور پھر جشن کی تیاریاں شروع ہونے لگی تھیں۔ آخر کار وہ معہ بارات ممبئی کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

شادی کی تقریبات نہایت سادگی کے ساتھ انجام پائی تھیں' لیکن اس کی بے قرار نظریں ہر گھڑی ایک شناسا چہرے کو دیکھنے کے لئے متلاشی رہی تھیں۔ ہر جانب اسے دیکھا تھا' ڈھونڈا تھا' مگر بے سود' تقدیر بہت سے رخ دکھاتی ہے۔ زندگی صورتیں بدلتی رہتی ہے۔ اور آخر

کار اس کی زندگی میں ایک نئی ہستی پورے استحقاق کے ساتھ در آئی تھی۔ وہ لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے تو حجلہ عروسی کا اہتمام بھی وہیں کیا گیا تھا۔ شادی کی پہلی رات اسے وہیں گزارنا تھی' پھر اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اسے دوسرے روز پاکستان کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ کمرے کی جانب اس کے قدم بڑھ رہے تھے' لیکن انداز میں بے دلی تھی۔ کوئی جذبہ' جوش' ولولہ نہ تھا۔ نہ دل میں امنگ تھی۔ نہ ہی کوئی خوشی کی رمق۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرا مکمل حجلہ عروسی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں جہازی سائز پر پھولوں کی سجی سیج پر دلہن پوری شان سے براجمان تھی۔ وہ چند ثانیے وہیں کھڑا اس جانب تکتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بے دلی سے آگے بڑھ آیا۔ بیڈ کے پاس رک کر جیب میں ہاتھ ڈال کر ابھی اس کی رونمائی کا تحفہ نکال ہی رہا تھا' جب اچانک اس نے گھونگٹ الٹ دیا۔ اعیان نے یکدم اس کی اس حرکت پر اسے دیکھا۔ وہ چہرے پر مکمل اطمینان لیے اس کی جانب تک رہی تھی۔ مسٹرڈ کلر کا لہنگا سوٹ اس پر بھاری گولڈن کام' اس پر زیوروں کی بھرمار' حسن کیسے شعلہ جوالہ نہ بنتا۔ سولہ سنگھار سے دلہن کی پورپور کو سجایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ دیکھنے والی نگاہ متحیر ہو کر رہ جائے۔ خیرہ ہو جائے۔

اور یقیناً اب بھی دیکھنے والی نگاہ اگرچہ بے تاثر انداز میں اٹھی تھی' لیکن اب ساکت ہوگئی تھی۔ ماہا نے اسے اپنی جانب اتنی محویت سے تکتے پایا تو بوکھلا کر سر جھکا لیا۔ گلابی چہرہ اور بھی سرخ پڑ گیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مناسب لفظ تلاش کرنے لگی پھر یکدم گویا ہوئی۔

''میں آپ کو کہیں لے جانا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ چلیں گے؟'' اعیان نے بہت حیرت سے اپنی پہلی رات کی دلہن کو دیکھا۔ جس کے انداز میں فطری حیا کی جگہ اعتماد قابل دید تھا۔ وہ اس کی بات کو سمجھا نہیں۔ تبھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

ماہا نے ایک نظر اسے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر دوبارہ سر جھکا لیا۔

''آپ..... آپ یقیناً حیران ہوں گے اور یہ بات آپ کے لیے غیر متوقع بھی ہوگی' مگر میرے پاس سوائے اس فعل کو سرانجام دینے کے اور کوئی طریقہ نہیں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھی۔ تمام زیورات میٹھی سرگوشیاں کرنے لگے۔ وہ اٹھ کر اس کے مقابل کھڑی ہوگئی۔

''آپ میرے ساتھ چلئے۔''

"اس وقت۔ محترمہ دماغ درست ہے آپ کا؟"

"میں سنجیدہ ہوں۔ مکمل باہوش وحواس۔ جان لیجئے جو کچھ کر رہی ہوں۔ وہ غلط ہرگز نہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اس کا مضبوط ہاتھ تھام لیا۔

اعیان نے اپنے مضبوط ہاتھ پر اس کا نازک سا ہاتھ دیکھا۔ احساس یکدم بیدار ہوگیا۔

"کیا جنت میں لے جانا چاہتی ہیں؟" اس کے لبوں پر یکدم ایک دھیمی مسکراہٹ اتر آئی۔ ماہا نظریں جھکا گئی۔ اس نے اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا۔ ماہا کو جیسے کرنٹ چھو گیا۔ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا' لیکن گرفت مضبوط تھی۔ اس کی کیفیت سے نکالنا چاہا' لیکن گرفت مضبوط تھی۔ اس کی کیفیت یکدم بدل گئی' سارا اعتماد سر پر پاؤں دھر کے بھاگ کھڑا ہوا' پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے' ہتھیلیاں بھیگ بھیگ گئیں۔

وہ اسے شانوں سے تھام کر بیڈ کے قریب لایا اور پھر اسے بٹھا کر اطمینان سے بولا۔

"ایسی کیا بات ہے جو اس بند کمرے میں نہیں ہوسکتی؟"

ماہا نے نظریں پل بھر کو اٹھائیں وہ چہرے پر کوئی بھی تاثر لیے بغیر اس کی جانب تک رہا تھا۔ دل میں یکدم ہی ہل چل سی مچ گئی۔ ارادوں کی دیوار مٹی اور ریت کی دیوار ثابت ہونے لگی' تبھی وہ سر جھکا کر ہونٹ کچلنے لگی پھر بولی۔

"میں جان بوجھ کر آپ کی زندگی میں شامل نہیں ہوئی۔ ساری صورت حال میرے سامنے رکھی گئی تھی۔ میں مکمل آگاہ تھی' مگر مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔ میں جانتی ہوں آپ میرے' میرے لیے نہیں ہیں۔ ایک تعلق کے ہوتے ہوئے بھی آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔ تعلقات دلوں سے استوار ہوتے ہیں' اور یقیناً آپ کا دل اس تعلق کے لئے تیار نہیں تھا۔ آپ کی طلب کچھ اور تھی اور ہے۔ میں اپنی زندگی کو سوالیہ نشان نہیں بنانا چاہتی۔ اس لیے کوئی غرض' کوئی مفاد' کوئی امید' خواہش آپ سے وابستہ نہیں کی میں نے۔ بزرگوں کا قائم شدہ تعلق ایک طرف' لیکن یہ سچ ہے کہ تعلق دلوں سے ہی بنتے ہیں' اور میرے لیے آپ کے دل میں کوئی رمق نہیں' کوئی جذبہ نہیں۔ آپ نے بھی یقیناً یہ قدم مجبوراً ہی اٹھایا ہوگا' مگر میرے خیال میں زبردستی کے تعلق فقط بوجھ ہوتے ہیں' جو زیادہ دیر تک نہیں اٹھائے جاسکتے۔ آپ بجیلہ کے ہیں اور وہ آپ کی' میں آپ کے درمیان نہیں آنا چاہتی۔"

"لیکن درمیان میں تو تم آچکی ہو۔" وہ اتنی بے ساختہ بولا تھا' کہ وہ یکدم ہی سر اٹھا کر اسے دیکھتی چلی گئی تھی' پھر دوسری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"قصداً ایسا نہیں ہوا اور اگر ہوا بھی ہے تو میں اس کا ازالہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"اتنا حوصلہ ہے تم میں؟" وہ جانے کیوں دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگا۔ وہ سر جھکا گئی' اور ہونٹ کاٹنے لگی۔ جو کہ اس کی اضطراری کیفیت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

"عورت جتنی بھی مضبوط ہے' حقیقتاً نہایت کمزور واقع ہوئی ہے۔ تمام ارادے فقط بھر بھری ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں....."

"ایسا نہیں ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتی ہوئی تیزی سے بولی۔ "اسی لیے تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میرے ساتھ چلئے۔" وہ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا' پھر بولا۔

"چلئے۔"

وہ تھوڑے سے توقف کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا اسی طرح چلیں گی؟" وہ اس کو سر سے پاؤں تک ایک بھرپور نگاہ سے دیکھتا ہوا بولا۔ تو اسے اپنی پوزیشن کا خیال آیا' مگر پھر رسٹ پر نگاہ ڈالنے کے بعد نفی میں سر ہلا دیا۔

"ہمارے پاس وقت کم ہے۔ گاڑی تو ہے نہ۔"

"ہوں۔ بکنگ ہے جب تک کہ یہاں ہیں۔"

"تو پھر چلئے۔"

"مگر یہ تو بتا دیجئے جانا کس مقام پر ہے؟"

"ورلی۔ مجھے تمام راستوں کی پہچان ہے۔ ڈرائیونگ بھی جانتی ہوں۔" وہ بولی' تو وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلنے لگا۔

خالہ کے فلیٹ کے دروازے پر اس نے کوئی پانچویں بار دستک دی تھی۔ انداز میں عجلت اور اکتاہٹ دونوں ہی واضح تھی۔ اعیان خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب اچانک دروازہ کھلا تو سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر جیسے اعیان پر شادی مرگ کی سی کیفیت چھا گئی۔

"بجیلہ!"

بجیلہ کے لیے بھی یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ کبھی کبھی بہت زیادہ خوشی بھی حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ سو وہ بھی گرنے کو تھی کہ اعیان نے فوراً آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ وہ اس کی بانہوں میں جھول گئی۔ ماہا نے یہ صورت حال دیکھی پھر سر جھکا کر اندر کے چھائے تمام غبار کو دل کے کسی کونے میں دفن کرنے لگی تھی۔ اب یقیناً یہاں اس کی گنجائش نہیں تھی، تبھی وہ پلٹی تھی' اور بنا آہٹ کیے وہاں سے نکل آئی تھی' گاڑی میں بیٹھ کر سیاہ شیشے چڑھائے تھے' اور پھر گاڑی فل اسپیڈ میں چلاتی ہوئی ہوٹل واپس آ گئی تھی۔ کئی لوگوں کی نگاہیں اس پر پڑی تھیں' لیکن وہ بنا پروا کیے تیزی سے لہنگا سنبھالتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''ایک رات کی دلہن اور یوں تنہا۔''

سجا سجایا کمرا جیسے ماتم کر رہا تھا۔

وہ نڈھال سی بیڈ پر گر گئی۔ کیسی عجب کہانی تھی۔ سیج تھی' خوشبو تھی' پھول بکھرے ہوئے تھے' انگ انگ خوشبو سے بسا تھا' پور پور سجا تھا' مہک رہا تھا' رنگ تھے' خواب تھے' جذبے تھے' دلہن تھی' مگر وہی نہیں تھا۔ جسے کہ ہونا چاہیے تھا۔ اول شب کی دلہن تنہا تھی' اداس تھی' ملول تھی' اپنی بھیگی آنکھوں سمیت' ذات کی ویرانی سمیت۔

✦ ◈ ✖

ہوش کے عالم میں لوٹنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تلک ایک دوسرے کو حیرت کی تصویر بنے تکتے رہے تھے۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔ آپ میرے روبرو ہیں' قریب ہیں۔''

''میرے لوٹنے کی امید نہیں تھی کیا؟'' وہ اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے ایک جذب کی کیفیت میں پوچھنے لگا۔

''آپ پر تو یقین تھا' مگر اپنی قسمت پر نہیں تھا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو پھر بہنے لگے۔

''تمہیں میں نے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ ایک قول دیا تھا' کیسے ممکن تھا کہ پھر جاتا۔'' وہ یقین دلاتے ہوئے بولا۔

''مگر وہ ماہا؟'' اس کی نظروں میں اس سندر موہنی سی دلہن کی شبیہ لہرا گئی۔ تب اس نے اسے تمام حقیقت کہہ سنائی۔

''بہت گہری لڑکی ہے۔ آج تک مجھ پر اس نے کچھ ظاہر نہ کیا' بلکہ جب میں نے اسے آپ کے متعلق آگاہ کیا' تب بھی وہ اپنے احساسات و جذبات پر مکمل کنٹرول کیے مسکراتی رہی۔ مجھے خالہ جی کے گھر کا ایڈریس دیا' یہاں منتقل کیا۔ حالانکہ اس وقت تک مجھے آپ کی ہندوستان آمد کے متعلق اس نے بتایا تھا' تو مجھ میں اچانک ہی فطری سی جلن عود کر آئی تھی' مگر وہ' وہ عورت نہیں' واقعی دیوی ہے۔ پوجنے کے قابل' اتنا حوصلہ تو کسی عورت میں نہیں ہوتا۔ جس کا اس نے عملاً مظاہرہ کر دکھایا۔''

''کیا تم اس جیسا مظاہرہ کر سکتی ہو؟''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ تب وہ چند ثانیہ کے لئے خاموش ہو کر سر جھکا گئی' پھر یونہی بولی۔

''میں اس جتنی عظیم تو نہیں لیکن' لیکن کوشش ضرور کروں گی۔ اس نے مجھے آپ سے ملا کر احسان عظیم کیا ہے۔''

''اگر تم اس کی جگہ ہوتیں تو کیا ایسا ہی کرتیں؟''

وہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی پھر کچھ توقف کے بعد نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''مجھ میں اتنی ہمت شاید کبھی نہ ہوتی۔ تبھی تو کہہ رہی ہوں وہ عظیم ہے' اور اس کی عظمت کی میں قائل ہوں۔''

''اب جب کہ تم جانتی ہو کہ اس کے اور میرے درمیان ایک تعلق برسوں سے موجود تھا' تم کیا محسوس کر رہی ہو؟'' وہ جانے کیا جاننا چاہ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہ پائی' تبھی نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

''آپ کیا دریافت کرنا چاہ رہے ہیں؟''

''تمہیں برا لگے گا نا' اگر میں اس کے حقوق بھی منصفانہ طریقے سے ادا کروں؟'' وہ کچھ دیر تک خاموش رہی' اسے دیکھتی رہی' پھر بولی۔

''اگر وہ اتنی عظمت کا مظاہرہ کر سکتی ہے' تو آپ کیا مجھے اتنا چھوٹا جانتے ہیں۔ وہ پہلی ہے اس کا حق بھی پہلا ہے۔ بے خبری میں ڈاکہ تو میں نے اس کے حق پر ڈالا۔ وہ تو سب کچھ حاصل کر کے بھی مجھے سونپ گئی۔ اس نے جب میرے لیے اتنا کچھ کیا پھر میں کیوں نہیں کر سکتی۔ آپ کا ساتھ میری خوشی ہے' زندگی ہے۔ اگرچہ میں تمام کشتیاں جلا کر آئی ہوں' اور

میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں' مگر یہ فیصلہ کسی جبر یا مصلحت کے تحت نہیں۔ میری مکمل رضا اور خوشی شامل ہے' اس میں۔ آپ اسے اس کا حق دیجئے۔ میں خوش ہوں گی' اور اس ضمن میں آپ کبھی کوئی رکاوٹ یا کوتاہی نہیں دیکھیں گے۔"

"تھینک یو بجن' مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔ تم نے مجھے بہت پرسکون کر دیا ہے۔ خدا کے فیصلے عجب ہیں۔ اس نے مجھے دو شریک حیات دی ہیں' اور دونوں ہی نہایت سلجھی ہوئی' مہذب اور باشعور ہیں۔" اس نے شکر ادا کیا۔ وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

"میرے خیال میں بہت وقت ہو چکا ہے' اب آپ کو اور مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ آپ کی منتظر ہوگی۔"

"اوہ۔ ہاں۔" اسے یکدم جیسے یاد آیا۔

"وہ پاگل لڑکی جانے کیا کچھ قیاس کر چکی ہوگی۔ میرے سامنے تو بے حد ضبط کا مظاہرہ کرتی رہی تھی' لیکن میں جانتا ہوں اس ضبط کا مظاہرہ کرنے کے لئے اسے ضبط کے کتنے دریا پار کرنے پڑے ہوں گے۔ اب یقیناً وہ دل کا غبار دھو رہی ہوگی۔ جانے یہ لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں۔ کسی حد تک بھولی اور معصوم۔ خود کو بظاہر بے حد مضبوط ظاہر کرنے والی اور اندر سے موم کی طرح نرم۔ بجن کیا ہر لڑکی' ہر عورت' دوسری عورت کے لیے اس طرح قربانی دے سکتی ہے؟"

"ہاں' گر وہ اپنے مفادات کو' اپنے نفس کو شکست فاش دے ڈالے تو ایسا ہونا ناممکن نہیں۔" وہ اس کی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ چیک اپ وغیرہ تو کروا رہی ہو نا؟"

وہ یکدم پوچھنے لگا۔ وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔ تبھی وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کرنے لگا۔

"مجھے ولی عہد چاہیے سمجھیں۔" اس کے شریر سے انداز پر وہ اسے گھورنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔

"مجھے تو یہ تصور ہی اتنا دلکش لگ رہا کہ میں باپ بننے والا ہوں۔ بھلا کیسا ہوگا وہ ننھا سا فرشتہ' ویسے کب ملوا رہی ہو تم مجھے اس سے؟" اس کی معصومیت اور بے صبری پر وہ یکدم جھینپ کر مسکرا دی۔

"بہت دیر ہے ابھی۔ آپ جائیے' دیکھئے رات کتنی بیت چکی ہے۔"

اس نے کھلی کھڑکی سے سیاہ بھیگی سی معطر رات کو تکا۔ چودھویں کا چاند عین وسط میں چمک رہا تھا۔

وہ شریر سے انداز میں مسکرایا۔ اس نے اسے پرے دھکیلا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب آپ کو واقعی جانا چاہیے۔ وال کلاک دیکھئے۔ باتوں باتوں میں وقت اتنا گزر گیا۔ خبر ہی نہ ہوئی۔ دیکھئے۔ ساڑھے تین ہو چکے ہیں۔" وہ بولی تو وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

✦◈✦

رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ رو رو کر آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں' پپوٹے سوج گئے تھے' سر بے حد بھاری ہو رہا تھا' چلنے کی سکت نہیں تھی' اس نے مرے مرے سے انداز میں وال کلاک کی جانب دیکھا۔ صبح کے چار بج گئے تھے اسے یونہی روتے ہوئے۔ جتنی سیاہ رات باہر تھی' اس سے کہیں سیاہ رات اس کے نصیب کی تھی۔ اس میں اٹھنے کی ہمت نہیں تھی' لیکن اس لباس میں سو نہیں سکتی تھی۔ تبھی ڈریس تبدیل کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بے دلی کے ساتھ تمام زیورات اتارے' پرس میں منتقل کیے' بالوں سے گجرا کھینچ کر نکالنا چاہتی تھی۔ جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کا دل ساکت ہو گیا۔

دستک دینے والے ہاتھوں سے اس کا دل کا کوئی تعلق نہ تھا۔ دستک دینے والے کے دل کا مگر جانے کیسے وہ پہچان گئی' مگر آگے بڑھ کر دروازے کو کھولنے کی سکت اس میں نہیں تھی۔ تبھی دیوار سے لگ کر کھڑی رہی۔ شاید اس کے پاس ڈپلی کیٹ چابی تھی' تبھی کچھ دستکوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ یونہی دیوار کے ساتھ لگی ساکت کھڑی تھی۔ اعیان نے اسے ثابت سالم اور زندہ دیکھ کر گویا سکھ کا گہرا سانس خارج کیا۔

"دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں؟"

وہ اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔ اس کے عین سامنے' مگر وہ اجنبی اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پہلی رات کی دلہن جس کا پور پور خوشبو سے مہک رہا تھا' انگ انگ سجا تھا' مگر دل ویران تھا۔ پیاسے دشت کی طرح ویران' پیاسا! آنکھیں سرخ اور پپوٹے سوجے ہوئے

تھے۔ گویا وہ کوئی جھوٹ بول کر اپنا دفاع کرنے سے بھی قاصر تھی۔ کتنی مشکل ہو جاتی ہے کبھی کبھی صورتحال یقیناً بہت کچھ کھو دینا آسان نہیں۔

اعیان اسے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کے بے حد قریب آن کھڑا ہوا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس نے ایک مضبوط ہاتھ دیوار پر ٹکا دیا۔ دوسرے سے اس کے شانے کو تھاما۔

ماہا نے اس کی جانب نہیں دیکھا۔ نگاہیں جھکائے کھڑی رہی۔ بوجھل پلکیں اور بھی بوجھل ہو گئیں۔ ایک مضبوط سہارے کو سامنے پا کر جانے کیوں پھر آنکھیں بھرنے لگیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ماہا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ہمدرد نظروں کے ساتھ اس کی جانب تک رہا تھا۔ وہ جانے کیوں دیکھتی چلی گئی۔

''ماہا!'' اس نے شانوں سے تھام کر اسے ہلایا۔

''کیا ہوا ہے؟''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

اس نے اپنے سامنے کھڑے مضبوط چھتنار سے وجود کو دیکھا پھر یکدم وہ منظر دھند میں ڈوبنے لگا۔ اعیان نے اس کی کیفیت کو جیسے بھانپ لیا۔ اس کے سر کو دھیرے سے اپنے شانے سے لگا لیا۔ اور وہ مضبوط وجود یکدم موم بن کر پگھلنے لگا۔ وہ اندر کا تمام درد اس کے شانے پر منتقل کرنے لگی۔ لڑکیاں سدا کی احمق ہوتی ہیں' جو درد دیتا ہے۔ اسی کے وجود میں پناہ لے کر مطمئن ہوتی ہیں' جو گھاؤ لگاتا ہے' اسی سے مداوا ڈھونڈتی ہیں' وہ بھی اپنے اندر کے تمام دکھ اسے سونپنے لگی تھی' سارے آنسو' سارا درد جو اسی سے ملا تھا۔ اسی کے شانے پر بہا دیا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ روتی رہی تھی' پھر جب سارا غبار دھل گیا تو مطمئن ہو کر اس کے شانے سے سر اٹھا لیا تھا۔

''جب اتنی مضبوط نہیں ہوتی ہو تو خود کو اتنا مضبوط ظاہر کیوں کرتی ہو؟'' وہ یقیناً خواتین کی پوری برادری سے مخاطب تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ سر جھکا گئی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں کی تپش جیسے اسے ہوش و حواس میں لانے لگی۔

''آپ..... آپ اتنی جلد لوٹ آئے؟'' سوال کے بے تکے پن کا احساس اسے بولنے کے بعد ہی ہوا تھا' مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا' اور وہ جیسے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''یہ رات تمہاری تھی نا۔'' وہ یکدم سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ مکمل توجہ سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کچھ تھا۔ وہ فوراً سر جھکا گئی۔ دل میں یکدم ہی ہلچل ہونے لگی۔

''میری زندگی کی تمام راتیں اور تمام دن فقط میرے ہی ہیں۔'' وہ سمجھ کر بھی انجان پن سے بولی تھی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''بھول رہی ہیں آپ' اپنا سب کچھ آپ میرے نام لکھ چکی ہیں۔'' وہ جیسے صورت حال سے خط اٹھا رہا تھا۔ وہ منہ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''جمیلہ کیسی ہے؟''

''مل کر کیوں نہیں آئیں تم اس سے؟''

''آپ سے مل کر یقیناً بہت خوش ہوئی ہوگی۔'' اس کا انداز اور لہجہ دوستانہ تھا۔

'ہاں مگر تم بھی رکتیں تو شاید وہ اور بھی خوش ہوتی۔ ویسے کہہ رہی تھی تم دلہن کے روپ میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں اور اس بات کا شکوہ بھی کر رہی تھی کہ تم نے اسے نہ تو اپنی شادی میں بلوایا اور نہ ہی اپنے دلہے سے ملوایا؟''

وہ جان گئی تھی وہ یونہی اس کا دل بہلانے کو بات کو مزاح کا رنگ دے رہے ہیں' تبھی کچھ نہیں بولی۔ تب وہ خاموشی کے ساتھ اسے دیکھنے لگا' پھر دھیرے سے اس کے شانے تھامتا ہوا بولا۔

''تمہارا انداز مجھے پسند آیا مگر میں نے تمہیں کسی قربانی کے لیے اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا۔ تم دونوں میری ذمے داری ہو اور میں دونوں کے حقوق با احسن طریقے سے پورے کروں گا۔'' ماہا کے دل کی دھڑکنوں میں مزید طغیانی آ گئی۔

''میں نے کوئی قربانی نہیں دی۔ وہ آپ کی محبت نہ بھی ہوتی تب بھی میں آپ کو اس لیے چھوڑ دیتی کیونکہ وہ ایک نومسلم ہے اور اسلام نے نومسلموں کے لیے بہت سے ضابطے مقرر کیے ہیں۔ اس نے اپنا سب کچھ آپ کے لئے تج دیا ہے۔ وہ واقعی عظیم ہے۔ دوسرے میں یہ بات بخوبی جانتی ہوں کہ تقسیم کی جلن کیسی ہوتی ہے۔ میں لاکھ وسیع القلب سہی لیکن یہ خاصیت مجھ میں بھی نہیں۔ اپنی شے پر پرائی نظر میں بھی برداشت نہیں کر سکتی کجا بانٹنا۔''

''وہ تنگ دل' تنگ نظر نہیں ہے۔ وہ تمہاری عظمت کی قائل ہو گئی ہے۔'' اس نے پہلی

بار اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے اسے اپنے مضبوط حصار میں لیا۔ وہ جیسے بدک گئی۔

"یہ اس کی بڑائی ہے کہ وہ ایسا سمجھتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں۔" اتنی باشعور اور سمجھدار تھی وہ کہ محبت اور دان کرنے کے فرق سمجھ سکتی۔ تبھی وہ اس کے حصار سے نکل آئی تھی۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" یہ کہہ کر انہی کپڑوں سمیت بیڈ پر آگئی اور سر تک کمبل اوڑھ لیا۔ اعیان یونہی کھڑا تھا۔ جب اس نے سر پر سے کمبل اتار کر اسے مخاطب کیا۔

"پلیز۔ اگر آپ جاگ رہے ہوں تو صبح مجھے جلدی جگا دیجئے گا۔ مجھے کیمپس جانا ہے بلکہ آپ مجھے ڈراپ کر دیجئے گا۔" وہ کہہ کر دوبارہ کمبل سر تک اوڑھ گئی تھی۔

وہ جب سو کر اٹھی تو فوراً نگاہ وال کلاک پر پڑی۔ سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا وہ بیڈ کے دوسرے کونے پر بنا کمبل کے پڑا تھا۔ اس کی جانب پشت تھی۔ اس لیے چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی کہ آیا وہ واقعی سو رہا تھا۔ وہ کمبل ایک طرف ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر اچانک چونک کر پلٹی اور کمبل دھیرے سے اٹھا کر بیڈ کے گرد سے چکر کاٹ کر اس کی جانب آئی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ مضبوط آہنی بازو ہاتھ نیچے جھول رہا تھا۔ اس نے بہت آہستہ سے اس کے ہاتھ کو تھام کر بیڈ پر رکھا اور پھر اس پر کمبل ڈال دیا۔ مطمئن نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ چھ فٹ سے بھی اونچا لمبا یہ وجیہہ سراپا۔ اس کا تھا' مضبوط فراخ سینہ اس کا تھا' یہ چمکتی پیشانی' مضبوط بازو' چوڑے شانے' تمام اس کی ملکیت تھے' مگر وہ ساحل پر کھڑی ہو کر بھی پیاسی کھڑی تھی۔ اپنی شے تھی' لیکن وہ اسے چور نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ انداز میں استحقاق کے بجائے اجنبیت اور لاتعلقی تھی۔ تمام تعلق تو دل کے ہوتے ہیں اور دل.....

وہ کتنی ہی دیر منجمد و ساکت کھڑی اسے یونہی تکتی رہی۔ پیاسے من کو سیراب کرتی رہی چیز اس کی تھی' حق اس کا تھا' لیکن گریز بدستور قائم رہا۔

دل ایک دم باغی ہو کر سرپٹ دوڑنے لگا۔ تبھی وہ گھبرا کر رخ پھیر گئی۔ قدم آگے بڑھائے ہی تھے جب اچانک اپنا ہاتھ یکدم مضبوط گرفت میں جکڑا محسوس ہوا۔ اس نے یکدم ہی پلٹ کر دیکھا۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ بند آنکھوں کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے بدستور لیٹا ہوا تھا۔ اف تو کیا وہ جاگ رہا تھا۔ یہ سوچتے ہی اس کی جان ہوا ہونے لگی' ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن گرفت مضبوط تھی۔ وہ بے بس سی ہو کر دوبارہ اسے تکنے لگی۔ دل نے الگ

سینے میں اتھل پتھل مچا دی تھی۔ آنکھیں بند تھیں مگر وہ یقیناً جاگ رہا تھا۔

"شے اپنی ہو تو مالکانہ حقوق استعمال کرتے ہیں۔ چوروں کی طرح چور دروازے استعمال نہیں کرتے۔" اس کی بھاری آواز نے کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش سا پیدا کیا اور ساتھ ہی ماہا کے دل کی دنیا بھی زیر و زبر ہو گئی۔ وہ کب سے جاگ رہا تھا اور اس کی تمام حرکات و سکنات کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اف۔ اسے بری طرح شرمندگی نے آگھیرا۔ جی چاہا زمین میں گڑ جائے۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔ چوری پکڑے جانے پر کسی چور کا بھی اتنا برا حال نہیں ہوتا ہوگا جتنا کہ اس کا تھا۔

"ہا..... ہاتھ..... چھوڑیے۔ پلیز۔" اس نے بمشکل حلق سے آواز برآمد کی۔

"چھوڑنے کے لئے نہیں تھاما۔ مکمل مالکانہ حقوق رکھتے ہیں۔ کوئی چور دروازہ استعمال نہیں کیا۔" وہ بند آنکھوں کے ساتھ خمار آلود لہجے میں مدھم سرگوشی کر رہا تھا۔ وہ زچ سی ہو کر رونے والی تھی۔ جب اس نے کھینچ کر یکدم اپنے اوپر گرا لیا۔ یہ سب بے حد غیر متوقع تھا۔ اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور وہ پل میں اس پر ڈھیر تھی۔

✦ ◈ ✦

اگلے دن کے لیے اسے پاکستان کے لیے فلائی کرنا تھا۔ مگر اب اچانک صورتحال اس طرح تبدیل ہوئی تھی کہ اسے مجبوراً اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ پھر ماما پاپا اور خالہ کی جانب سے چوتھی کی رسم کا اصرار بھی تھا۔ دلہن کے ساتھ دلہا کا نہ آنا۔ معیوب اور کسی حد تک بدشگونی سمجھا جاتا تھا۔ تبھی وہ رسماً ماما کے ساتھ اس کے میکے چلا آیا تھا' مگر اس نے محسوس کیا تھا' کہ ماما کافی کھوئی کھوئی اور اپ سیٹ ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا' لیکن ہجوم میں بات کرنا نہ تو طریقہ مناسب تھا اور نہ ہی اسے موقع ملا تھا۔ اب بھی وہ جوتا چھپائی کی رسم کے تحت اس سے نکڑے نیگ کی وصولی کے لیے بحث کر رہی تھیں۔ اور وہ مسلسل مسکراتے ہوئے انہیں ٹال رہا تھا۔ وہ ایک کونے میں بزرگ خواتین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ برائٹ بلو سلک کی ساڑی میں بنا کسی میک اپ کے مکمل توجہ ٹی وی اسکرین کی جانب مبذول کیے وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔

''دلہا بھائی بے حد کنجوس ہیں آپ تو اپنی سالیوں کی خوشی کے لئے چند سو روپوں کی قربانی نہیں دے سکتے؟'' ماہا سے چھوٹی جویریہ نے قدرے خفگی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''قربانی دینے کے متعلق سوچا جاسکتا ہے مگر حوالہ کوئی اور ہونا چاہیے۔'' وہ معنی خیز نظروں سے ماہا کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو تمام کزنز اور سالیاں ہنس پڑیں۔

''واہ۔ جناب آپ تو بہت خوب نکلے۔ گویا ہماری کوئی وقعت نہیں؟ ایک کزن اٹھلا کر بولی تو وہ شرارت سے ہنس دیا۔

''وقعت تو خیر آپ کی بھی کم نہیں سالی ہیں اور سالی کے متعلق مثل تو آپ نے سن رکھی ہوگی!'' اس کی حاضر جوابی پر لڑکیاں داد دیے بغیر نہ رہ سکیں۔ گویا وہ ہار ماننے کو قطعی تیار نہ تھا۔ بحث ابھی جاری تھی' تبھی ندا آپی ماہا کو کھینچ لائیں۔

''اپنے میاں کو کچھ سمجھاؤ کہو ورنہ ننگے پاؤں واپس جانا پڑے گا۔ ہم جوتا واپس نہیں دیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ وہ حسب معمول سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ لڑکیوں کے اصرار پر دھیرے سے سر جھکا کر اسے دیکھنے لگی۔

''دے دیجئے نا!''

اور تب اس نے مسکراتے ہوئے جیب سے پرس نکال کر ان کو ادائیگی کر دی۔

''ارے واہ! ہم گھنٹہ بھر سے ایسے ہی بحث کرتے رہے پہلے ہی ماہا کو لے آتے تو اتنی مشکل تو پیش نہ آتی!'' ایک کزن مسکراتے ہوئے بولی تو وہ دھیمے سے مسکرا کر سر جھکا گئی۔

''ظاہر ہے۔ ہماری گورنمنٹ کا جو آرڈر ہوگا اسے تو ہمیں ماننا ہی پڑے گا نا۔'' وہ اس کے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈالتا ہوا بولا تو تمام لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ جانے یہ محفل اور کتنی دیر جمی رہتی کہ تبھی خالہ نے آ کر محفل برخاست کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

''بس بھئی بچیو! تم چلو اب رات بہت ہوگئی ہے۔ دلہا میاں آرام کریں گے۔ باقی باتیں صبح کر لینا۔''

اور تب خدا خدا کر کے وہ لوگ رخصت ہوئیں اور اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ کافی دیر کھڑا کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ یقیناً اسی کا کمرہ تھا۔ بہت نفاست کے ساتھ آراستہ کلر اسکیم۔ پردے۔ کارپٹ فرنیچر ڈیکوریشن پیس سب کمال درجے کے ذوق کے حامل لگ رہے تھے وہ کافی دیر تک سائیڈ ٹیبل پر رکھی اس کی تصویر کو دیکھتا رہا پھر بیڈ پر آ گیا کشن پشت میں رکھ کر قدرے نیم دراز ہوگیا پھر یونہی دل بہلانے کو ٹی وی سیٹ آن کر لیا اور یونہی چینلز بدلنے لگا۔ نظریں اضطراری انداز میں بار بار گھڑی کی سوئیوں پر ٹک جاتیں۔

(یقیناً کسی کا انتظار کرنا دشوار ترین عمل ہے) اس کا انتظار کہیں لاحاصل تو نہیں وہ آئے گی یا نہیں۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا تبھی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی وہ جھٹ اس سمت دیکھنے لگا۔ ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے وہ کاٹن کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس بے حد سادہ سی لگ رہی تھی۔

''دودھ لے لیجئے!''

''رکھ دیجئے!'' پرتکلف لہجے کے جواب میں وہ بولا۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے پلٹنے لگی تھی' جب اس نے آنچل تھام لیا۔ وہ پلٹ کر سوالیہ

نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ذرا بیٹھو مجھے ایک ضروری بات کہنی ہے۔" ماہا نے اسے دیکھا پھر سر جھکا گئی۔ (ایک تو یہ لڑکی جانے کیوں اسے احساس جرم میں مبتلا کر رہی تھی)

"مجھے نیند آرہی ہے!" اس کی آواز اور لہجہ دھیما تھا۔

"شب بھر میں بھی نہیں سویا۔" وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔ وہ چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی پھر سر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

"تم یہاں نہیں سوؤ گی۔" وہ یکدم پوچھ گیا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر سر نفی میں ہلا دیا۔

"یہ کمرہ تمہارا ہے۔"

"ہوں۔"

"بہت خوبصورت ہے بالکل تمہاری طرح نفیس اور جاذب نظر۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ میں آدم خور نہیں ہوں!" تبھی وہ بولا تو شرمندہ سی ہو کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

"مجھ سے ڈرتی ہو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماہا کا دل یکبارگی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"نن۔ نہیں تو۔" وہ یقیناً یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ پھر مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟ اور وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئی وہ اطمینان کے ساتھ شرٹ اتارنے لگا۔

"آپ کچھ کہنے والے تھے؟" خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ دل یکدم کانوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"ہوں۔ گرمی کچھ زیادہ نہیں ہو رہی۔ اے سی کی کولنگ بڑھا دو پلیز۔" موسم ان دنوں خاصا خوشگوار تھا۔ اکتوبر کے اوائل کے دن تھے' مگر اسے مجبوراً حکم کی پاس داری کرنا پڑی اے سی کی کولنگ کر کے واپس اس کے پاس آن رکی۔

"اس طرح کیوں کھڑی ہو کیا مار کر بھاگنے کا ارادہ ہے؟" اس کا انداز شرارت سے پُر تھا۔ مگر وہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ یونہی کھڑی رہی تھی اور تب اس نے ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب

گرا لیا تھا۔

"آپ کو جو بھی کہنا ہے جلدی کیجئے۔" وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں تمہاری ٹرین چھوٹی جا رہی ہے کیا؟" یکدم وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "ماہا تم بیوی ہو میری' کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ تمہیں قریب بٹھا کر کچھ کہہ سکوں۔ جائز تعلق ہے ہمارے بیچ۔ لیکن تمہارا انداز دیکھ کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کسی جرم کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ تمہارے گھر میں جتنے بھی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنی مکمل رضامندی اور خوشی سے تمہیں مجھے سونپا ہے اور یہ بات اس گھر میں موجود لوگ ہی نہیں تم بھی جانتی ہو کہ میں تمہارا شوہر ہوں پھر یہ ڈر اور گریز چہ معنی؟"

"ہمارے ہاں کے لوگ خاصے قدامت پرست واقع ہوئے ہیں پھر یہ بات مجھے خود بھی مناسب نہیں لگتی۔" وہ خجل سے انداز میں کہہ کر سر جھکا گئی۔

"احسان نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا پھر بولا۔

"احتیاط ایک طرف۔ مگر اب ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بندہ بات کو ترس جائے۔"

"آپ کچھ کہنے والے تھے۔" وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا' جب اس نے سر اٹھا کر یکدم اسے یاد دلایا۔ وہ خاموش ہو کر اسے تکنے لگا پھر یکدم دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

پھر وہ اس کا مخروطی ہاتھ تھام کر دھیمے انداز میں مسکرایا تھا اور ماہا کے دل کی دھڑکنیں لمحہ بھر میں ہی زیر و زبر ہو گئی تھیں۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"اپنے جائز حق سے میں کبھی بھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔ جو شے میری ہے وہ میری ہی ہے اسے حاصل کرنے سے مجھے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔" اس کے ہاتھ پر بنے مہندی کے نقش و نگار کو وہ دیکھتے ہوئے سرسری سے لہجے میں بولا تھا۔ لہجہ بے معنی اور بات نظر انداز کیے جانے کے قابل یقیناً نہیں تھی وہ بھی نا سمجھ نہ تھی۔ نشانہ یقیناً اس کا بلاوجہ یا گریز اور سرد رویہ تھا۔ تبھی وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"بہر حال انسان ہوں فرشتہ نہیں' مگر اس کے باوجود اپنے نفس پر قابو پانے کا ہنر جانتا ہوں اپنی جائز شے کو چور دروازوں کے ذریعے حاصل کرنا میرے نزدیک بھی معیوب فعل ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید بولا تھا۔ "میں بہت اچھا نہیں ہوں مگر بہت برا بھی نہیں ہوں۔ میاں بیوی کے رشتے کی حقیقت ایک طرف لیکن میں کسی بھی رشتے کی

بنیاد" اعتماد" و" بھروسے" کو قرار دیتا ہوں۔ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے نہ سہی لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک دوست کی حیثیت سے تم میرا اعتبار کرو' مجھ پر اعتماد کرو۔ اگر تم مجھے یہ شرف عطا کرو گی تو یقیناً یہ میری خوش بختی ہوگی وہ دور گزر چکا جب بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا' کم از کم میں تو اس لوجک کو رد کرتا ہوں جس میں ایک فریق زمین سے لگا بیٹھا ہو اور دوسرا ساتویں آسمان پر براجمان نظر آئے حقوق کی ترسیل مساویانہ بنیادوں پر ہی ہو سکتی ہے۔ تم پڑھی لکھی ہو۔ باشعور ہو' یہ بات تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہوگی۔" اس نے رک کر اس کی جانب دیکھا تو ماہا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبھی وہ بولا۔

"ساری صورتحال تمہارے سامنے ہے۔ جو کچھ بھی ہوا ہے اس سے تم واقف ہو میں بھی تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا ہوں۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو تمہاری یہ خاموشی۔ یہ گریز یقیناً بے معنی نہیں ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکا' مگر اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا' تبھی وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"دوسری بات یہ کہ ہم جلد ہی پاکستان کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔" اپنی پیکنگ وغیرہ مکمل کر لو۔" اس کی یہ بات اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بھی جیسے اس کی کیفیت سمجھ گیا' تبھی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ تب وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی گردن جھکا گئی۔

"مجھے اسکالرشپ مل گئی ہے' میں ہائر اسٹڈی کے لیے عنقریب باہر جا رہی ہوں۔"

"اس فرار سے کیا حقیقت بدل جائے گی؟" وہ اس کے چہرے کو تھام کر عین اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے اعتماد سے بولا تو جیسے اس کی ہمت جواب دے گئی یکدم آنکھیں بھریں اور چھلک بھی گئیں وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی اس کے سامنے مگر کمبخت آنسوؤں پر اس کا اختیار بھی نہیں رہا تھا سو اب بھی بے توقیر کر گئے۔

"اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر تمام موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا۔

"جو بھی دل میں ہے اسے کہہ دو!"

اور تب وہ بول پڑی۔

"میں اتنی باہمت نہیں ہوں نہ ہی اتنی وسیع النظر و وسیع القلب واقع ہوئی ہوں' آپ نے صحیح کہا کہ تمام صورتحال میرے سامنے تھی' اور اسی لیے میں مسلسل انکار کر رہی تھی' مگر گھر

والوں کی عزت و ناموس کے لئے مجھے مجبوراً آپ کی زندگی میں داخل ہونا پڑا۔ دوسرے لفظوں میں مسلط ہونا پڑا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں آپ نے بھی یہ فیصلہ اپنی خوشی و رضامندی سے کم اور دباؤ سے زیادہ انجام دیا ہے' کیونکہ میں جانتی ہوں' کہ میں آپ کی خواہش یا آرزو ہرگز نہیں تھی۔ یقیناً خاندانی وقار و عزت کے پاس کے لئے آپ کو بھی۔"

"میں ایک باشعور ذی ہوش انسان ہوں' اور تمام فیصلے عقل سے ہی کرتا ہوں' تم میری زندگی و ذات کا حصہ تو بہت پہلے سے تھیں' لیکن تمہیں باضابطہ طور پر اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ بھی سراسر میرا ذاتی ہے۔ مجھے قطعاً کسی نے مجبور نہیں کیا' اور تم یہ بھی مت سمجھو کہ میں ہمدردی کا چولا پہن کر تمہیں "دان" کر رہا ہوں' نہ تو میں کوئی ساہوکار ہوں اور نہ ہی کوئی سخی صفت درویش' یہ بات سچ ہے کہ میں ایک دردمند حساس دل رکھتا ہوں' اور تمہیں اپنانے کا مقصد بھی اپنے ضمیر کے سامنے "جواب دہی" کا جزو تھا' میرے والدین نے اس رشتے سے بے خبر رکھ کر یقیناً اچھا نہیں کیا' ورنہ میں زندگی میں کبھی بھی اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا۔ باخدا اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ میں اٹھ یا کسی عام سی لڑکی کو نہیں اپنی منکوحہ کو دیکھنے جا رہا ہوں' تو یقیناً یہاں آ کر ایک نگاہ غلط انداز میں کسی اور پر نہ ڈالتا' مگر مجھے افسوس اسی بات کا ہے کہ مجھے بے خبر رکھا گیا۔ تمہیں فقط ایک کزن کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا' اور میں یہ سمجھ بیٹھا کہ پسند و ناپسند کا اختیار میرے پاس ہے' اس لیے میں نے وقتی طور پر تمہیں رد بھی کر دیا' اب یہ مت سمجھ لینا کہ جان بوجھ کر رد کیا' بلکہ تم جانتی ہو میں کسی کو زبان دے چکا تھا۔ عہد کر چکا تھا جو کہ مجھے ہر صورت میں پورا کرنا تھا۔ تمہیں رد کرنے کا مقصد تمہاری انا یا خودداری کو زک پہنچانا نہیں تھا' میرا مقصد کبھی بھی کسی کی تذلیل کرنے کا ہرگز نہ رہا تھا' یہ قدرت کے فیصلے تھے' جنہیں ہمیں قبول کرنا تھا۔ سو میں نے قبول کیا۔ مکمل رضامندی اور آمادگی کے ساتھ دل' محبت' ایک طرف مگر تمہیں جب اپنی زندگی میں شامل کیا ہے' تو تمہاری تمام تر ذمے داری بھی میرے کاندھوں پر آ جاتی ہے۔ تمہیں خوش رکھنا مطمئن رکھنا۔ سکھ دینا' سب میرے فرائض میں شامل ہے' اور ان فرائض کو منصفانہ طریقے سے پورا کرنا ہی میرا فرض تھا۔ مگر اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ میرا دل تمہارے لیے نہیں ہے' یقیناً دل آمادہ تھا' تو اتنا بڑا فیصلہ کیا' ورنہ تمہاری زندگی کو برباد کرنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ تم باشعور اور عقلمند لڑکی ہو' یقیناً میری بات کو سمجھ سکتی ہو' جذبات اچھی چیز ہیں' لیکن ہمیشہ جذبات

سے بھی کام لینا مناسب نہیں۔ ابھی تم وقتی طور پر فرار چاہ رہی ہو۔ لیکن سوچو یہ فرار کب تک ہوگا' دو سال' چار سال آخر کار تو تمہیں میرے پاس ہی لوٹنا ہے کہ میں تمہیں کبھی بھی اپنی زندگی سے خارج نہیں کروں گا' یہ بات تو طے شدہ اور تسلیم شدہ ہے' دوسری اور آخری یہ کہ سارے تعلقات دل سے ہی تو نہیں بنتے پھر کیا ضروری ہے کہ محبت بھی فقط ایک ہی شخص کے لیے مختص ہو کر رہ جائے۔ تمہیں کیا یقین ہے کہ میں تمہیں کبھی محبت نہیں دے پاؤں گا۔''

وہ بہت خاموشی سے سنتی اچانک سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی' تبھی اس نے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''قربت اپنائیت اور محبت کو جنم دیتی ہے' اور شادی تو ایسا بندھن ہے کہ دو یکسر اجنبی افراد بھی ایک دوجے کے بے حد قریب آجاتے ہیں' دو بولوں کی کچی ڈور بے حد مضبوط تعلقات استوار کرتی' ہے یہ بات اٹل حقیقت ہے ہمارے معاشرے میں کتنی تو میرج ہوتی ہیں؟ اور کامیاب رہتی ہیں؟ یہ بات تم بھی بخوبی جانتی ہوگی' یہ ساری کہانیوں کی باتیں ہیں' سچ تو یہ ہے کہ شادی ایک مضبوط بندھن ہے' جو محبت' خلوص اور اعتماد کو جنم دیتا ہے۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں؟'' اس نے مسکرا کر اس سے تصدیق چاہی' تو اس نے جھکے سر کو نفی میں ہلا دیا' تب اس نے دھیرے سے اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا۔

''کیا اب بھی بھاگو گی مجھ سے؟'' وہ عین آنکھوں میں جھانکتا ہوا پوچھ رہا تھا' ماہا نے اسے ایک نظر دیکھا پھر سر جھکا گئی۔

''مگر وہ بجیلہ؟'' اس کے انداز میں جانے کیا بات تھی کہ وہ یکدم مسکرا دیا۔

''وہ تو دوست ہے تمہاری۔ بیسٹ فرینڈ۔ بچپن سے ساتھ ہی رہی ہو تا حیات کیا یہ ساتھ خوشی سے اور سلوک سے نہیں نبھا سکتیں؟ پتا نہیں وہ مذاق کر رہا تھا' یا واقعی سنجیدہ تھا وہ سمجھ نہ پائی' تبھی کچھ بولی بھی نہیں۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

''تمہیں تو شکر گزار ہونا چاہیے میرا کہ تم دونوں کو سدا کے لئے اکٹھا کر دیا' اب تم دونوں کبھی دور نہیں رہو گی۔'' اس کا انداز بھرپور شریر تھا۔ وہ بھی لمحہ بھر کو مسکرا دی پھر بولی۔

''کیا وہ راضی ہے اس بات کے لئے؟''

''تم راضی ہو؟'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔ وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر سر جھکا گئی۔

''میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں؟''

''فیصلے پل بھر میں تو نہیں ہوتے۔'' اس کی باتوں نے اسے بہت اعتماد دیا تھا' تبھی اب وہ بھی بہت مطمئن سے انداز میں بات کر رہی تھی۔

''دل و نظر کے' فیصلے تو پل بھر میں ہی انجام پاتے ہیں' اس کا انداز و لہجہ شرارت سے پُر تھا۔ یقیناً وہ اس کے چہرے کی کتاب پڑھ چکا تھا۔'' آنکھوں سے ہویدا حقیقتوں کو جان چکا تھا وہ رسٹ واچ دیکھتی ہوئی یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جواب سے آگاہ تو کیا ہی نہیں آپ نے؟''

''بعد میں دوں گی۔''

''میرے پاس وقت کم ہے یوں بھی پہلے ہوئے یا طے شدہ فیصلوں پر وقت صرف کرنے والے احمق اور بیوقوف کہلاتے ہیں۔ آنکھیں انسان کی سب سے بڑی گواہ ہوتی ہیں ہمیشہ سچ بولتی ہیں؟'' وہ باور کرا رہا تھا۔ یکدم ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ چہرہ اور نظر شناس ہیں؟''

''کسی حد تک!'' وہ مسکرایا۔

''تو پھر بتائیے میری آنکھیں اور چہرہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' جانے کیسے بلا ارادہ پلٹ کر وہ کہہ گئی تھی' اور نتیجے میں اب خجل سی سر جھکائے کھڑی تھی' اور اس کی کیفیت پر خفیف سا مسکرایا' پھر دھیرے سے اٹھ کر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا' چند ثانیے تک بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا' اس کی نظریں جیسے اس کے اوسان خطا کرنے لگیں' اس کے قرب حواسوں پر بجلی سی گرانے لگی۔ فراخ سینہ اس کے بے حد قریب تھا' دل کی دھڑکنیں جیسے بیداری ہونے لگیں دل سینے میں اس قدر تیزی سے دھڑکنے لگا گویا ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا' وہ پلٹ کر بھاگ جانا چاہتی تھی' مگر تبھی ہاتھ بڑھا کر اس نے اسے آہنی گرفت میں لے لیا۔ پھر بائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

''ہوں آنکھوں میں بھید تو ہیں کچھ''

اس کی پلکوں کی لرزش اور بھی بڑھ گئی وہ مزید جائزہ لینے لگا۔

''چہرہ بھی کچھ کہہ رہا ہے مگر میں جواب دوں گا تو شاید تم اسے گستاخی جانو گی۔'' اس کا دھیما پرتپش لہجہ اس کی سماعتوں میں جیسے رس سا گھول گیا وہ اس قدر قریب تھا کہ دھڑکنوں کی آوازیں تک بخوبی کانوں تک پہنچ رہی تھی اس کی نظروں کی تپش سے جسم و جان جیسے پگھل

سے رہے تھے۔

"اجازت ہے۔" دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس نے باقاعدہ "اجازت نامہ" طلب کیا تھا مگر وہ اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنے میں اتنی بری طرح مصروف تھی کہ اس کی بات سن ہی نہ سکی' اس کی آنکھوں کی شرارت لہجے کی شوخی کچھ بھی تو نہیں جان پائی تھی' وہ اور تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اعیان اس کے حیا آلود انداز پر' بلکہ سر پر پاؤں دھر کے بھاگ جانے کی کیفیت پر بھرپور طور پر محظوظ ہو کر مسکرایا تھا۔

اور وہ جو وہاں سے بھاگی تھی تو کمرے میں آ کر ہی دم لیا تھا' (جویریہ کے اور اپنے حالیہ مشترکہ کمرے میں) دکتنی ہی دیر تک دروازے سے لگ کر گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔ پھر ایک دلکش تصور کو یادداشت کے خانے میں محفوظ کرتے ہوئے چہرے پر ہاتھ رکھ کر دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ دھڑکنوں میں ابھی بھی ارتعاش سا تھا اس کی خوشبو جیسے اس کے سنگ ہولی تھی۔

جویریہ بے خبر سو رہی تھی' گو نیند اس کی آنکھوں سے اب اڑ چکی تھی' مگر وہ اس کے برابر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

✦ ◈ ✦

دوسرے دن ماما پاپا ہوٹل سے انہیں رسم کے طور پر واپس لینے آ گئے' باقی رشتے داروں میں سے کچھ تو واپس روانہ ہو گئے تھے' اور کچھ یہاں رشتے داروں سے ملنے میں مصروف تھے۔ ماما کے والدین کا کہنا تھا کہ ان لوگوں (اعیان کو اس کے ماما پاپا) انہیں کے ہاں قیام کرنا چاہیے۔ جتنے دن تک وہ یہاں ہیں' مگر انہوں نے سہولت سے منع کر دیا تھا۔

"آپا آپ غلط کر رہی ہیں کیا یہ گھر آپ کا نہیں؟" ماہا کی امی نے بہن سے شکوہ کیا تھا۔

"سائرہ گھر تو اپنا ہی ہے' مگر اب فقط بہن ہی نہیں ہو تم میری سمدھن بھی ہو اور سمدھن کے ہاں زیادہ دن قیام اچھا نہیں ہوتا' پھر اور لوگ بھی ہیں میں خود یہاں آ رہا ہوں' وہ سب ہوٹل میں پڑے رہیں تو مناسب نہیں لگتا۔" انہوں نے سہولت سے کہا تو وہ چپ ہو گئیں۔

تبھی ماہا سبز کامدار ساڑھی میں تیار باہر آئی' تو وہ اس سے ملنے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آداب!" ماہا نے احترام سے سلام کیا۔

"جیتی رہو!" انہوں نے اسے ساتھ لگا کر پیار کیا۔ "میں تو اپنی بیٹی کی صورت دیکھنے کو ترس گئی تھی!" انہوں نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی' تبھی اعیان پشت سے برآمد ہوا۔

"بہو کے ملتے ہی اپنے بیٹے کو بھول گئیں آپ؟" اس کے شرارت سے پُر شکوے پر ماما ہنس پڑیں۔

"تُو۔ تو جان ہے میری! مگر کہتے ہیں نا مول سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔"

"مگر ماما سود تو فی الحال ناپید ہے۔" وہ پُر شرارت سے انداز میں بے ساختہ ہی بولا تھا اور جہاں کمرے میں موجود لوگ بے ساختہ ہنسے تھے' وہیں وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔

"بے عقل کہیں کا۔" ماما نے مسکراتے ہوئے اسے ایک چپت رسید کی۔

"ماما۔ پاپا کہاں ہیں؟"

"وہ تمہارے خالو کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں ملے نہیں کیا تم ان سے؟"

"جا رہا ہوں!" وہ اس کے سرخ جھکے چہرے پر ایک نگاہ غلط انداز میں ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

پھر اسے لوٹ تو دوسرے ہی دن جانا تھا' مگر سبھی رشتے داروں کے پُر زور اصرار پر انہیں رکنا پڑا کہ عرصے بعد یہاں آنا ہوا تھا' اور اب سبھی نئے جوڑے کی آؤ بھگت کرنا' اور ملنا چاہ رہے تھے۔ دوسرے ایک اہم کام اور بھی نمٹانا تھا' یہی بات سوچ کر اس نے اپنا ارادہ از خود ملتوی کر دیا تھا۔ وہ جمیلہ کو اب ہر صورت ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا' اور اس کے لئے اسے ماما پاپا کی رضا بھی درکار تھی' وہ اسے دوبارہ کسی نئی آزمائش کے لئے یہاں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ تبھی اسے ساتھ لے جانے کی عملاً تیاریاں کرنے لگا۔ ماما پاپا سے بھی بات کرنا ضروری تھا' مگر ان دنوں دعوتوں میں وہ لوگ اتنے مصروف تھے کہ اسے وقت ہی نہ ملا' اور اس دن اچانک ہی ماما نے انہیں ہنی مون پریڈ کے لیے ہندوستان کے دلکش علاقوں میں جانے کی رائے دی تو جانے کیوں دونوں ہی چپ سے ہو گئے۔ بہرحال ماما کے سامنے وہ دونوں کچھ نہیں بولے' مگر جونہی وہ گئیں ماہا دھیرے سے بولی۔

"آپ کو جلد از جلد ماما پاپا کو جمیلہ کے متعلق آگاہ کر دینا چاہیے۔"

"ہوں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"آپ نے اسے ساتھ لے جانے کا بندوبست تو کر لیا ہے نا؟" وہ ذمے دارانہ لہجے

میں پوچھتی ہوئی جانے کیوں اعیان کو بے حد مخلص اور اپنی سی لگی۔

"ہوں!" پھر جانے کیوں پوچھ بیٹھا۔

"تم نے ماما کی بات سنی۔ کیا تم ہنی مون کے لئے جانا چاہتی ہو؟"

اور وہ جو مکمل اعتماد کے ساتھ بیٹھی ہوئی گفتگو کر رہی تھی' یکدم ہی بلش ہوگئی۔ بلا ارادہ نگاہ اٹھ گئی' وہ مبہم سے انداز میں مسکرایا۔ وہ فوراً نگاہ جھکا گئی۔

"یہ بات اس وقت اتنی اہم نہیں پھر میں کسی کے حقوق غصب کر کے کوئی الزام اپنے سر نہیں لے سکتی۔"

"تم بڑی ہو۔ حق تو پہلا تمہارا ہی ہے!" وہ یکدم شرارت سے پُر انداز میں مسکرایا وہ خجل سی ہوگئی۔

"میں خود غرض نہیں بن سکتی!"

"خود غرضی کی کیا بات ہے اس کا حق اسے مل چکا ہے جب کہ تم" وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرایا وہ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھنے کی جسارت نہ کر سکی مگر اس کے تیروں سے بچنے کے لئے "حفاظتی بند" باندھتی ہوئی فوراً بولی۔

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں!"

"کیوں کیا اسے بھی اپنے ہنی مون پریڈ میں شامل کرنا چاہتی ہو!" اس کا انداز بدستور قائم تھا وہ کچھ نہ کہہ سکی یونہی سر جھکا کر ناخنوں سے کیوٹکس کھرچنے لگی۔ اسے شاید اس پر ترس آ گیا' تبھی مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا۔

"ویسے میرا پروگرام یورپ کا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ زچ سے انداز میں بولی تو وہ یکدم بلند آواز میں ہنس پڑا۔

"اچھا۔ بتاؤ کب ملنا چاہتی ہو؟"

"جب آپ لے چلیں۔"

"چلو تیار ہو جاؤ۔"

وہ اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے بولا' تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال رہی تھی تبھی وہ بولا۔

"ایک سوتن سے ملنے کے لیے اتنا ذوق وشوق پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے۔"

"سوتن تو وہ بعد میں بنی ہے' پہلے بہت اچھی دوست ہے۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔

"کیا یہ دوستی مستقبل میں بھی بدستور قائم و دائم رہنے کے امکانات ہیں؟"

"ضرور اگر دشمنوں کی نظر نہ لگی تو!" وہ بے ساختہ کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ ایک گہری مسکراہٹ یکدم ہی اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

اعیان اسے خالہ کے ہاں چھوڑ کر خود جانے کہاں نکل گیا۔ جمیلہ باتھ لے رہی تھی' اس لئے وہ بیٹھی خالہ سے باتیں کرتی رہی۔ لیکن اس کے دل و دماغ میں مسلسل بے کلی سی مچی ہوئی تھی' جانے وہ اسے سامنے دیکھ کر کیا رسپانس دیتی کیا کہتی؟ وہ اگرچہ مکمل پرسکون اور پر اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس کی اندرونی کیفیت اس کے برعکس تھی' دل و دماغ میں کئی خدشے تھے۔ وہ ہی سوچوں میں غلطاں تھی خالہ اس کے لئے چائے بنانے گئی ہوئی تھیں' جب اچانک ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی' وہ اٹھ کھڑی ہوگئی اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ سجی تھی۔ جمیلہ نے یکدم اسے ٹھہر کر سر سے پاؤں تلک دیکھا مسٹرڈ ساڑھی کے ساتھ ہلکا سا گولڈ کا سیٹ پہنے لائٹ سے میک اپ کے ساتھ وہ خاصی دلکش اور باوقار لگ رہی تھی۔

"مکمل شاہکار۔" معزز' عزت دار۔ شخصیت کے تمام پرتو بے مثال تھے۔ مکمل طور پر "مسز اعیان عمر شیخ" کے ترجماں۔ لمحہ بھر کو جیسے رقابت کا ایک جذبہ اس کے دل میں عود کر آیا۔ ماہا جیسے اس کی کیفیتوں کو بھانپتے ہوئے مسکرائی۔

"ہیلو!"

وہ ذرا سی چونکی۔ پھر دوسرے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے مسکراتی ہوئی آگے بڑھ آئی اور بھرپور گرم جوشی کے ساتھ گلے ملتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے تمہیں میری یاد تو آئی۔"

"یاد تو مجھے تھی مگر۔" وہ جانے کیوں بات ادھوری چھوڑ گئی' پھر ان کے درمیان جانے کیوں مکمل خاموشی حائل ہوگئی۔

"کوئی..... کوئی بات کر دنا۔" ماہا نے مکمل خاموشی سے گھبرا کر جیسے اسے مخاطب کیا خالہ کو جیسے موقع محل کا احساس تھا' تبھی وہ قصداً وہاں نہیں آئی تھیں۔ شاید وہ بھی مکمل وقت انہیں

دینا چاہ رہی تھیں' اور اعیان کی سوچ بھی یقیناً یہی تھی۔ تبھی تو وہ اسے یہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''ہوں۔ تم۔ تم کچھ کہو نا۔'' بجیلہ اچانک چونک کر مسکرائی۔ انداز پر تکلف اور اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا' کیسی عجیب بات تھی' بچپن سے وہ ساتھ رہی تھیں' ساتھ پلی بڑھی تھیں' ساتھ کھیلیں تھیں' مگر اب زندگی کے اس موڑ پر جانے کیوں یکدم ہی اجنبی ہو کر رہ گئی تھیں' مگر دونوں کو ہی شاید اس بات کا احساس بھی تھا' دونوں ہی شاید اپنے رویوں کا تدارک کرنا چاہ رہی تھیں۔ مگر فی الحال جیسے دونوں ہی ناکام تھیں۔ دو جملوں کے تبادلے کے بعد ان کے درمیان پھر ایک خاموشی سی چھا گئی' تبھی ماہا تمام ہمتیں مجتمع کر کے بولی۔

''جو کچھ بھی ہوا یقیناً اس میں ارادی کیفیت کو دخل حاصل نہیں رہا۔ پھر ہمیں ایک دوسرے کو مجرم سمجھنے کا بھی کوئی حق نہیں' اگرچہ صورتحال کو قبول کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن پھر بھی اگر میری وجہ سے اگر کسی کو زک پہنچنے کا احتمال ہو تو میں باخوشی راہ گزر بدلنے کو تیار ہوں' میں ان لوگوں میں سے نہیں جو تقدیر کا لکھا جان کر بڑے سا بڑا جبر سہہ جاتے ہیں۔ خدا گواہ ہے میں نے کبھی کسی کا حق غصب کرنے کے متعلق نہیں سوچا' اور اب بھی جبکہ شادی کو دس دن ہو گئے میں نے قانونی و شرعی حقوق حاصل ہوتے ہوئے بھی اپنا کوئی حق حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی' اور ایسا میں نے قصداً کیا ہے' کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ کسی اور کی امانت ہیں کسی اور کا حق ہیں میں تو بس اتفاقاً ہی ان کی زندگی میں داخل ہو گئی' اور ان پر مسلط کر دی گئی' ان کی خواہشوں کا محور تو یقیناً تم ہو' میں اگرچہ حالات کی ستم ظریفی کے باعث ان کی زندگی میں داخل تو ہو گئی ہوں' لیکن مستقل قیام کے لئے میری اپنی مرضی یا رائے کو دخل نہیں۔''

اس کا لہجہ سنجیدہ اور ٹھہرا ٹھہرا سا تھا۔

لیکن اگر وقت مجھے کسی کے ''بیچ'' لے آیا ہے' تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں وقت کے رحم و کرم پر ہو کر اس سیل رواں میں بہہ نکلوں گی' بلکہ اپنی راہیں آپ متعین کرنے کا حوصلہ اور عزم میرے اندر موجود ہے' سوال اگرچہ طویل ہے۔ لیکن مفہوم بے حد واضح ہے' میں تمہارا جواب چاہتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اس کی سمت دیکھنے لگی' بجیلہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' اور دیکھتی چلی گئی پھر بولی۔

''خود کو اتنا عظیم مت کرو کہ کوئی تمہاری دھول چھونا بھی چاہے تو نہ چھو سکے۔ میں عورت ہوں' عورت کے دکھ سمجھ سکتی ہوں۔ رواداری میں اپنا آپ گنوا دینا یقیناً عقل مندی نہیں' میں تمہاری عظمت کی قائل ہو چکی ہوں۔ محبت انسان کو تنگ دل اور تنگ نظر بنا دیتی ہے۔ ایسا سنا تھا میں نے کہ انسان اپنی شے پر کسی اور کی ایک نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا' لیکن محبت ایثار و قربانی کا بھی دوسرا نام ہے۔ وسعت اور بلند نظری کو بھی ظاہر کرتی ہے' اور یہ محبت کی معراج ہوتی ہے کہ جب بندہ ہر سوچ سے بالاتر ہو کر فقط محبت کے متعلق سوچتا ہے۔ تب اس کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ محبت دلوں کو اٹوٹ بندھنوں میں باندھتی ہے کچھ لیتی ہے تو بہت کچھ دیتی بھی ہے' جیسے کہ تم مجھے نواز رہی ہو۔ وہ سب کچھ ہے تمہارا' لیکن تم انہیں میری دہلیز پر چھوڑ گئیں۔ مجھے اعتراف ہے تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو کبھی اس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ نہ کر پاتی' لیکن آفرین ہے تم پر میں تمہاری ممنون ہوں۔ مقروض ہوں' احسان مند ہوں' مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔ وہ میرا کچھ ہونے سے قبل تمہارے بہت کچھ تھے' لیکن تقدیر جانے کیوں ہمیں اس موڑ پر لے آئی۔ بہر حال کیا ہی بہتر ہوگا کہ ہم تقدیر یا وقت کو دوش دینے کے بجائے ہوش مندی اور مصلحت پسندی کو ترجیح دیں' اور جو وقت کہہ رہا ہے اسے قبول کر لیں' جو کہ حقیقت بھی ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے یکدم مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' تو ماہا یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی' تب وہ بے حد پرسکون انداز میں سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی۔

''وہ جتنے میرے ہیں اتنے ہی تمہارے بھی ہیں' بلکہ ہم دونوں کے ہیں' یہ سچائی اٹل ہے' پھر اسے قبول کرنے میں بھی ہمیں تامل نہیں ہونا چاہیے' چلو مل کر نئی زندگی کو خوش آمدید کہتے ہیں' ہاتھ میں ہاتھ لے کر نئی راہوں پر قدم رکھتے ہیں۔'' ماہا نے اسے دیکھا' وہ دوستانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ آنکھوں میں امید کے دیئے روشن تھے' ماہا یکدم اس سے لپٹ گئی۔

''آج میرے دل سے بہت سا بوجھ سرک گیا ہے۔'' بجیلہ نے جیسے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ ''لیکن ایک فکر اور پریشانی مسلسل ستا بھی رہی ہے۔'' وہ حسرت و یاس بھرے لہجے میں بولی تو ماہا اسے حیرت سے تکنے لگی۔

''وہ کیا؟''

''اگر مجھے اعیان کے والدین نے قبول نہ کیا تو۔'' اس کا لہجہ بے حد کمزور تھا۔ ''میں تمام کشتیاں جلا کر آئی ہوں' واپسی کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں۔'' اور تب ماہا نے اس کے

ہاتھ گرم جوشی سے تھام لیے۔

"تم نے اپنی محبت کا ایک عظیم ثبوت دیا ہے' اپنا گھر چھوڑا ہے۔ رشتے ناتے چھوڑے ہیں' مذہب چھوڑا ہے۔ اور اسلام تنگ دل مذہب ہرگز نہیں کہ تمہیں اپنی وسعتوں میں نہ سمیٹے' اعیان شاید ابھی تک انہیں آگاہ ہی نہیں کر پائے ہیں' ورنہ وہ تمہیں قبول کرنے میں یقیناً دیر نہ کرتے۔ ماما پاپا بہت اچھے ہیں' بہت وسیع النظر' پُر شفقت اور باشعور' ایک بہو کے روپ میں وہ تمہیں بلا تامل قبول کریں گے۔ پھر تم انہیں خاندان کا وارث بھی تو سونپنے والی ہو۔" وہ آخر میں شریر سے انداز میں بولی' تو وہ جھینپ سی گئی' تبھی وہ اپنی بات کو جاری رکھتی ہوئی بولی۔

"میری اور تمہاری حیثیت میں کبھی کوئی تفریق نہیں ہوگی' محبت سب سے بڑا ہتھیار ہے اور تم بلاشبہ اس سے لیس ہو' تم ان کے رویوں کو اس ہتھیار سے بدل بھی سکتی ہو' بشرطیکہ وہ غلط ہوئے جس کی کہ مجھے امید نہیں۔" بجیلہ نے اثبات میں سر ہلایا' اور پھر جیسے یاد آتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اف مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ نئی نویلی دلہن کی کوئی آؤ بھگت ہی نہیں کی' میں چائے لے کر آتی ہوں۔" ماہا نے مسکراتے ہوئے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "نہیں رہنے دو۔ اعیان آنے ہی والے ہوں گے۔ تم بیٹھو یہاں۔"

"وہ گئے کہاں ہیں؟" بجیلہ نے ابھی دریافت کیا ہی تھا' جب اچانک ہی دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا' بجیلہ کے یہ دیکھ کر تو ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ ان کے پیچھے اس کے ماما پاپا بھی تھے۔

"اٹھ کر سلام کرو۔" وہ حیرت کی تصویر بنی یونہی بیٹھی ہوئی تھی' جب ماہا نے اسے یکدم احساس دلایا تب وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر پر جلدی سے دوپٹہ اوڑھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" ماما پاپا نے یکے بعد دیگرے اسے دعا دی۔ ماما نے بطور خاص گرم جوشی کے ساتھ اسے ساتھ بھینچ کر پیار کیا۔

"ماشاء اللہ سے چاند کے ٹکڑے ہیں میری دونوں بہوئیں۔"

"اور اس چاند کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا۔"

وہ شرارت سے بولا تھا' یکدم ہی اور ماما نے اسے ایک چپت رسید کر دی تھی۔

ماما پاپا کے ماننے کے بعد وہ ماہا کے سامنے بیٹھے ہوئے بولا۔ "مجھے یہ سب کچھ خواب لگ رہا ہے۔"

"کوئی خواب نہیں یہ حقیقت ہے' ایک جیتی جاگتی حقیقت' اور ہی ہمیشہ برقرار رہے گی۔"

"مجھے اپنی خوش قسمتی پر گمان تک نہ تھا' مگر اب یقین آنے لگا ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"اپنے اندر کے تمام خدشات کو کسی تاریک گوشے میں دفن کر دو۔ ہمیشہ کے لئے اب موسم بدل گیا ہے۔ رات پھولوں کی آگئی ہے' اب چہار سو موسم بہار رقصاں ہوگا' الفتوں کی شبنم من و تن کو سیراب کرے گی چاہت کی پھوار آشاؤں کا روپ نکھارے گی۔" وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو شرارت سے چھوتے ہوئے بولا۔

"اب آنگن میں پھول کھلیں خوشیاں رقص کریں گی!" وہ لجا کر سر جھکا گئی' تبھی وہ اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے یکدم پوچھنے لگا۔

"تم خوش ہونا؟" اس کی پرتپش نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے وہ نظریں بھی نہ اٹھا سکی۔

"آپ کو کیا لگ رہا ہے؟" جانے کیوں وہ الٹا سوال پوچھ گئی۔

"عمر گزشتہ کی کوئی یاد یا پچھتاوہ تو نہیں ستا رہا؟" وہ دھیمے لہجے میں یکدم پوچھ گیا۔ وہ فوراً نظریں اٹھا کر دیکھنے لگی' پھر دھیمے انداز میں بولی۔

"مجھے عہد گزشتہ میں نہیں حال میں جینا ہے' مجھے معلوم ہے میں جہاں پیچھے مڑ کر دیکھوں گی وہیں پتھر کی ہو جاؤں گی' اس لیے میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتی' جو میرے پاس ہے وہی سچائی ہے۔ میری عمر کا حاصل ہے' اور مجھے انہی دنوں میں رہنا ہے' جینا ہے' مرنا ہے' یہی مقام میرا سب کچھ ہے۔"

"پھر بھی یاد تو آتی ہوگی وہ رشتے بھولنے والے تو نہیں۔ اگر تم ملنا چاہو تو میری جانب سے کوئی پابندی نہیں' تم جب چاہو ملنے جا سکتی ہو' بلکہ میں خود تمہیں ملوانے لے جاؤں گا۔"

"شکریہ۔ وہ لوگ واقعی بھولنے والے نہیں' لیکن میں جانتی ہوں بابو جی مجھے کبھی اس روپ میں قبول نہیں کریں گے۔" وہ اداسی سے بولی تھی' حوالہ مذہب اور نیا استوار شدہ تعلق

تھا۔

"شاید گزرتا وقت انہیں بدل دے۔ وقت بلند سے بلند پہاڑوں میں شگاف کر ڈالتا ہے۔ وہ تو پھر والد ہیں اور والدین کے دل تو یوں بھی قدرت نے موم سے بنائے ہیں۔!"

"ہوں شاید!" وہ دھیمے سے انداز میں مسکرائی۔

"ویسے ماما پاپا کی شکل میں مجھے جو معتبر بزرگ ہستیاں ملی ہیں' ان کی سنگت میں کبھی بھی مجھے پرانے دور کی یاد زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔"

"اور ان بزرگ ہستیوں کے اس اسمارٹ سپوت کے متعلق کیا خیال ہے؟" وہ یکدم اس کا چہرہ تھام کر شرارت سے پوچھنے لگا' اس کے انداز کی خوشی اس کی آنکھوں سے ہویدا جذبوں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے وہ دھیمے سے انداز میں مسکرا دی۔

"آپ بے مثال ہیں۔"

"کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کے چوڑے فراخ سینے میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ اور اعیان اس کے آسودہ سے انداز پر ایک اطمینان کا سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا' زندگی نے اسے آزمائش میں ڈالا تھا وہ واقعی اس میں سے ثابت قدمی سے نکل آیا تھا' اور اب چار سو اطمینان و سکون رقصاں تھا' زندگی مسکرا رہی تھی۔

✦ ◈ ✦

عمراں لنگیاں پھباں پار

کہیں آرزوئے سفر نہیں' کہیں منزلوں کی خبر نہیں' کہیں راستہ ہی اندھیر ہے' کہیں پا نہیں' کہیں پر نہیں' اے ہوائے موسم غم ذرا مجھے ساتھ رکھ' میرے ساتھ چل' میرے ساتھ میرے قدم نہیں' میرے پاس میری نظر نہیں۔

چلتے چلتے اس نے رک کر ایک نظر گھڑی پر ڈالی تھی۔

یقیناً بہت دیر ہو گئی تھی۔ امینہ خانم کا خیال آیا تو اس نے واپسی کے لیے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ یقیناً وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔ وہ آئی بھی تو بغیر بتائے ہی تھی۔ اس نے سوچتے ہوئے سیاہ ہوتی شام کو بغور دیکھا تھا۔ پرندے اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ خوش خوش کہ ننھے منے گھونسلے ہی ان کا مسکن تھا' جہاں جا کر وہ اپنی دن بھر کی تھکن دور کرتے تھے۔ کتنے خوش نصیب تھے یہ پرندے۔ جنہیں ایک گھر میسر تھا.....اور وہ.....؟

شام کی گہرائیوں کے ساتھ ساتھ ایک گہرا اضطراب اس کے رگ و پے میں بھی اتر رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ یوں ہی چلتے چلتے' راہوں میں بھٹکتے بھٹکتے اپنی زندگی ختم کر ڈالے' اور کسی طرح مڑ کر اس "جہنم" میں واپس نہ جانا پڑے جہاں جا کر اسے زندگی موت سے زیادہ بدتر معلوم ہونے لگتی تھی۔ کس قدر وحشت تھی وہاں' اور اس سے دگنی وحشت وہ اپنے اندر محسوس کرنے لگتی تھیں۔

اسے گھر کا نام تو ہرگز نہیں دیا جا سکتا تھا۔ گھر بھلا ایسے کہاں ہوتے ہیں۔ وہ جب سوچتی تھی' تو خود آپ اپنی سوچوں پر اپنی باتوں پر ہنسی آتی تھی۔ کتنا "مقدس" ہے لفظ

"گھر" گھر تو سپنا ہے' جیون ہے۔ جیت ہے' مگر اینہ خانم کا یہ وسیع و عریض "قلعہ" کسی طور بھی ان خوبیوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

گھر کا تصور ہی بہت حسین اور انوکھا ہے۔ ایک ایسا مقام' جہاں دن بھر کے تھکے ہارے لوگ نہ صرف بسیرا کرنے آتے ہیں' بلکہ وہ اپنی محبت کی اینٹوں سے چاہت کے گارے کے ساتھ اس مکان کی تعمیر بھی کرتے ہیں۔ باہم خلوص اور اپنائیت کے ساتھ' ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک خوشیوں میں شریک۔ ایک ایک پل کے ہم سفر' مکین گھروں کو جنت کا سا مقام عطا کرتے ہیں' جبکہ اینہ خانم کی کوٹھی میں اندھیرا پھیلتے ہی جشن کا سا سماں ہو جاتا تھا۔ عیش پرست' لوگوں کا تانتا بندھ جاتا تھا۔ رات گئے تک رقص و موسیقی کی آوازیں' گھنگروؤں کی چھن چھن' طبلے کی تھاپ' کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتی۔

اگرچہ اس کا پورشن قدرے الگ تھلگ تھا' اور وہ ان باتوں سے بہت دور تھی' ابھی مگر پھر بھی نہ جانے کیوں اسے یہ سب بہت برا محسوس ہوتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہیں دور بھاگ جائے' مگر یہ سوچ صرف سوچ ہی رہ جاتی تھی۔ وہ ہر روز اس وحشت سے بچنے کے لیے باہر نکل آتی تھی۔ ایک بے چین' بھٹکتی ہوئی روح کے مانند ادھر ادھر بولائی بولائی پھرتی رہتی۔

سکون و اطمینان کی تلاش میں سرگرداں۔

مگر لاکھ کوشش کے بعد بھی یہ چیزیں اس کی نظروں سے اوجھل ہی رہی تھیں۔ نہ جانے کہاں تھا سکون و اطمینان۔ دنیا میں کہیں تھا بھی کہ نہیں۔ اس کی روح تو ابھی تک ان چیزوں کی متلاشی ہی رہی تھی۔

ہر روز ایک کبھی نہ ختم ہونے والا گہرا اضطراب' بے کلی۔ اس کے اندر سرایت کر جاتے تھے' اور وہ وحشت زدہ سی ماری ماری پھرتی رہتی۔ کبھی کسی سڑک پر' کبھی کسی پارک میں' کبھی کسی ریسٹورنٹ میں۔ کبھی یہاں' کبھی وہاں' مگر حاصل صفر۔

سوچوں کے دھاروں کے ساتھ اس نے خاصا فاصلہ طے کر لیا تھا' اور اب وہ اپنی رہائش گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے باہر ہی رک کر اس وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی عمارت کو دیکھا تھا۔ چند گہرے گہرے سانس لیے تھے' اور پھر اندر داخل ہو گئی تھی۔

"موبی! میری جان کہاں چلی گئی تھی تو۔ میں پریشان ہی ہو گئی تھی۔ کم از کم بتا کر جایا کر۔" اینہ خانم نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ کر جوگرز کی لیس کھولنے لگی۔

"اتنی دیر تک نہ رہا کر باہر۔ میرا دل ہولتا ہے۔" وہ پھر بولیں۔ وہ جوگرز اتار کر صوفے پر ہی لیٹ گئی۔ ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔

"ماسٹر اللہ دتہ آئے تھے۔ ابھی ابھی گئے ہیں۔ تیرا انتظار کر کے اور تیری ٹیوٹر بھی آئی تھی شام میں۔" اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ "تھک گئی ہو۔" وہ اس پر جھکیں۔ اس نے ایک نظر ان کے چہرے کی طرف دیکھا وہاں "ماما" والی خاص کیفیت تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوا کریں۔ میں ٹھیک ہوں۔"

"بے وقوف' تیری فکر میں نہیں کروں گی' تو بھلا کون کرے گا۔ چل اٹھ کھانا کھائیں۔" انہوں نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گھر بیٹھی بیٹھی بور ہوتی رہتی ہو۔ دوبارہ سے اپنی پڑھائی کیوں نہیں شروع کر دیتیں؟"

"پڑھائی۔" اس کے منہ سے نکلا اور ساتھ ہی ایک تلخ سی مسکراہٹ چہرے پر بکھر گئی۔

"آپ شاید نہیں جانتیں۔ ہماری شناخت ہمیں کبھی بھی ڈھنگ سے جینے نہیں دیتی۔"

"مت پروا کیا کر کسی کی۔ یہ دنیا بھلا کب کسی کی بنی ہے۔"

"پروا کرنی پڑتی ہے۔" وہ پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اچھا بس کر اب۔ کھانا پہلے ہی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ دیکھ آج میں نے تیری پسند کی ڈش بنوائی ہے۔ اچار گوشت' اب جلدی سے شروع ہو جا۔"

وہ مسکراتی ہوئی ڈش میں سے سالن نکالنے لگی۔

"اور سن کل کہیں مت غائب ہو جانا۔ ماسٹر اللہ دتہ میری جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے' اور ہاں تم ریاض وغیرہ بھی کرتی ہو کہ نہیں؟" اس کا نوالہ ہاتھ میں ہی رہ گیا۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے اسے دیکھا۔ "کھا کیوں نہیں رہی؟"

"بھوک نہیں ہے۔" اس نے نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اینہ خانم اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئیں۔

✦ ◈ ✦

سورج ڈھلتے ہی
یوں اترتے ہیں دل میں دکھ

جیسے خالی مکاں میں
دن بھر کے تھکے ہارے لوگ
شام کو بسیرا کرنے آتے ہیں

وہ کمرہ اندھیرا کیے پڑی تھی۔ جب امینہ خانم اندر داخل ہوئیں۔

"آخر تجھے ہوتا کیا جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ ہر طرح کا آرام ہے۔ جو خواہش کرتی ہے پوری کرتی ہوں پھر بھی..... آخر کیا چاہتی ہے تُو۔ ماسٹر صاحب آئے بیٹھے ہیں۔ چل اٹھ جلدی سے باہر آ جا ورنہ ناراض ہوں گے وہ۔"

وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی' پھر اٹھ بیٹھی۔

عجیب سی وحشت تھی اس کی آنکھوں میں۔ امینہ خانم دیکھتی رہ گئیں۔

"کیا پریشانی ستاتی ہے تجھے؟ مجھے بتا میری جان' کیا تکلیف ہے تجھے؟" انہوں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"آپ نے ابھی کہا تھا نا کہ آپ میری ہر خواہش پوری کرتی ہیں۔ پلیز ایک خواہش میری اور بھی پوری کر دیں۔ آخری خواہش سمجھ کر۔ اس کے بعد میں کوئی خواہش نہیں کروں گی۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "میں جینا چاہتی ہوں سکون کے ساتھ' اطمینان کے ساتھ اور عزت کے ساتھ۔ پلیز۔ مجھے جینے دیں۔" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی۔

"میری جان! تو اور کچھ بھی مانگ لے۔ میں تجھے دوں گی' مگر مجھ سے یہ سب نہ مانگ جو میری دسترس میں بھی نہیں۔ ہم لوگ سدا ہی ان چیزوں سے محروم ہیں۔ ہماری ذات دوسروں کو تو یہ سب کچھ مہیا کرتی ہے' مگر خود پیاسی رہ جاتی ہے۔ سکون' اطمینان ہماری قسمت میں نہیں' اور تو جو ہر گھڑی عزت کا راگ الاپتی رہتی ہے تو' اتنا سن لے کہ اس عزت کی دنیا میں ہمارے لیے کوئی مقام نہیں۔ اگر ہم عزت کی زندگی بسر کرنے بھی لگ جائیں' تو یہ دنیا والے ہمیں نہیں چھوڑتے۔ طعنوں سے ہمارا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ بٹیا مت دیکھا کر ایسے خواب جن کی کوئی تعبیر نہیں۔ آنکھوں کو اذیت مت دیا کر اپنی۔ تیری ماں بھی ایسے ہی خواب دیکھا کرتی تھی مگر....." وہ کچھ بولتے بولتے رک گئیں' پھر بولیں تو ان کی آواز گلوگیر تھی۔

"بس تو اتنا جان لے میری جان کہ ہمیں اسی حیثیت میں رہنا ہے۔ اسی دنیا میں اور ہماری دنیا ان شریفوں کی دنیا سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ چل اٹھ اب جلدی سے۔ ماسٹر اللہ

دتہ ناراض ہو رہے ہوں گے۔"

وہ انکار میں سر ہلاتی چلی گئی۔

"اب کیا ہوا؟"

"ہم اپنی حیثیت بدل بھی تو سکتے ہیں۔ بس ذرا سی کوشش۔"

"یہی اثر ہوا ہے میرے اتنا سمجھانے کا۔" امینہ خانم گھورنے لگیں۔ "بس ذرا سی کوشش۔ ارے میں کہتی ہوں تو یہ اچھا بھلا کالج کیوں چھوڑ کر بیٹھ گئی' اس لیے ناں کہ وہاں لڑکیاں تجھے عجیب نظروں سے دیکھتی تھیں' حالانکہ تو نے کبھی' انہیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا' مگر ہم لوگوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ جہاں ہم جاتے ہیں' وہاں ہم سے پہلے ہماری شہرت پہنچ جاتی ہے۔ ہم لاکھ اپنی شناخت چھپائیں' مگر سب منظر عام پر آ جاتا ہے۔ چلی ہے عزت دار بننے۔ ارے ہم ان عزت داروں سے کئی درجے بہتر ہیں۔ کم از کم ہم کسی کو دھوکا تو نہیں دیتے۔ کسی سے فریب تو نہیں کرتے' اور وہ شریف اور عزت دار لوگ رات کے اندھیرے میں کس طرح ہماری چوکھٹوں پر ہمارے تلوے چاٹتے ہیں۔ کیسے مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں یہ عزت والے' یہ تو نہیں جانتی ابھی۔ مت کیا کر ایسی باتیں۔ میرا خون جلتا ہے۔ میں جا رہی ہوں' اب جلدی سے کپڑے بدل کر نیچے آ جا۔ کوئی بہانہ نہیں سنوں گی اب میں۔" انہوں نے سخت انداز میں کہہ کر اسے دیکھا' اور باہر نکل گئیں۔ وہ مرے ہوئے دل کے ساتھ کمبل ہٹا کر اٹھی۔ الماری سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گئی۔ "ہم اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔" اس نے یہی سوچا تھا۔

دیر تک ریاض کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آن گری تھی۔ چند گہرے گہرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا تھا۔

"دودھ پی لو بے بی۔" خادم اندر داخل ہوا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ "کتنی بار کہا ہے بغیر اجازت کمرے میں مت آیا کرو۔" اس نے دودھ کا گلاس تھاما۔

"معافی چاہتا ہوں جی۔"

"بڑی بیگم کہاں ہیں؟"

"خانم جی۔ وہ تو شاید کہیں جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔" خادم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

امینہ خانم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

موآب دیکھتی رہ گئی۔ کس قدر اسمارٹ اور چاق و چوبند تھیں وہ اس عمر میں بھی۔ ہلو کلر کی کامدار ساڑھی میں کتنی جچ رہی تھیں۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ رشتے میں اس کی نانی ہیں۔

''کہیں جا رہی ہیں آپ؟'' اس نے انہیں توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ تم بھی چلو گی میرے ساتھ۔ بڑا زبردست ڈنر ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''ناں..... نہیں۔'' اس نے جھٹ انکار میں گردن ہلائی۔ ''بہت تھک گئی ہوں میں' پھر مجھے اسٹڈی بھی کرنا ہے۔ ایگزام قریب ہی ہیں۔'' اس نے جھٹ بہانہ تراشا۔ وہ مسکرا دیں۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو۔'' انہوں نے جھک کر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ ''اور ہاں زیادہ دیر تک مت پڑھنا۔ آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں۔'' وہ ہدایات کرتی ہوئی باہر نکل گئیں' تو وہ مسکرا دی۔ جانے کیوں۔

آج کل ذہن ہر طرح کی سوچوں سے آزاد سا تھا۔ فقط ایک کام یاد تھا۔ صرف پڑھنا اور پڑھنا۔ جب سے امتحان شروع ہوئے تھے۔ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ تیاری میں لگ گئی تھی' اور جس دن وہ آخری پرچہ دے کر آئی تھی' خاصی تھکی ہوئی تھی۔ گھر آتے ہی بستر پر گر گئی' پھر جو سوئی تو رات کے کھانے پر ہی اٹھی۔ وہ بھی امینہ خانم نے ہی جگایا۔

''کیا حالت بنالی ہے اپنی۔ کیسی زرد زرد سی ہو رہی ہو۔ بھلا کس کام کی ہے یہ پڑھائی' تجھے بھی بس ضد سی ہو گئی ہے۔ آخر کیا ملے گا تجھے ان ڈگریوں سے؟ بندے کا دماغ ہی خراب کرتی ہیں الٹا۔ تیری ماں کو بھی ایسا ہی خبط تھا پڑھائی کا۔ میرے منع کرنے کے باوجود اس نے اپنی ضد نہ چھوڑی تھی۔ تُو بھی ضد پر بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔'' وہ کہہ رہی تھیں' اور وہ سر شاری سنتی جا رہی تھی۔ یک دم وہ چپ سی ہو گئیں۔

''بولیے نا' رک کیوں گئیں؟'' وہ تسلسل ٹوٹ جانے پر چونک سی گئی۔

''چل اٹھ نہا دھو۔ کیسی اجڑی ہوئی لگ رہی ہے۔ آتے ہی سو گئی تھی' میں نے بھی نہیں جگایا کہ تھکی ہوئی ہے۔'' انہوں نے بات بدل دی۔

''نہالوں..... اس وقت؟ یاد ہے آپ منع کرتی ہیں اس وقت نہانے سے۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''اور اب میں ہی کہہ رہی ہوں۔ چل جلدی سے اٹھ۔ ملک صاحب دعوت بھی دے

گئے تھے۔ ان کے بیٹے کے پاس ہونے کی خوشی میں بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا ہے۔ آج ضرور چلنا۔ ذرا دل بہلے گا۔''

وہ برا سا منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آج نہیں پھر کبھی سہی۔ آج میں خاصی تھکی ہوئی ہوں' پھر نیند بھی آ رہی ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ امینہ خانم مسکرا دیں۔ وہ اس طرح کی دعوتوں سے اسی طرح جان چھڑاتی تھی ہمیشہ۔

✦ ◈ ✖

اے خدا
کسی دن ایسا سورج بھی طلوع کر
جو ہمارے لیے
نئی زندگیوں کی نوید لائے
ایسی زندگیوں کی
جن کی ہمیں خواہش ہے
ایسا تابناک دن
بھلا کب طلوع ہوگا
جو ہماری تقدیر کو بدل سکے
اے خدا
ہماری اندھیر راتوں کو کوئی
سحر عطا کر
اس سے پہلے کہ ہم انہی اندھیروں کے اندر
گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیں
تو امید کی' آس کی
کوئی کرن دکھا
اے خدا بے شک
تیرے اختیار میں سب کچھ ہے
تو جب چاہے

جو چاہے کر سکتا ہے
بڑے سے بڑے کرشمے دکھا سکتا ہے
وہیں سے کوئی ایسا بادل بھیج
جو برس کر
ساری تشنگی مٹا ڈالے
تمام نا آسودگیوں اور نا امیدیوں کو ختم کر ڈالے
بھیج کہیں سے ایسا بادل

آج کل پھر اس کی وہی کیفیت تھی۔ دن بھر بولائی پھرتی' بلاوجہ سارا شہر گھومتی رہتی۔ یہاں سے وہاں تک خالی خالی نظروں سے ہر ایک چیز کو دیکھتی رہتی' اور جونہی شام ہونے لگتی اس کی بے چینی سوا ہو جاتی۔ اس کا دم گھٹنے سا لگتا۔ دل چاہتا۔ یونہی ادھر ادھر بھٹکتی رہے' مگر گھر نہ جائے۔ وہ ایک ایک چہرے کو تکتی رہتی۔ کیسا اطمینان اور سکون ہوتا تھا' ان چہروں پر' ایک اس کی ذات تھی۔ ''یا اللہ میں کیا کروں؟'' وہ سوچ کر پھر آگے قدم بڑھانے لگی۔ یہ زندگی میرے لیے بوجھ کیوں بن گئی ہے؟ کیوں ہے اتنا اضطراب میرے اندر؟ کیوں مجھے چین نہیں آتا؟ وہ بہت آہستہ قدموں سے اندر داخل ہوئی۔

''آج پھر اتنی دیر کر دی؟'' امینہ خانم نے پوچھا' مگر وہ کچھ کہے بغیر اندر اپنے کمرے میں چلی آئی' اور امینہ خانم سمجھ گئی تھیں کہ اس پر پھر ''دورہ'' پڑا ہے سو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

اس کا رزلٹ آ گیا تھا' وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ دل سے خوش ہوئی تھی اور امینہ خانم اسے دیکھتی رہ گئی تھیں' کیسے اس کا چہرہ کھل کر گلاب ہو گیا تھا' اس سے انہیں رحمہ یاد آئی تھی۔ وہ بھی تو ایسے ہی خوش ہوتی تھی' اپنی کامیابیوں پر اور چہرہ بھی ایسے ہی کھل اٹھتا تھا۔ وہ گئے وقتوں میں کھو سی گئیں۔

''کہاں.....؟'' موآب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں میری جان! میں تیری خوشیوں پر خوش نہیں ہوں گی تو اور کس کی خوشیوں پر خوش ہوں گی۔ مبارک ہو۔ بہت بہت مبارک ہو۔'' انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر چوما۔ وہ سرشار سی ہو گئی۔

''اتنا پیار کرتی ہیں مجھے' پھر بھی میری بات نہیں مانتیں۔'' موآب نے شکوہ کیا۔

''مانتی ہوں اور مانوں گی بھی بشرطیکہ تم جائز بات کہو۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''بات جائز ہی ہے۔ مجھے آگے پڑھنے کی اجازت چاہیے۔''

''اتنا پڑھ کر کیا کرو گی بھلا۔ جتنا پڑھ لیا ہے' کافی نہیں ہے؟''

''نہیں۔ علم کی پیاس تو ساری زندگی نہیں بجھتی۔ میں نے تو ابھی اس کا صرف ذائقہ چکھا ہے۔'' وہ بڑے جذب سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ ''مجھے آپ خوش دیکھنا چاہتی ہیں نا۔ تو یہی میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ پلیز مجھے مت روکیں۔ شاید اسی طرح مجھے راحت نصیب ہو جائے۔''

''اچھا۔ چل ٹھیک ہے۔ جیسی تیری خوشی' ورنہ وہ ملک اقبال نے اس قدر پرکشش آفر دی تھی تجھے ہیروئن بنانے کی۔''

''نانو۔'' اس نے ان کی بات کاٹ دی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔ یہ سچ تھا کہ انہیں موآب سے واقعی بہت محبت تھی' اور ہوتی بھی کیوں نہ کہ آخر کو وہ ان کی چہیتی اکلوتی بیٹی کی اولاد جو تھی۔

اس کا ایڈمیشن بی۔اے آنرز میں ہو گیا تھا۔ کلاسز بھی شروع ہو گئی تھیں' مگر وہ موسم بدلنے کی وجہ سے فلو کا شکار ہو گئی تھی۔ سو کئی دنوں تک یونیورسٹی نہ جا سکی۔ ایک ہفتے بعد وہ بستر سے اٹھی تو امینہ خانم نے منع کر دیا۔

''پاگل ہو گئی ہے۔ اتنی کمزوری میں چل بھی نہ سکو گی۔ کہیں وہیں گر گرا گئی تو؟''

''کچھ نہیں ہو گا مجھے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اتنی نازک بھی نہیں ہوں میں۔'' وہ باتھ روم میں گھس گئی' اور جب تیار ہو کر باہر نکلی تو امینہ خانم پرس میں سے کچھ ٹٹول رہی تھیں۔

''یہ لے پکڑ۔'' انہوں نے چین تھمائی۔

''یہ کس چیز کی چابی ہے؟''

''ملک اقبال کو پتا چلا تھا کہ تو نے یونیورسٹی جوائن کر لی ہے۔ سو اس نے تیری سہولت کے لیے یہ حقیر سا تحفہ پیش کیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''ان سے کہیے گا۔ بہت بہت شکریہ۔ مجھے فی الحال ایسے تحفوں کی ضرورت نہیں' پھر پوائنٹ بہ آسانی مل جاتا ہے۔ کئی لوگ اسی سے سفر کرتے ہیں۔'' وہ چابی تھما کر تیزی سے باہر نکل گئی اور امینہ خانم دیکھتی رہ گئیں۔

یونیورسٹی میں پہلا دن تو اس کا خاصا بور گزرا تھا۔کوئی شناسا چہرہ نہیں تھا۔سارے گروپس کی شکل میں اپنے آپ میں مگن تھے۔وہ پیریڈ لے کر باہر نکلی' تو ایک گھنے درخت کے نیچے آن بیٹھی۔وہ فطرتاً تنہائی پسند ہی تھی۔سو اسے زیادہ دشواری نہیں ہوئی تھی۔کتاب کھول کر جائزہ لے رہی تھی کہ اپنے قریب ہی کسی کو محسوس کر کے نظریں اٹھائیں۔وہ بڑی مہربان مسکراہٹ ہونٹوں پہ لیے اسے تک رہی تھی۔

''ہیلو۔لگتا ہے آج تم پہلی بار یونیورسٹی آئی ہو؟''اس نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔

''ٹھیک سمجھی ہیں آپ' میں واقعی آج ہی آئی ہوں۔''

''میرا نام رافعہ ہے اور تم؟''وہ حسب معمول مسکرا کر بولی تھی۔

''موآب!''

''موآب!''اس نے نام دہرایا۔''خاصا مشکل سا نام ہے۔''رافعہ بولی۔

''اور منفرد بھی۔''اس نے مسکرا کر کہا' تو وہ ہنس پڑی۔

''آؤ وہاں چلیں' ہمارا پورا گروپ ہے۔یقیناً تم ان سے مل کر خوش ہو گی۔''وہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہمارے گروپ کے تمام لوگ بہت خوش مزاج اور زندہ دل ہیں۔ہنسی مذاق کرتے رہنا ان کی عادت ہے' اگر وہ تم سے کچھ کہیں تو پلیز مائنڈ مت کرنا۔''رافعہ نے اس سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''اوہو۔رافعہ کیا جنت سے اٹھا لائی ہو انہیں۔''

قدرے دبلے پتلے سے لڑکے نے دیکھتے ہی کہا۔

''مجھے پکڑو یار! میں تو گیا۔''دوسرے نے بے ہوش ہونے کی ناکام ایکٹنگ کی' اور باقی دو جو لڑکیاں تھیں' وہ اسے دلچسپی سے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

رافعہ نے باری باری ان سب سے اس کا تعارف کروایا۔موآب کو ان سب سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی تھی۔اس طرح کے زندہ دل لوگوں سے وہ پہلی بار مل رہی تھی۔ان میں ایک تو رافعہ کا بھائی تھا عامر' جس نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی تھی۔دوسرا سہیل تھا۔عامر کا جگری دوست۔یہ دونوں اسکول کے زمانے سے ساتھ ساتھ تھے۔لڑکیوں میں

ایک کا نام نوشینہ اور دوسری کا زیب النساء تھا۔نوشینہ کا تعلق اپر کلاس سے تھا' جبکہ زیب النساء اپنے نام کی طرح ہی قدامت پسند گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔رافعہ کا گھرانا خاصا مشہور تھا' اپنی امارت کے لحاظ سے۔اس کے پاپا شہر کے خاصے بڑے بزنس مین تھے۔موآب کو ان سب کی مالی حیثیت سے ہٹ کر ان کا خلوص اور اپنائیت پسند آئی تھی' اور وہ ان میں گھل مل بھی گئی تھی۔

✦◈✦

صبح صبح وہ خاصی جلدی میں گھر سے نکلی تھی۔ایک تو آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی۔امینہ خانم تو منع کر رہی تھیں کہ مت جاؤ' مگر وہ تیار ہو کر نکل آئی تھی کہ پہلے ہی ایک ہفتہ نہ جانے سے خاصا حرج ہو گیا تھا۔وہ اپنی ہی سوچوں میں گم چلی جا رہی تھی کہ یکدم ایک گاڑی کے بریک اس کے قریب چرچرائے' وہ اچھل کر دور جا گری۔ساری کتابیں سڑک پر بکھر گئیں۔درد سے اس کی سسکی نکل گئی۔اسی دم کوئی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔''سس.....سوری.....ویری ویری سوری' مگر یقین جانئے میڈیم کہ غلطی میری ہرگز نہیں۔میں نے تو ہارن بھی دیا تھا' مگر آپ نے ہی۔''

''کو.....کوئی بات نہیں۔''وہ درد کی شدت سے ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔''یہ تو شکر تھا سڑک قدرے سنسان تھی' ورنہ لوگ جمع ہو جاتے۔اظہار بیگ چتھائی نے ایک نظر ادھر ادھر دیکھا۔

''نن.....نہیں۔''وہ گھٹنے کے درد کو چھپا گئی۔میرون رنگ کی شلوار تھی' خون کے دھبے محسوس نہیں ہوئے تھے' حالانکہ کس قدر درد ہو رہا تھا۔یہ وہی جانتی تھی۔اس نے سہارا دے کر اٹھانا چاہا' مگر اس نے ہاتھ جھٹک دیا' اور ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔اتنے میں وہ کتابیں اکٹھی کر کے قریب چلا آیا۔

''کہاں جانا ہے آپ کو؟ آیئے میں چھوڑ دوں۔''اس نے بغور اسے دیکھا تھا۔تکلیف کو ضبط کرنے کی کوشش میں چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔

''جی نہیں شکریہ۔''اس نے کتابیں لیں اور وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

''میڈم اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو کسی کلینک وغیرہ میں لے چلوں۔''

"نو۔ تھینک یو۔" اس نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

"دیکھئے' میں ایک شریف شخص ہوں' آپ مجھ پر بھروسا کر سکتی ہیں۔ یقیناً آپ....."

"پلیز! میں نے کہا نا مجھے آپ کی کسی طرح کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تھینک یو ویری مچ اور اب آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا' اور اس کی طرف دیکھے بغیر دوبارہ واپسی کے لیے چل پڑی۔ خاصی دیر ہو گئی تھی۔ یونیورسٹی جانا بیکار ہی تھا' اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ اگر امینہ خانم کا کہنا مان لیتی تو اتنی تکلیف تو اٹھانا نہ پڑتی' اور اب جب وہ اس کا زخم دیکھیں گی تو کتنی پریشان ہوں گی۔ بہت آہستہ روی سے وہ چل رہی تھی' اور اجنبی حیرت سے وہیں کھڑا اس اکھڑ اور بدمزاج لڑکی کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا' جو اس کی اتنی پرخلوص پیش کش کو کیسے غرور سے ٹھکرا گئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی بھلا جانے کی۔ منع بھی کیا تھا' مگر تم کسی کی سنتی کب ہو۔" امینہ خانم نے اس کے زخم کو دیکھ پھر خادم کو آواز دی۔ وہ جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لایا۔ "اب پڑی رہنا بستر پر خبردار جو ہلی۔" امینہ خانم اس کا زخم صاف کرتے ہوئے بولیں۔ وہ مسکرا دی۔

"معمولی سا زخم ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ملک اقبال نے کس قدر محبت سے نئی ہنڈا کارڈ گفٹ کی تھی' مگر مجال ہے جو کوئی چیز تمہارے ناک پر چڑھ جائے۔ اپنی گاڑی ہوتی تو آج یہ حادثہ تو پیش نہ آتا۔" وہ بولتی رہیں اور وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ خادم دودھ میں ہلدی ڈال کر لے آیا تھا۔ امینہ خانم نے اسے زبردستی پلایا اور کمبل اوڑھا کر باہر نکل گئیں۔ اسے بھی قدرے سکون ملا تھا۔ سو جلد ہی آنکھ لگ گئی۔

✦ ◈ ✦

"کہاں غائب ہو گئی تھیں؟" رافعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"کیا؟ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔ ہوا کیسے تھا؟" کئی سوال ایک ساتھ ہوئے۔

"بس ہو گیا یار! ویسے معمولی ہی تھا' زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔" وہ قدری خوشدلی سے مسکرا کر بولی۔ "اور سناؤ تم لوگوں نے کیا معرکہ مارا ان دنوں میں؟"

"ہمارے معرکوں کی کیا پوچھتی ہو۔ ایک سے ایک جو کر بھرا ہوا ہے یہاں۔ مجال ہے جو

ایک پل بھی سکون سے بیٹھ جائے۔ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے ہیں۔"

اس نے کہا تو موآب مسکرا دی۔

"دوسرے لوگ نظر نہیں آ رہے؟"

"نوشینہ تو شاپنگ کے لیے سنگاپور گئی ہوئی ہے' اور زیب کا کچھ پتا نہیں۔ وہ بھی تمہاری طرح کئی دنوں سے غائب ہے۔ عامر لائبریری میں ہے اور سہیل۔ وہ آج کل اپنے اہم فرائض انجام دے رہا ہے۔" وہ کہہ کر ہنس پڑی۔

"کیا مطلب؟" موآب حیرت سے بولی۔

"بھئی موصوف سائرہ رحمان کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں ان دنوں' ہر پل اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ بڑا دھواں دار قسم کا عشق فرما رہے ہیں موصوف۔ یونیورسٹی میں ہر طرف آج کل انہی کا ذکر خیر ہے۔" رافعہ بڑے چٹ پٹے انداز میں قصہ بیان کر رہی تھی۔

"یہ سائرہ رحمان کون ہے؟" موآب نے ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔

"ہماری ہی کلاس فیلو ہے۔ خاصی ماڈرن ہے۔ کپڑوں کی طرح بوائے فرینڈ بدلنا شیوہ ہے اس کا۔" رافعہ ہنس کر بولی۔ "چھوڑو تم اس بات کو۔ جلدی سے اٹھو کلاس شروع ہونے والی ہے۔" اس نے بھی گھڑی پر ایک نظر دوڑائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے ساتھ ذرا اکنامکس ڈیپارٹمنٹ چل رہی ہو؟"

رافعہ بولی۔

"کس لیے؟" اس نے پوچھا۔

"ذرا کام ہے میرے کزن ہیں۔ ان سے ملنا ہے اور پاپا کا میسج بھی دینا ہے۔" رافعہ نے کچھ اس قدر لجاجت سے کہا تھا کہ وہ انکار نہ کر سکی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔

"ذرا جلدی کرنا۔ مجھے گھر بھی پہنچنا ہے' ورنہ پوائنٹ مس ہو جائے گا۔" اس نے کہا تو اس نے گردن ہلا دی۔

اکنامکس ڈیپارٹمنٹ پہنچ کر رافعہ کو اپنے کزن کو ڈھونڈنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی کہ وہ پہلے سے ہی اسے دیکھ کر اسی طرف آ رہا تھا' اور اب وہ بالکل ان کے قریب آن ٹھہرا تھا۔ وہائٹ کلف لگے شلوار کرتے میں خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ موآب نے دیکھا تو قدرے چونک گئی۔

وہ اپنائیت سے مسکرا دیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ اظہار صاحب۔ اتنے دنوں سے شکل کیوں نہیں دکھائی اپنی؟" رافعہ بڑے تکلف سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"معروف تھا۔ تم سناؤ کیسی ہو اور تایا جان کیسے ہیں؟"

اس نے ایک نظر خاموشی سے نظریں جھکائے موآب پر ڈالی اور رافعہ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں۔ تمہیں یاد کر رہے تھے۔ مام بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔"

"آؤں گا میں شام کو۔ فی الحال تو آؤ کینٹین میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اس طرح کچھ اچھا نہیں لگ رہا' پھر تمہارے ساتھ مہمان بھی ہے۔" اس نے موآب کو دیکھا' جو ان کی گفتگو میں خود کو خاصا مس فٹ سمجھ رہی تھی اور نظریں جھکائے گھاس کو گھورے جا رہی تھی۔

"ارے سوری بھئی۔ میں تو تعارف کروانا ہی بھول گئی۔" رافعہ شرمندہ سی ہو گئی۔ "ان سے ملئے یہ میری فرینڈ ہیں موآب' اگرچہ خاصا مشکل نام ہے ان کا' مگر یہ خود بہت پیاری اور دلکش شخصیت کی مالک ہیں۔" جس طریقے سے رافعہ نے اس کا تعارف کروایا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا' جبکہ وہ خجل سی ہو گئی تھی۔ نگاہیں اٹھا کر اسے گھورنا چاہا تھا' مگر وہ متوجہ کب تھی۔

"موآب یہ ہیں میرے کزن۔ اظہار بیگ چغتائی۔

بہت بڑے لینڈ لارڈ ہیں بھئی۔ کروڑوں کی جاگیر کے وارث۔ کتابوں سے مغز ماری صرف شوقیہ طور پر کر رہے ہیں' حالانکہ انہیں کون سا کوئی ملازمت کرنی ہے۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" اظہار بیگ چغتائی سر کو ہلکے سے خم دے کر مسکرایا۔ موآب نے دیکھا۔ اس کی نظروں میں شناسائی کا واضح عنصر تھا۔ وہ سر ہلا کر پھر نظریں جھکا گئی۔

"آیئے ایک ایک کپ چائے ہو جائے۔" اس نے کہا تو موآب نے نگاہیں اٹھا کر رافعہ کو دیکھا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ تب ہی بولی۔

"نہیں پھر کبھی سہی۔ فی الحال تو دیر ہو رہی ہے۔

موآب کو۔"

"ایز یو وش۔" وہ مسکرایا۔

"آپ شام کو آنا مت بھولیے گا۔" اس نے جاتے جاتے پلٹ کر ہدایت کی تو وہ

مسکرایا۔

اس دن پوائنٹ کی بسیں اسٹرائیک پر تھیں۔ اسے چونکہ سر ہاشم کی کلاس ضرور اٹینڈ کرنا تھی' سو جم کر اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ پہلے ہی کافی کلاسز وہ مس کر چکی تھی۔ اگر آج بھی نہ جاتی تو مزید نقصان اسی کا ہونا تھا۔ سڑک قدرے ویران سی نظر آ رہی تھی' دو چار بسیں آئیں بھی' مگر وہ چونکہ اس کے روٹ کی نہیں تھیں اس لیے وہ کھڑی رہی۔ دفعتہً سیاہ گاڑی اس کے قریب آن رکی۔ وہ اسے نظر انداز کر کے سڑک پر نظریں جمائے ہوئی تھی' مگر جب شیشہ اتار کر اسی کو مخاطب کیا تو وہ چونک گئی۔

"پلیز آیئے میں ڈراپ کر دوں آپ کو۔" اظہار بیگ چغتائی نے مخلصانہ پیش کش کی۔ وہ چپ رہی تو پھر بولا۔ "پوائنٹ کی بسیں اسٹرائیک پر ہیں' ایسے میں آپ کو مشکل ہی سے کوئی سواری ملے گی۔ پلیز وقت ضائع مت کیجئے۔ میں بھی یونیورسٹی ہی جا رہا ہوں۔ آیئے بیٹھیے۔"

اس نے ایک نظر گھڑی کی طرف دیکھا۔ واقعی وقت بہت گزر گیا تھا' اور اگر مزید ٹھہرتی تو سر ہاشم کی کلاس بھی نکل جاتی۔ اس نے کچھ دیر سوچا' اور پھر کھلے ہوئے فرنٹ ڈور سے سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"آپ کے زخم اب کیسے ہیں۔" وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے ہوئے تھا۔ البتہ ہونٹوں پر ایک دلفریب سا تبسم سا تھا' جس کی وجہ وہ نہ جان سکی تھی۔

"زخم بھر جانے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے کہہ کر رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔

"یہ تو ہے مگر مجھے کئی دنوں تک ملال ہوتا رہا تھا کہ میری وجہ سے کسی کو ناحق زک پہنچا۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس میں آپ کا تو قصور نہیں تھا۔ میری قسمت میں تھا۔ سو زخم لگا' پھر ایسے چھوٹے موٹے زخم تو زندگی میں لگتے رہتے ہیں۔ ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں اسی روز سمجھ گیا تھا کہ آپ کتنی بہادر ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا' تو وہ اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

ان دنوں چونکہ وہ بہت حد تک مصروف ہو گئی تھی' سو ذہن اِدھر اُدھر کی سوچوں سے قدرے آزاد سا ہو گیا تھا۔ یونیورسٹی سے آ کر اس قدر تھکن ہو جاتی تھی کہ وہ کھانا کھاتے ہی سو

جاتی، پھر اٹھتی تو اسٹڈی میں مصروف ہو جاتی، پھر رقص و موسیقی کی کلاس لیتی۔ سو آج کل اس پر وحشت کے دورے بہت کم پڑے تھے۔ اس قدر تھکن ہو جاتی تھی کہ پھر ذہن کو کسی دوسری طرف سوچنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

اس دن وہ یونیورسٹی سے خاصی دیر سے آئی تھی۔ آتے ہی سو گئی۔ امینہ خانم شاید کہیں گئی ہوئی تھیں۔ وہ گہری نیند میں تھی کہ اچانک شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھی۔ کمرے میں خاصا اندھیرا تھا۔ سو جلدی سے لائٹ آن کر کے باہر نکل آئی۔ سامنے ہی خادم کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے خادم۔ یہ کیسا شور تھا؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں جی۔ آپ جا کر آرام کریں۔" وہ ٹال گیا۔ مو آب چلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ نظریں پھیر گیا۔ اس نے چند ثانیے رک کر آواز کی سمت معلوم کی اور باہر نکل آئی۔ راہداری کے آخری سرے پر بنے ہوئے کمرے سے یہ آوازیں آ رہی تھیں، اور یہ آوازیں رونے چیخنے چلانے کی تھیں، کوئی کسی کو پیٹ رہا تھا۔ وہ کمرہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس کی نظروں کے سامنے دو لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک قدرے اطمینان سے چپ چپ تھی، مگر دوسری بہت زور زور سے رو رہی تھی۔ امینہ خانم کے کارندے اس کو بری طرح مار پیٹ رہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کے ان کے ہاتھ روک دیے تو وہ اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"کیا بات ہے؟ کیوں مار رہے تھے وہ تمہیں؟" وہ اس پر جھک گئی، مگر اس کی سسکیوں میں کمی نہ آئی۔ وہ اس کے رونے سے پوری صورتحال تو سمجھ ہی گئی تھی۔

"کہاں سے لائے ہیں یہ لوگ تمہیں؟" اس نے پھر پوچھا، مگر وہ اب بھی کچھ نہ بولی البتہ ساتھ ہی بیٹھی دوسری لڑکی ہنس پڑی۔

"کیوں فکر کرتی ہو تم۔ بیچاری نئی ہے نا۔ اس لیے دو چار روز تو واویلا کرے گی ہی، پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم تو یہاں کی باسی ہو۔ کیا تم بھی نہیں جانتیں؟" وہ اس لڑکی کے لب و لہجے پر اسے دیکھتی رہ گئی۔ نہ جانے اس پر چوٹ کی تھی، یا حقائق بیان کیے تھے، مگر مو آب کے دل میں انی سی کھب گئی تھی، مگر وہ بولی پھر بھی کچھ نہیں تھی۔ چپکے سے اٹھی تھی اور جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیل کر اس لڑکی کی طرف بڑھایا تھا۔ جس کی سسکیوں میں

اب قدرے کمی آ گئی تھی، اس نے گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ لڑکی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر گلاس پر جھک گئی۔

"اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارا؟" وہ سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"میں جی بہاولپور میں رہتی تھی۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد ماما ہی میرا سب کچھ تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر پر رکھا۔ کافی عرصہ میں پرسکون زندگی بسر کرتی رہی، مگر ایک دن جاگیردار ہمارے دروازے پر آ گیا۔ دروازہ میں نے ہی کھولا تھا، اور انہیں اپنے در پر دیکھنے کے بعد حیران رہ گئی تھی۔ وہ بہت گندی اور بھوکی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں ایک طرف ہٹ گئی اور ماما کو بتا کر خود کمرے میں آ گئی۔

میرا دل بہت ڈر سا گیا تھا، پھر کئی دن تک ماما کچھ چپ چپ اور کھوئے کھوئے سے انداز میں پھرتا رہا۔ میں نے پوچھا بھی تو اس نے نہیں بتایا، پھر مجھے اپنی رشتے کی ماسی سے ہی یہ پتا چلا کہ ماما کو جاگیردار کا بہت سا روپیہ دینا ہے، جو کہ نہ جانے کب ماما نے ان سے بطور قرض لیا تھا، اور اب وہ روپیہ سود کے ساتھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ جاگیردار اب اس قرض کی وصولی چاہتا تھا، مگر ماما کے پاس دینے کو پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ جاگیردار نے ماما کے آگے شرط رکھی تھی کہ وہ اگر قرض واپس نہیں دے سکتے تو مجھے ان کے حوالے کر دے، اور ماما کے پاس چونکہ دوسری کوئی راہ نہیں تھی سو اس نے مجھے اس کے ساتھ کر دیا۔" وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگی۔ مو آب چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر کیا ہوا ہو گا وہ! اچھی طرح جان گئی تھی۔ جاگیردار نے اپنا شوق پورا کرنے کے بعد اسے یہاں فروخت کر دیا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف سا ہو گیا تھا۔ کیا اتنی سستی ہے عورت..... اتنی سستی.....؟

اس نے ہولے سے اس کا شانہ تھپکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی علاج نہیں کیا تم نے اس کے زخموں کا۔" وہ چلنے لگی تھی کہ دوسری لڑکی طنزیہ لہجے میں بولی۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ غالباً وہ بھی آج ہی لائی گئی تھی یہاں پر۔

مو آب نے اسے آج سے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا تھا، مگر اس کا لہجہ جانے کیوں اتنا تلخ تھا۔

"ایک قیدی۔ دوسرے قیدی کی فقط دلجوئی ہی کر سکتا ہے۔ اس کے ما

اور ساتھ ہی

بھی تمہاری ہی طرح کی بے بس اور مجبور لڑکی ہوں۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں۔"

اس نے دھیرے سے کہا اور باہر نکل آئی' مگر اندر کا درد مزید بڑھ گیا تھا۔

یا اللہ۔ کب ہوگا سویرا؟

کب چھٹے گی یہ سیاہ رات؟

اپنے کمرے میں آکر وہ بیڈ پر گر سی گئی۔ اسے اس طرح پڑے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ امینہ خانم آگئیں۔

"ہیلو بے بی! کیا ابھی تک سو رہی ہو؟" کہنے کے ساتھ ہی انہوں نے جھک کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔ "کیا ہوا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا۔ ڈاکٹر کو بلا کروں؟" انہوں نے فکر مندی سے اس کی پیشانی چھوئی۔

"نہیں' ٹھیک ہوں۔ یونہی ذرا لیٹ گئی تھی۔" وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"ماشاء اللہ دیتہ آنے والے ہیں۔ جلدی سے اٹھ کر فریش ہو جاؤ۔ کتنے دنوں سے ریاض بھی نہیں کیا تم نے۔ بھول جاؤ گی سب کچھ۔"

وہ خالی خالی نظروں سے دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی' حالانکہ وہ اس سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی' مگر پھر نہ جانے کیوں نہ پوچھ سکی' جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ "اے خدا کیوں لکھ دیے ہیں تو نے ایک کمزور سی عورت کے نصیب میں اتنے ڈھیروں دکھ۔ ایک طرف اس کے قدموں میں جنت رکھی تھی' تو دوسری طرف اسے تاریکیوں میں پھینک دیا' کیوں لکھ دیا تو نے اس کے نصیب میں اندھیرا؟ اسے اتنا معتبر مقام دینے کے بعد بازار کی زینت کیوں بنا ڈالا؟ بتا کیوں؟ آخر کیوں؟ ذہن کی مسلسل آوازوں سے گھبرا کر اس نے شاور کھول دیا تھا۔

✦ ◈ ✦

"کیا ہوا۔ بہت اپ سیٹ لگ رہی ہو۔" رافعہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ ابھی ابھی کلاس لے کر نکلی تھیں۔ رافعہ کو وہ بہت کھوئی کھوئی سی لگی تھی۔

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اپنی کیفیت صاف چھپا گئی' اور مسکرا کر بولی۔ اس معصوم اور مظلوم سی لڑکی شانو کا واقعہ اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

"اچھا۔ چلو کینٹین پر چلیں۔ سہیل' کامران اور زیب وغیرہ وہیں پر ہیں۔"

اس نے دور سے ہی دیکھا وہ سب گھاس پر بیٹھے چائے اور سموسوں کے ساتھ نہ صرف "انصاف" کر رہے تھے' بلکہ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے' اور انہی کے ساتھ اظہار بھی۔ چٹائی بھی بچھا ہوا تھا۔ وہ بیگ گھاس پر رکھ کر بیٹھ گئیں۔

"بڑے ندیدے ہو تم لوگ' ہمارا انتظار بھی نہیں کیا۔" رافعہ بولی اور ساتھ ہی ایک سموسہ اٹھا لیا۔

"بھئی کتنے دنوں بعد تو کوئی تگڑی اسامی ہاتھ لگی تھی۔ اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ دیتے۔" سہیل نے اظہار کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا' اور ساتھ ہی موآب کی طرف ہاتھ بڑھا دی۔ اس نے بھی ایک سموسہ اٹھا لیا۔

کامران نے ان دونوں کے لیے گرم گرم چائے کا آرڈر دیا۔

"کیا بات ہے بھئی۔ یہ آج ہماری موآب بی بی بہت چپ چپ سی ہیں؟" سہیل نے کہا

"جہاں تک میرا خیال ہے ابھی تک بولنے پر کوئی ٹیکس نہیں لگا' پھر بھی محترمہ نہ جانے کس خوف سے ہونٹ بھینچے رکھتی ہیں۔" عامر نے بھی ساتھ دیا۔ سب ہنس پڑے اور ساتھ ہی وہ شرما گئی۔

"سیانے کہہ گئے؟ دانا کم تے بیوقوف بہتا گلاں کردا اے۔" نوشینہ نے اپنے مخصوص اسٹائل سے کہا' تو سب ہنس پڑے۔

"تم تو چپ ہی رہا کرو بی بی۔ بول کر بھی دل ہی جلاتی ہو۔" عامر نے کڑھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔ موآب ان سب کی نوک جھوک دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور کوئی اسے۔

"ہائے دا وے اظہار صاحب! آج آپ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں کیسے نظر آ رہے ہیں۔ خیریت تو ہے؟" رافعہ نے مسکرا کر چھیڑا' تو وہ ایک نظر اسے گھور کر مسکرا دیا۔

"کہو تو نہ آؤں آئندہ۔" ایک نظر موآب پر ڈالی' جو خاصی الجھی الجھی سی نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں؟

"ارے۔ نہیں بھئی۔ جم جم آئیں۔ ہم بھلا کون ہوتے ہیں منع کرنے والے۔" اس نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھر کر کہا۔ اسی دم موآب نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں بھئی؟" سہیل نے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"لائبریری نوٹس بنانے ہیں۔ رافعہ تم فارغ ہو کر وہاں چلی آنا۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے قدم بڑھا دیئے' اور اظہار بیگ چھٹائی اس کی پشت کو یک ٹک دیکھتا رہ گیا۔

یہ سچ تھا کہ امینہ خانم نے فی الحال اسے ان سب باتوں سے دور رکھا ہوا تھا' جو اس ماحول کا حصہ تھیں' مگر یہ بات بھی طے تھی کہ اسے بھی اسی ماحول کا حصہ بننا تھا۔ تب ہی تو امینہ خانم اس کا اس قدر خیال رکھتی تھیں' مگر چونکہ ابھی وہ بہت چھوٹی تھی' اور ذہنی طور پر اپ سیٹ تھی۔ اس لیے امینہ خانم نے اسے کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ دوسرے وہ ان کی بیٹی کی نشانی بھی تھی۔

اس وسیع و عریض گھر میں اس کے لیے قدرے ہٹ کر پورشن بنا کر دیا تھا' جہاں وہ آزادی اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہی تھی' مگر یہ بات طے تھی کہ ایک دن انہیں اسے بھی اپنے "کاروبار" میں "استعمال" کرنا تھا۔ تب ہی تو فن کے اسرار و رموز باقاعدگی سے اسے سکھا رہی تھیں۔ وہ اس کی باغی طبیعت سے واقف تھیں۔ اسی لیے ہر بات کو نہایت نرمی سے سمجھاتی تھیں کہ کہیں بھڑک کر چڑیا (سونے کی) ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے۔

✦ ◈ ✖

رافعہ کی برتھ ڈے تھی۔ اس نے اسے طور خاص انوائٹ کیا تھا۔ اس کا موڈ بالکل نہ تھا'

مگر اس نے سخت تاکید کی تھی۔ سو مجبوراً جانا پڑا۔ خادم کو بازار بھیج کر اس کے لیے گفٹ بھی منگوا لیا تھا۔

آج پہلی بار وہ ذرا اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ میرون شیفون کے فرشی غرارے کے ساتھ سیاہ کا مدار کرتی زیب تن کی تھی۔ گھنے سیاہ بالوں کو شانوں پر یونہی چھوڑ دیا تھا۔ کانوں میں آویزے پہن کر اس نے پرفیوم اسپرے کیا' آنچل کو کاندھے پر ٹھیک کرتے ہوئے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ قدرے ہلکے میک اپ میں اس کا چہرہ بہت کھل اٹھا تھا۔

امینہ خانم نے دیکھا تو باقاعدہ نظر اتاری۔

"ہائے کتنی پیاری لگ رہی ہے میری جان!" ساتھ لگا کر چوم ڈالا۔ وہ مسکرا دی۔

"مگر جاؤ گی کیسے؟" پھر خود ہی بولیں۔ "ٹھہرو میں خادم سے کہتی ہوں گاڑی نکالے۔"

"نہیں آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی' اور واپسی میں رافعہ خود چھوڑ دے گی۔" اس نے عذر تراشا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ باہر نکلنے کے بعد 'ادھر' کا کوئی حوالہ یا پہچان اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"جلدی آ جانا۔ مجھے فکر لگی رہے گی۔" انہوں نے محبت سے کہا۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

رافعہ کا گھر شہر کے پوش علاقے میں تھا۔ ٹیکسی سے اتر کر اس نے جائزہ لیا۔ شاندار طریقے سے دلہن کی طرح سجا ہوا گھر واقعی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے ہی رافعہ نظر آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھی۔

"اُف کیا قیامت ڈھا رہی ہو۔ نہ جانے کتنے گھائل ہوں گے آج۔" رافعہ نے شرارت سے چھیڑا۔ وہ مسکرا دی۔

"شکریہ' سالگرہ مبارک ہو۔"

"تھینک یو۔ آؤ تمہیں میں اپنے ممی ڈیڈی سے ملواؤں۔" وہ اسے لے کر آگے بڑھی۔ وسیع لان میں ہر طرف رنگ و نور کی بارات اتری ہوئی تھی۔ مہنگے ترین پرفیومز اور سگریٹ کی خوشبوؤں نے ایک مسرور کن احساس جگا دیا تھا۔

"ڈیڈی۔" وہ ایک سوبر سے شخص کے پاس رکی۔

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ "شی از مائی بیسٹ فرینڈ۔ موآب خانم۔ اینڈ شی از اے نائس

گرل۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے قدرے طمانیت کا احساس ہوا۔

"السلام علیکم۔" موآب بہ مشکل بول پائی تھی۔

رافعہ کے پاپا نے بہت متاثر کیا تھا' پہلی ہی نگاہ میں' کیسی حلیمی اور ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ تھا ان کی طبیعت میں "بہت ذکر کرتی رہتی ہے رافعہ تمہارا۔" وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔ اس کے بعد وہ اسے اپنی ممی کے پاس لے گئی' نہ جانے کیوں مڑا کر اس نے ایک نظر اس کے ڈیڈی کو دوبارہ دیکھا تھا۔

"یہ میری ممی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں یہ دیکھنے میں میری ماں نہیں بڑی بہن لگتی ہیں' اور مجھے اس بات سے پورا پورا اتفاق ہے۔" وہ ہنس کر بتا رہی تھی۔ اس کی ممی نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"کیا کرتے ہیں بیٹا آپ کے والد۔" شاید اپر کلاس میں سب سے زیادہ حیثیت رتبے کی ہی ہے' تب ہی شاید انہوں نے پوچھا تھا' مگر موآب گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

"جی۔ وہ۔" وہ اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ سو کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"کیا خدانخواستہ!" رافعہ کی ممی نے اپنے لپ اسٹک سے مزین ہونٹ سکوڑے۔

"جی۔" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ان کے مزید سوالوں سے بچنے کا یہی آسان حل تھا۔

پھر رافعہ اسے بٹھا کر جانے کہاں گم ہو گئی۔ وہ متلاشی نظروں سے چار سُو دیکھنے لگی۔ وہ آ تو گئی' مگر اب کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا فوراً اٹھ کر بھاگ جائے۔ کیسے کیسے سوالوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بھلا اس کے والد کون تھے؟ یہ بات تو خود اس کے علم میں بھی نہیں تھی۔ امینہ خانم سے کئی بار پوچھا تھا اس نے یہ سوال' مگر انہوں نے ہر بار ٹال دیا تھا' نہ جانے وہ کہاں تھے۔ زندہ بھی تھے یا کہ.....

"ہیلو۔" اچانک کوئی اس کی سوچوں کے دھارے کو توڑتا ہوا سامنے آن کھڑا ہوا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اظہار بیگ چغتائی بڑے والہانہ انداز میں اس کی طرف تک رہا تھا۔ وہ نظریں پھر جھکا گئی۔

"کیا ہو رہا تھا؟" وہ کرسی کھینچ کر اس کے عین سامنے بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں۔ یونہی بس بیٹھی ہوئی تھی۔" وہ کلائی میں موجود بریسلیٹ سے کھیلتے ہوئے بولی۔ جانے کیوں اس کی نظریں بہت ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ نظروں کی تپش سے چہرہ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ خاصی دیر تک دونوں میں مکمل خاموشی رہی۔ وہ سانس روکے بیٹھی رہی۔ نہ جانے کیا کہنا چاہتا ہے۔ بہت دیر کے بعد وہ بولا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ....." ابھی اس نے اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ عامر آ گیا۔

"آیئے کیک کٹنے لگا ہے۔" وہ تیزی سے اٹھی' اور اظہار بیگ کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی۔ البتہ اس کے دل کے اندر شور سا مچ گیا تھا۔ نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا وہ۔ دیکھ کیسی نظروں سے رہا تھا۔ اس نے ایک کونے میں کھڑے ہو کر اپنی سانسیں ہموار کیں۔ کیک کٹنے کے بعد ہی اسے زیب اور نوشینہ وغیرہ نظر آ گئیں۔ وہ پلیٹ لے کر ان کی جانب بڑھ گئی' پھر ان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی بار بار اسے احساس ہوا کہ وہ خوبصورت آنکھیں اس کے تعاقب میں ہیں۔ کھانا کھاتے ہی اس نے رافعہ کو ڈھونڈا اور اجازت چاہی' مگر اس نے زبردستی بٹھا دیا۔

"یار ابھی تو پروگرام شروع ہو گا۔ ابھی سے بھاگ رہی ہو۔"

"نہیں رافعہ سمجھو نا۔ بہت دیر ہو جائے گی۔ مجھے تنہا واپس جانا ہے۔" اس نے عذر کیا۔

"میں چھوڑ آؤں گی۔" اس نے ایک نہ سنی۔ زیب تو چلی گئی تھی۔ نوشینہ البتہ اس کے ساتھ ہی تھی۔

"سنا ہے بہت بڑے میوزیکل پروگرام کا انعقاد کیا گیا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے سنگرز آئے ہیں۔ نوشینہ بولی تو وہ خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

اسی دم اظہار بیگ چغتائی مائیک تھامے اسٹیج پر آیا۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل مین۔ میں کوئی باقاعدہ سنگر تو نہیں ہوں' مگر یاروں دوستوں کا خیال ہے کہ مجھے آپ سب کے سامنے اپنے بے سرے قسم کے راگ الاپنے چاہئیں۔ اب دوستوں کی فرمائش ہے ٹال تو نہیں سکتا نا۔ لہٰذا آپ کو ہر حال میں مجھے برداشت کرنا ہے۔" وہ بہت شوخی سے مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔ سب نے تالیاں بجائیں۔ ینگ جنریشن نے خاصے پُر جوش انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ پہلی ہی رو میں بیٹھی ہوئی تھی' اور اظہار بیگ چغتائی کی نگاہوں نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میری زندگی کی آج کی شام اس حسین دوست کے نام' جس نے مجھے اچانک ہی بہت نئے اور انوکھے جذبات سے روشناس کروایا ہے۔" اس نے بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ نظریں اس حسین چہرے کا طوائف کر رہی تھیں۔ سب نے ایک بار پھر تالیاں پیٹیں اور اس نے اپنا گیت شروع کر دیا۔

میڈا عشق وی توں
میڈا یار وی توں
میرا دین وی توں' ایمان وی توں
میرا جسم وی توں
میری روح وی توں

اس کی بھٹکتی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئیں۔ وہ نظریں جھکا گئی اس کی بولتی نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ اس کی سماعت میں اس کی میٹھی میٹھی آواز رس گھول رہی تھی' اور وہ کوئی اتنی بچی بھی نہ تھی جو اس شخص کی نظروں کا مفہوم نہ سمجھتی۔

جانے کب اس کا گیت ختم ہوا تھا۔ اسے تو ہوش تالیوں کی زوردار گونج سے آیا تھا۔ اچانک سر اٹھا کر اسٹیج پر دیکھا تھا۔ وہ گیت ختم کر کے کب کا جا چکا تھا۔ اسے اپنی کیفیت پر خود تعجب ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ بے قابو ہوا جا رہا تھا' اور اس کی وجہ وہ خود جاننے سے قاصر تھی۔ اسٹیج پر اب ملک کا مایہ ناز گلوکار اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے سوچتے سوچتے اچانک گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔ بہت دیر ہو گئی تھی۔ وہ رافعہ کو اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے والی رو میں ہی وہ اسے نظر آ گئی۔ اس نے اجازت چاہی تو۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ ہی آ گئی۔

"اس وقت تمہارا تنہا جانا مناسب نہیں۔ وقت بہت ہو گیا ہے۔ ٹھہرو میں کسی کو بلاتی ہوں۔" وہ تیزی سے واپس گئی' اور جب آئی تو تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ اظہار بیگ چغتائی بھی تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں پھر منتشر سی ہونے لگیں۔

"اظہار اسے چھوڑ آؤ۔" اس نے کہا' تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔ وہ بوکھلا سی گئی۔

"پلیز تم بھی چلو۔" وہ جو اتنی پر اعتماد تھی' اس وقت جانے کیوں بوکھلا سی گئی۔

"کیا بے وقوفی ہے یار! یہ میری کزن ہیں' پھر تمہارے لیے اجنبی تو نہیں۔" رافعہ زور سے ہنسی تو وہ خجل سی ہو گئی۔

"سمجھو نا یار۔ اتنے گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ میں انہیں چھوڑ کر جاتی اچھی تو نہ لگوں گی نا۔" رافعہ پھر بولی تو وہ صرف بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"چلیے۔" وہ جو کافی دیر سے خاموش کھڑا تھا' یکدم بولا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ ایک نظر مسکراتی رافعہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

وہ فرنٹ ڈور کھولے اس کا منتظر تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس کے پوچھنے پر ہی اپنی رہائش گاہ کا پتا بھی بتایا۔ وہ چاہتی تھی کہ اظہار بیگ چغتائی اس کی "اصلیت" دیکھ لے اور اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو بھی روک لے۔ ان جذبوں کو کچل ڈالے جو خود اس کے دل میں بھی چپکے چپکے آنچ دینے لگے تھے' اگرچہ ابھی کچھ لمحوں پہلے اسے ایک خوبصورت احساس ہوا تھا۔

اس کا دل۔

اس کی روح۔

بالکل نئے اور قدرے انوکھے جذبوں سے روشناس ہوا تھا' مگر نہ جانے کیوں وہ ان کے جذبوں کو کچل دینا چاہ رہی تھی' بجائے ان کی آبیاری کرنے کے۔ شاید اس کی وجہ اس کی موجودہ حیثیت و مقام تھا۔

سفر نہایت خاموشی کے ساتھ جاری تھا۔ لگتا تھا ان دونوں کے بیچ فقط خاموشی ہی کا ایک رشتہ تھا۔ یا پھر دونوں اپنی اپنی جگہ' اپنی اپنی سوچوں سے الجھ رہے تھے۔ یا دونوں ہی کہنے کے لیے مناسب لفظ ڈھونڈ رہے تھے' مگر زبان تھی کہ لفظوں کو کسی طرح بھی لبوں پر نہ آنے دے رہی تھی۔ دونوں کی سوچیں البتہ خاصی مختلف تھیں۔ وہ اظہار بیگ چغتائی کو حقیقت کا آئینہ دکھا کر خود سے دور رکھنا چاہ رہی تھی' جبکہ اظہار بیگ چغتائی کے انداز و ادا کسی اور ہی جذبے کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اس کے لبوں پر پھیلا ہلکا سا تبسم' آنکھوں میں جلتی چاہتوں کی روشن قندیلیں اپنا آپ منوا لینے کی بھرپور سعی کر رہے تھے۔

ان دونوں کے درمیان قائم خاموشی خاصی بڑھ گئی تھی' تب ہی اظہار بیگ نے ہاتھ بڑھا کر ڈیک آن کر دیا۔ گلوکار کی دلکش آواز چہار سو بکھرنے لگی۔

کچھ نہ کہو کچھ بھی نہ کہو
کیا کہنا ہے کیا سننا ہے
مجھ کو پتا ہے تم کو پتا ہے
سے کا یہ پل تھم سا گیا ہے
اور اس پل میں کوئی نہیں ہے
بس ایک میں ہوں بس ایک تم ہو
کچھ نہ کہو کچھ بھی نہ کہو

گیت کے بولوں پر اس نے چونک کر اظہار بیگ کی طرف دیکھا تھا' مگر وہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے پورے انہماک سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کا انداز کسی ''فاتح'' کا سا تھا' جو دشمن پر بھرپور وار کرنے کے بعد سرشار سا ہو جاتا ہے' اور بے نیاز بھی۔ اپنی جیت پر نازاں اور اس وقت کچھ ایسا ہی غرور اس کے چہرے پر بھی تھا' مگر وہ یہ نہ سمجھ سکی تھی کہ اسے اظہار بیگ نے جیتا تھا' یا وہ خود ہی پسپا ہو گئی تھی۔ اس کی شاندار پرسنالٹی کے سامنے وہ خود ہی ٹوٹ کر جھک گئی تھی؟ ہار گئی تھی کیا؟ وہ اس بات کو سمجھ ہی نہ سکی تھی۔

اس نے چور نظروں سے دیکھا۔ وہ خاصا بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ آنکھوں میں ایک گہری چمک تھی' جسے موآب محسوس نہ کر سکی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی' شاید وہ اس کے ایڈریس سے ہی اس کی ''حقیقت'' جان گیا ہے' اور تب ہی خاموش ہو گیا ہے۔ اس نے ایک نظر پھر اس پر ڈالی تھی' مگر وہ تب بھی متوجہ نہ ہوا تھا۔ تب وہ مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی جب اس کے مطلوبہ ایڈریس پر رکی تو وہ خاصی تیزی سے اترنے لگی تھی کہ اس نے کلائی تھام لی۔ اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت گہری گہری نظروں سے تک رہا تھا اسے۔

''جن بے قراریوں کی لپیٹ میں' میں آیا ہوں۔ ان سے تم بھی واقف ہو کہ نہیں۔'' بہت فسوں خیز لہجے میں اس نے کہا تھا۔ موآب نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرا دیا' جیسے اس کی بے وقوفی پر ماتم کر رہا ہو۔

''جانتی ہو' میرا سکون لوٹ لیا ہے تم نے' نیندیں چھین لی ہیں' اس حسین صورت نے میری۔ آرام و سکون تباہ کر کے رکھ دیا ہے میرا۔ بولو ہے کوئی علاج اس کا تمہارے پاس۔'' بہت دھیما گمبھیر لہجہ اسے پل پل اپنی گرفت میں لے رہا تھا مگر وہ ڈٹ گئی۔ نہایت تلخی سے ہنسی

اور ایک نظر امینہ خانم کی کوٹھی کی طرف دیکھ کر بولی۔

''تمہارا علاج صرف امینہ خانم کے پاس ہے۔ اگر آنا چاہو تو ابھی آ جاؤ ''محفل'' جمی ہوئی ہے۔ تم جیسے امراء کے لیے اس کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک ''نگینہ'' ہے۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑایا' اور اس کا جواب سنے بغیر اندر چلی گئی' مگر دل نہ جانے کیوں رونے لگا۔

بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں' جنہیں کرنے کے بعد بعض اوقات بہت دکھ' اضطراب اور درد محسوس ہوتا ہے۔ روح و دل کے اندر اندھیرا سا چھا جاتا ہے' اور اس تاریکی میں ساری دنیا اندھیری معلوم ہوتی ہے۔ موآب نے اسے جھٹک تو دیا تھا' مگر اب دل جانے کیوں بے چینیوں اور بے تابیوں کی گرفت میں آ گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا۔ کسی مکینیکی انداز میں۔ اظہار بیگ چھتائی کی نظروں سے نکلنے والی چاہت کی تپش اس کے اندر جذب ہو گئی ہے۔ اس کی تمام تر بے قراری اس کے اندر منتقل ہو گئی ہے' مگر بہت جلد اس نے اپنی سوچوں کو جھٹک ڈالا تھا۔ خود کو بے حد' بے حساب مصروف کر لیا تھا۔ سمسٹر ویسے بھی قریب تھے۔ اس نے ساری باتوں کو فراموش کر کے اپنی تمام تر توجہ صرف کتابوں میں صرف کرنا چاہی تھی' مگر جب بھی کتاب کھول کر بیٹھتی اس میں سے اس کی دو بے حد ذہین اور چاہت سے بھرپور آنکھیں جھانکنے لگتیں۔ گھنگرو باندھے جب ریاض کر رہی ہوتی تو یوں لگتا گھنگروؤں کی چھن چھن اس شخص کے دل کی صدا بن گئی ہو۔ غرض ہر سر میں سے اسی کی پرچھائیں محسوس ہوتی۔

اس نے کئی دن سے یونیورسٹی کا رخ بھی فقط اسی لیے نہیں کیا تھا' کہ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی' بلکہ سرے سے اس میں ہمت ہی نہیں تھی' اس کے روبرو ٹھہرنے کی' مگر آخر فرار کب تک؟ اسے یونیورسٹی تو جانا ہی تھا' اور پھر نوٹس بھی بنانے تھے۔ سمسٹر ہونے والے تھے سو اس دن جی کڑا کر کے یونیورسٹی آ ہی گئی۔

''بھئی یہ ماہتاب تو کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ خیر تو ہے۔'' سہیل نے دیکھتے ہی جملہ کسا تھا۔

''راہ بھولے ہیں شاید لوگ۔'' عامر نے بھی کسر نہ چھوڑی' جبکہ نوشینہ اور زیب وغیرہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں' اور اس نے ان کی آوازوں پر ذرا بھی کان نہیں دھرے تھے۔ سیدھی لائبریری میں چلی آئی تھی۔ مطلوبہ بک ایشو کروائی اور ٹیبل پر آ بیٹھی۔ فائل کھول کر وہ پورے

انہماک سے لکھنے میں مشغول ہوگئی تھی کہ بھاری قدموں کی آواز پر چونک کے سر اٹھا' یا وہ عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔

اس نے ایک نظر دیکھا تھا' اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی' جبکہ وہ بہت اطمینان کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ اظہار بیگ نے اس کی بے نیازی کو ایک نظر دیکھا تھا۔

تب ہی نگاہ اٹھا کر اس نے دیکھا تھا' بلکہ گھورا تھا' مگر اس پر پھر بھی رتی برابر اثر نہ ہوا تھا۔ وہ گھورے گئی تھی۔

''ظالم نظروں سے تم نہ مجھ کو دیکھو مر جاؤں گا او جان جاناں مر جاؤں گا۔''

نہایت شوخی اور شرارت کے کہنے کے بعد وہ مسکرا دیا تھا' جبکہ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ بک بند کی تھی' اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی' جبکہ اس نے تیزی کے ساتھ کلائی تھام کر ایک جھٹکے کے ساتھ اسے دوبارہ بٹھا دیا تھا۔

''کہاں تک بھاگو گی۔ کہاں کہاں چھپو گی مجھ سے۔ میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہیں تمہارے سامنے ملوں گا۔ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتیں تم۔ تمہارے تمام راستوں پر میں کھڑا ہوں۔ میں اظہار بیگ چغتائی۔'' بولو مجھ سے فرار حاصل کر سکتی ہو؟'' بہت یقین اور اعتماد کے ساتھ وہ کہتا ہوا' اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے جذبوں کی حرارت اس کے لہجے میں صاف محسوس کی جا سکتی تھی' اور نہ جانے کیوں اس لمحے وہ بہت بولڈ سی لڑکی آنکھیں جھکا گئی' اور پھر تیزی سے ہی اٹھی تھی۔ کتابیں سمیٹی تھیں اور باہر نکل گئی تھی۔

✦ ◈ ✖

وہ سب آخری پیپر دے کر فارغ ہوئے تھے اور ''نجات'' کے بعد مسرت سے وہیں گھاس پر بیٹھ گئے تھے۔ گرم گرم سموسوں اور چائے کا آرڈر دے کر وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اظہار بیگ چغتائی بھی چلا آیا' اور وہ جو بہت اطمینان سے بیٹھی تھی نہ جانے کیوں پزل سی ہوگئی۔ باقی سب اس کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھے' مگر وہ گہری گہری نظروں سے بچنے کے لیے قدرے رخ موڑ کر بیٹھ گئی' اور گھاس کو بلا وجہ نوچنے لگی۔

''ہائے وہ تمہارے افیئر کا کیا ہوا سہیل۔'' اچانک نوشینہ نے پوچھا' تو وہ ہنس پڑا۔ ''ہونا کیا تھا وہی ہمیشہ کی طرح معاملہ ٹائیں ٹائیں فش۔ بھئی اپنی تو فطرت ہے کہ ایک

جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتے۔ آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اور آج کل ثنا انصار کا کیا چکر ہے؟ وہ بیالوجی ڈیپارٹمنٹ والی۔'' رافعہ بولی۔

''یار۔ وہ تو خود ہی لٹو ہوگئی ہے مجھ پر۔ سو میں بھی انجوائے کر رہا ہوں ان دنوں۔''

''کتنے کمینے ہوتے ہو تم مرد لوگ۔'' نوشینہ نے سموسہ اٹھا کر آدھا نگلتے ہوئے کہا۔

''اوں۔ ہوں۔ صرف مرد ہی نہیں۔ یہ لڑکیاں بھی خود کیوں لائن دیتی ہیں بھلا؟'' زیب نے بھی حصہ لیا۔

''جیو بادشاہو۔'' عامر نے مردوں کی سائیڈ لینے پر اسے شاباشی دی۔

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ہماری نوجوان نسل کو۔ تعلیمی اداروں کو کیسی غلیظ اور گھٹیا باتوں کے لیے استعمال کرنے لگے ہیں۔ اب خود بتاؤ افیئرز اور رومانس کے لیے بھلا یہ جگہ مناسب ہے۔ ذرا بھی خیال نہیں انہیں مقدس مقام کی پامالی کا۔'' نوشینہ نے کہا۔

''میں بھی تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔'' کب سے چپ بیٹھی موآب نے بھی حصہ لیا تو اظہار بیگ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ ''ڈرامے بازی' اور ڈھونگ رچانے آتے ہیں سب یہاں۔ یہ محبت وحبت سب بکواس ہے۔''

''خیر ایسا بھی نہیں۔ محبت کا تو اپنا ایک وجود ہے۔''

رافعہ نے کہا۔ ''ہاں یہ چند لوگ ہیں' جو اسے بدنام کیے ہوئے ہیں۔''

''اظہار بیگ صاحب آپ اس کے متعلق کچھ نہیں کہیں گے۔'' نوشینہ نے چپ بیٹھے اظہار کو مخاطب کیا' جو ان سب کی باتیں بہت دلچسپی سے سن رہا تھا۔

''میں اس بارے میں کیا کہوں؟'' وہ دھیرے سے موآب کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''ہاں۔ وہ پروین شاکر صاحبہ کچھ یوں فرماتی ہیں کہ۔

عشق لیلائے تمنا کا فسوں
عشق بیداری وحشت کا صحرا
عشق شہروں کا دھواں
عشق صحرا کا غبار
عشق آغوش لحد' عشق جذبوں کا قرار
عشق شعلوں کی خلش' عشق پتھر کا گداز

عشق اک نغمہ جان، عشق اک موت کا ساز
عشق پازیب جفا، عشق زنجیر سم
عشق شیریں کے سلگتے ہوئے خواب
عشق فرہاد کا خوں، قیس کا رقص جنوں
عشق جینے کی ادا، عشق ہر دل کی صدا
عشق کے کوچے میں فرعون گدا"

"واہ.....واہ.....واہ.....واہ" چاروں طرف سے شاباشی کے ڈونگرے برسنے لگے۔

"بھئی آپ تو بہت چھپے رستم نکلے۔" نوشینہ نے کہا، تو وہ زور سے ہنس پڑا۔

"تم نے وہ نہیں سنا نوشی ڈیئر کہ مردہ جب بھی بولتا ہے کفن پھاڑ کر بولتا ہے۔" عامر نے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

"ویسے عشق کے معاملے میں خاصا گہرا تجربہ ہے آپ کا۔" زیب نے کہا۔

"زیب۔" سہیل نے دل پر ہاتھ رکھا۔ "کہیں آپ بھی میری طرح بیمار عشق تو نہیں۔"

"اللہ نہ کرے جو ان کو آپ جیسی چیپ بیماری لاحق ہو۔" رافعہ نے درمیان میں ہی سے ٹوک دیا۔

"اور خاموش محترمہ تم بھی کچھ بولو بھئی۔" عامر نے اسے دیکھا۔

"میں؟" وہ جو سر جھکائے بیٹھی تھی، اچانک مخاطب کرنے پر چونک سی گئی، پھر سنبھل کر بولی۔

"عشق جنون سہی مگر عشق فقط جنون نہیں
ہوتے ہیں کچھ مطالبے عشق سے آگہی کے بھی مگر

ٹھہرا ٹھہرا، دھیما دھیما سا لہجہ اظہار بیگ اسے بغور دیکھنے لگا۔

"واہ بھئی واہ۔ یہاں تو سب ہی اس "مضمون" میں پی ایچ ڈی کیے ہوئے ہیں۔" رافعہ نے باقاعدہ تالیاں بجائیں۔ اظہار بیگ زور سے ہنس پڑا اور وہ جانے کیوں نظریں جھکا گئی۔

مجھے دور سے دیکھ کر باہر سے
اک جگمگ شہر سماں ہوں میں

میرا روپ سروپ انوکھا ہے
بس خواب و خیال ہے، دھوکا ہے
میرے اندر پاؤں نہ رکھنا کبھی
میرے اندر گھور اندھیرا ہے

"ہاں میرے اندر گھور اندھیرا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں لفظ دہرائے اور کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو بھئی۔ کتنی اچھی محفل جمی ہوئی ہے۔"

رافعہ نے کہا۔

"نہیں۔ مجھے جلدی جانا تھا۔ بہت ضروری کام ہے۔" وہ بولی اور فوراً آگے بڑھ گئی۔

سنو میرے دمساز!
تمہیں جو مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے
چلو یہ دعویٰ درست ہی سہی
لیکن صرف اتنا بتا دو ساتھی
کیا تمہاری محبت میں
اتنی طاقت ہے کہ وہ
میری ذات پہ چھائے
اداسیوں کے کڑے خول کو
توڑ پھوڑ سکے؟

رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تھی، تو نظروں میں آپ ہی آپ اس کا مسکراتا ہوا سراپا اتر آیا تھا۔ اپنا آپ منواتا ہوا۔ اس کی شخصیت میں کوئی خاص کشش، کوئی خاص جادوئی کیفیت تھی۔ جو دیکھنے والے پر اپنا گہرا اثر کرتی تھی، اس کی گفتگو، اس کا لب و لہجہ۔ کوئی عام نہ تھا۔ ہر بات میں انفرادیت تھی، پھر دھیمے سے مسکرانا۔

کون سی بات ایسی تھی جو اپیل نہ کرتی ہو۔

اور کون کافر ہوگا، جو اس کے انداز پر پگھلا نہ ہو۔

یا دل کی کیفیت نہ بدلی ہو۔

اس کے انداز میں مقابل کو شکست دینے والی ہر بات موجود تھی' پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ایک کمزور سی لڑکی' جو پہلے سے ہی محبت و توجہ کی متلاشی تھی نہ پگھلتی۔ یہ تو کسی طور پر ممکن ہی نہ تھا۔ اس کے دل میں بھی اسے دیکھ کر ایک ہلچل سی مچ جاتی تھی۔ پلکیں لرزنے لگتی تھیں' اور بالآخر جھک جاتی تھیں۔ بلا شبہ یہ محبت ہی کی کیفیات تھیں مگر..... نہ جانے کیوں وہ ''اقرار'' کرنے سے پہلو بچا رہی تھی۔

✦ ◈ ✖

اس کو بھی لگ ہی گئی شہر محبت کی ہوا
وہ بھی امجد ہے کئی دن سے پریشان بہت

وہ باہر لان میں تنہا بیٹھی کلاس ختم ہونے کا' اور ان سب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی' اور شاید سوچوں میں سب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی' اور شاید سوچوں میں غلطاں بھی تھی' جب ایک مانوس لب و لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی' وہ نہایت اطمینان سے اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ گھاس نوچنے لگی' حالانکہ اس کی آمد اور مخصوص مہک خاصی ڈسٹرب کر گئی تھی۔

''ہمارے تعلقات میں خاموشی کب تک حائل رہے گی؟ ہم میں خاموشی کا تعلق کب تک قائم رہے گا آخر؟''

اس کی بھاری آواز ابھری' مگر وہ نظریں جھکائے رہی۔

''سنو آخر تم چیز کیا ہو؟ کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی' پھر نہ جانے کیوں مسکرا دی۔ کسی بپھرے ہوئے شیر کے مانند لگ رہا تھا وہ۔

''جب اتنی خاص چیز نہیں ہوں تو پھر کیوں کر رہے ہو میرا پیچھا' کیوں وقت برباد کر رہے ہو اپنا؟'' عین اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ گویا لاجواب کرنا چاہا تھا' اس نے اسے۔

''اظہار بیگ چنتائی نے عام چیزوں کا انتخاب کبھی بھی نہیں کیا زندگی میں۔'' اس نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''میں کوئی چیز نہیں ہوں۔ ایک جیتی جاگتی لڑکی ہوں۔'' اسے جانے کیوں غصہ آ گیا' اس کے انداز پر۔ کیسے اپنا آپ باور کرا رہا تھا۔

اپنی حیثیت جتا رہا تھا شاید۔

''او کے اجو بھی ہو مگر اپنی اہمیت اور حیثیت سے واقف بھی ہو۔'' اس نے اسے غصے میں دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ ''تب ہی تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی ہو۔'' وہ دوبارہ سر جھکا کر گھاس نوچنے لگی۔

''سنو' مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے کیا دودھ کی نہر نکالنا پڑے گی۔''

موآب نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر خاصی معصومیت تھی۔ بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی' مگر اس نے دانتوں سے ہونٹ دبا لیا۔

''میں شیریں نہیں ہوں۔ لہٰذا آپ کو اتنا تردد کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔''

''شیریں نہیں ہو' مگر اس سے زیادہ کڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے مجھے۔ اتنا تو اس بیچاری نے فرہاد کو بھی تنگ نہیں کیا ہو گا' جتنا تم مجھے کر رہی ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ویسے دودھ کی نہر نکالنا زیادہ آسان ہو گا' بجائے تمہاری بے اعتنائی سہنے کے۔'' پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔

''واقعی دل فتح کرنا دنیا فتح کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

اگر میں دنیا فتح کرنے نکلتا تو آدھی سے زیادہ دنیا پر اپنا جھنڈا گاڑ چکا ہوتا اب تک۔''

''بس یا کچھ اور بھی کہنا ہے آپ کو۔'' موآب نے نہایت اطمینان سے اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا' اور وہ بیگ کاندھے پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

پیچھے سے اس کی بھاری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی' مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

✦ ✖

"بے بی! آپ کو خانم بلا رہی ہیں۔" وہ کتاب پر جھکی ہوئی تھی' جب خانم کا وفادار ملازم خادم اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"اچھا تم جاؤ میں آتی ہوں۔" وہ ڈسٹرب کیے جانے پر خاصی جھنجلا گئی تھی' پھر بھی اٹھی۔ بے دلی سے بالوں میں برش پھیرا' اور باہر نکل آئی' مگر جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ خانم کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر قدرے ٹھٹک گئی۔ اس کے قدم وہیں جم گئے۔

"ارے ٹھہر کیوں گئیں میری جان اندر آؤ۔" امینہ خانم نے محبت سے پچکارا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ آئی۔

"یہ ہے میری پیاری سی جان موبی اور موبی یہ ہیں' ہمارے ملک کے بہت بڑے صنعت کار ابراہیم ظفر صاحب۔" وہ خاموشی سے دیکھنے لگی تو بولی۔

"سلام کرو بے بی انہیں۔ بھئی میری بے بی ذرا تھکی ہوئی ہے اس لیے۔" وہ ہنستے ہوئے کچھ کہنے والی تھیں کہ وہ جھٹ سے بول پڑی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام!" جواب دینے والے نے بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ موآب کو کھچڑی بالوں والے اس شخص کی یہ "حرکت" خاصی چبھ سی گئی' اور وہ وہاں سے ٹلنے کے متعلق سوچ ہی رہی تھی کہ خانم بولیں۔

"بے بی چائے بنا کر دو انہیں۔"

"جی۔" اس کی آواز میں حیرت کا عنصر خاصا نمایاں تھا۔ خانم نے نظروں ہی نظروں میں اسے تنبیہ کی۔ وہ خاموشی سے بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔

"پڑھتی بھی ہیں آپ۔" بڑے صاحب نے خاصی "جانچتی" نظروں سے دیکھ کر

پوچھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض ہے؟" اسے جانے کیوں بے حد غصہ آ رہا تھا۔

"ار..... رے جناب! ہم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔" اس کی نظریں ہی نہیں لب و لہجہ بھی اسے حیرت میں مبتلا کر رہے تھے۔ اس نے خانم کی طرف دیکھا تھا' مگر وہ بدستور مسکرا رہی تھیں۔ سرخ رنگ کی بھڑک دار ساڑھی میں ملبوس' پان چباتی ہوئیں۔ فل میک اپ میں۔

اسے خانم خاصی تروتازہ معلوم ہوئیں۔

"اور کیا کیا مشاغل ہیں آپ کے؟" پھر سوال ہوا۔

"آپ جان کر کیا کریں گے؟" اس نے چائے بنا کر آگے بڑھائی۔

"بہت مصروف رہتی ہے بے بی۔ پہلے یونیورسٹی' پھر یوگا کی کلاس' اس کے بعد ماسٹر اللہ دتہ کی زیر تربیت رقص و موسیقی سیکھتی ہے' پھر اپنی اسٹڈی بھی کرتی ہے۔ رات گئے کہیں فارغ ہوتی ہے۔"

"اتنی سی جان پر اتنا ستم۔" ابراہیم ظفر نے کسی ماہر شکاری کی طرح جال پھینکا۔ وہ بس دیکھ کر رہ گئی۔

"ارے میں تو اتنا منع کرتی ہوں' مگر مجال ہے جو کوئی اثر ہو جائے اس پر۔ سارا حسن غارت کر کے رکھ لیا ہے اس نے تو۔ پڑھ پڑھ کر آنکھوں کی چمک کیسی ماند پڑ گئی ہے میری چاند کی۔" خانم کا بدلہ ہوا لہجہ اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔ ظفر صاحب خانم کی بات پر زور سے ہنس پڑے تھے۔

"میں جاؤں اب؟" اس نے خانم کی طرف دیکھا' اور ظفر صاحب نے اس کی طرف۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" بے ساختہ ہی ان کے منہ سے نکلا تھا' اور وہ چونک کر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے نا کہ کسی کی بات ہمیں بہت ناگوار بھی گزرے تو ہمیں اپنا منہ بند رکھنا پڑتا ہے' مگر ایسے میں اندر ہی اندر ابال سا اٹھتا رہتا ہے۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں تھی' تب ہی تو دوسری بار خانم سے اجازت بھی طلب نہ کی تھی' اور تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔

"اتنی بھی تمیز باقی نہیں رہی کہ مہمانوں سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔" امینہ خانم نے

صاحب کے جاتے ہی اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے کتاب پر جھکی رہی' تب انہوں نے آگے بڑھ کر کتاب جھپٹ لی۔

"تم سے کہہ رہی ہوں میں۔ اتنی بدتمیز کب سے ہو گئی ہو تم؟"

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ آخر کیا ضرورت تھی اسے میرے پورشن میں لانے کی۔ آپ کے وہاں کے مخصوص حصے میں موجود ماہتابوں کی ضیا ماند پڑ گئی تھی کیا؟"

اس نے خود سری سے کہا۔ خانم اسے گھور کر رہ گئیں۔

"انہوں نے خود تم سے ملنے کی خواہش کی تھی' پھر ہمارے ہاں یہ بات قابل اعتراض بھی نہیں جو رد ہو جاتی۔"

"آپ جانتی ہیں نا کہ پڑھ رہی ہوں ابھی۔" اس نے نظریں اٹھا کر بھرپور شکوہ کیا۔

"تو پڑھو میری جان! پوری اجازت ہے تمہیں' مگر اپنے قدم اس حدود سے باہر ہرگز نہ نکالنا' جو ہم نے تمہاری آزادی کے طور پر متعین کی ہیں' ورنہ اس کا انجام کچھ اچھا نہ ہو گا۔" انہوں نے خاصے دھیمے لہجے میں یہ سخت سی بات کہی تھی۔ "اور ہاں۔ فرائیڈے کو ان کے ہاں فنکشن ہے۔

انہوں نے تمہیں بطور خاص انوائٹ کیا ہے' اور میرے خیال میں یہ تمہاری خوش قسمتی ہی ہے جو تم پر اتنے بڑے شخص کی نظر کرم ٹھہر گئی ہے۔" انہوں نے خاصے تفاخر سے کہنے کے ساتھ ہی اسے اپنے ساتھ لگا کر بھینچا بھی تھا' مگر اس کا سانس نہ جانے کیوں دب کر رہ گیا تھا۔ سینے کے اندر کہیں بہت زور سے کچھ ٹوٹا بھی تھا' اور دکھن بھی شدید ترین ہوئی تھی۔

گویا۔ اب میری باری بھی آ گئی۔ امینہ خانم یقیناً اب تم مجھے بھی کیش کراؤ گی۔ کسی بلینک چیک کی طرح۔ اندر ہی اندر درد بڑھتا جا رہا تھا' مگر چارہ گر کوئی نہ تھا۔

✦ ◈ ✦

وہ خاصی غائب دماغی کے ساتھ بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ پوائنٹ کب کا نکل گیا تھا۔ پرائیویٹ بسیں بھی جو یونیورسٹی روٹ پر چلتی تھیں' کافی گزر چکی تھیں' مگر وہ اپنی جگہ ساکت اور جامد سی کھڑی تھی۔ بہت دنوں بعد آج اس پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی تھی' جسے امینہ خانم "دورہ" کہتی تھیں۔ وہ یونیورسٹی جانا تو نہیں چاہتی تھی' مگر پھر بیگ اٹھا کر اس لیے نکل آئی تھی کہ وہاں رہ کر مزید ڈپریشن بڑھتا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ایک گاڑی

بالکل اس کے قریب آ رکی۔ ہارن کی آواز پر چونک کر دیکھا تھا۔ کھڑکی میں سے ایک شناسا چہرہ جھانک رہا تھا' اور وہ چہرہ انصار بیگ چغتائی کا تھا۔ رافعہ کے ڈیڈی کا۔

"ارے انکل آپ۔" وہ بہ مشکل مسکرائی۔

"کہاں جانا ہے؟ آؤ بیٹھو۔" وہ کھلے ہوئے فرنٹ ڈور سے اندر داخل ہو گئی۔

"یونیورسٹی۔"

"اتنی دیر سے؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ صرف مسکرا دی۔

"اس روز کے بعد آپ آئی ہی نہیں بیٹا۔" انہوں نے پوچھا تھا' اور مو آب حیرت سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اتنی محبت سے چاہت سے' اپنائیت سے کسی نے پہلی بار اسے مخاطب کیا تھا۔ کس قدر چاشنی تھی اس چھوٹے سے جملے میں' اور اس سے کہیں زیادہ چاشنی بولنے والے کے انداز میں تھی۔ کیسا مہربان اور پدرانہ لہجہ تھا۔ اس کی سماعت کے لیے یہ لب ولہجہ قدرے نیا اور انوکھا تھا۔ اس کی روح اندر تک سرشار ہو گئی تھی' اور وہ ایک مسلسل حیران کن کیفیت میں انہیں دیکھے گئی تھی۔

"کچھ غلط بات کہہ دی کیا میں نے؟" انہوں نے اسے ساکت دیکھ کر پوچھا تھا' اور اس پل اس نے خود کو خاصا احمق تصور کیا تھا اور فوراً سنبھل کر بولی تھی۔

"پلیز' ایک بار پھر وہی جملہ دہرا دیں انکل۔" اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا تھا۔

"کونسا.....؟" انہوں نے خاصی حیرت سے دیکھا۔

"وہ بیٹا والا۔" اس نے ان کے سوبر سے بڑھاپے کو دیکھا۔ کیسا وقار تھا ان میں' کسی بھی بناوٹ سے پاک۔ کنپٹیوں کے سفید بال۔ آنکھوں پر گولڈن فریم کا چشمہ۔ وہ بغور دیکھ رہی تھی انہیں۔ وہ اس کی بات پر مسکرا دیے تھے۔

"بیٹا! اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ بھئی آپ میری بیٹی جیسی ہی تو ہیں۔"

"آپ نہیں سمجھیں گے انکل۔" وہ مسکرا دی۔

میری پیاسی سماعت نے یہ لفظ پہلی بار سنے ہیں دل کی زمین پہلی بار سیراب ہوئی ہے' مگر آپ کیسے سمجھیں گے بھلا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ کر رہ گئی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے بیٹا؟" انہوں نے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"اے ون۔" وہ مسکرائی تھی۔

"کبھی آیئے نا اپنے والدین کو لے کر ہمارے ہاں۔"

انہوں نے پورے خلوص سے دعوت دی تھی' مگر اس کی چمکتی آنکھوں کی جوت بجھ کر رہ گئی تھی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ معدوم سی ہو گئی تھی۔ یونیورسٹی پہنچ کر جب گاڑی رکی تھی' تو وہ خدا حافظ کہہ کر تیزی سے اتر گئی تھی' مگر سارا دن انہی کا خیال ذہن سے چپکا رہا تھا۔

✦ ◈ ✦

"میرے والدین کون تھے نانو؟" اس دن امینہ خانم خاصے موڈ میں تھیں' جب اس نے اپنے ذہن میں کب سے پلتا ہوا سوال پوچھا۔ وہ خاصی حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"یہ آج تجھے بیٹھے بٹھائے اپنے والد کی یاد کیسے آ گئی؟"

"یونہی۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ انہیں دیکھوں' محسوس کروں۔" کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔ "نانو میرے ابو زندہ تو ہیں نا؟" اس کا انداز سوالیہ تھا۔ اس میں ایک آس بھی تھی مگر امینہ خانم کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"مر گیا وہ دغا باز' دھوکے باز' مت نام لینا دوبارہ کبھی اس کا' تیری ماں کا قاتل ہے وہ۔ اپنی شناخت تک نہ دی اس نے تجھے اور تو مری جا رہی ہے اس کے لیے۔" ان کا لہجہ انتہائی کڑوا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

"پہلے تیری ماں کو محبت کے جال میں پھانسا۔ اسے عزت دار بنانے کے خواب دکھا کر ورغلایا۔ شادی کا وعدہ تک کر لیا۔ تاریخ بھی ٹھہرا دی۔ ہمارے ہاں کبھی کسی کا ڈولا نہیں اٹھا مگر میں اپنی بیٹی کی محبت میں یہ کڑوا گھونٹ بھی پی گئی۔ میں اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ سو مان گئی' مگر وہ عین وقت پر اسے دھوکا دے گیا۔ وہ دلہن بنی بیٹھی رہ گئی' مگر وہ پلٹ کر واپس نہ لوٹا۔ تیری ماں اس وقت کیسے غم سے دوچار ہوئی تھی۔ کئی دن تک اس کی حالت غیر رہی تھی۔

کچھ بولتی تھی نہ کھاتی پیتی تھی۔ تیری پیدائش تک اس کی یہی حالت رہی تھی' اور پھر وہ تمام دکھوں سے نجات پا گئی تھی' ہمیشہ کے لیے۔ تجھے میری جھولی میں ڈال کر ہمیشہ کی پرسکون نیند سو گئی تھی وہ۔" ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "ظالم تھا وہ شخص۔ مت ذکر کیا کر اس کا میرے سامنے۔ سنا تو نے' دوبارہ نام بھی مت لینا اس کا۔" انہوں نے چیخ کر کہا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔

✦ ◈ ✦

انسان سب کچھ کر سکتا ہے' مگر اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ یہ بات اس نے سوچی تھی' اور بغور مطالعے کے بعد اخذ کی تھی۔ بندہ کچھ بھی کر لے' کتنے ہی جتن کر ڈالے' مگر اس کی تقدیر اسے پٹخ پٹخ کر مارتی ہے۔ یہی سوچ کر اس نے سب باتوں کو' سوچوں کو فراموش کر دیا تھا' اور پھر سے اسی "مقام" پر خود کو "فٹ" کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بات الگ تھی کہ اس کوشش میں اس کو اپنا دل اور روح اپنے ہاتھوں مارنا پڑ رہا تھا۔

امینہ خانم کے "نگار خانے" پہلے سے کہیں زیادہ روشن ہو گئے تھے' اس وجہ سے وہ آج کل بہت خوش تھیں۔

ان دنوں ایک بہت بڑا تاجر شانو کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا تھا' اور یہ بات خانم کے لیے بے حد مسرت بخش تھی۔ ان پر تو کسی خزانے کے دروازے کھل گئے تھے۔ تاجر اندھا دھند روپیہ پیسہ لٹا رہا تھا اس نگینے پر' جسے خانم کے ماہر ہاتھوں نے تراش خراش کر "قیامت" بنا ڈالا تھا۔

مو آب نے اسے دیکھا تو خاصی حیرت ہوئی تھی۔ پہلے دن وہ جتنا واویلا مچا رہی تھی' اس سے لگتا نہیں تھا کہ وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو جائے گی' مگر اب اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر وہ محو حیرت رہ گئی تھی۔ اس دن وہ یونیورسٹی سے لوٹ رہی تھی' جب وہ ریڈ جارجٹ کی بغیر آستین کی ساڑی میں' فل میک اپ کے ساتھ اس تاجر کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھی کر کہیں جا رہی تھی۔ وہ پہلے دیکھ کر تو پہچان ہی نہ سکی تھی' پھر خادم سے تصدیق کی تھی اور کتنے ہی پل وہ سوچتی رہی تھی کوئی اتنی جلد بھی سمجھوتا کر سکتا ہے؟ ایک میں ہوں۔ اسی ماحول کی پروردہ ہونے کے باوجود اسے اب تک قبول نہیں کر سکی ہوں۔ تب ہی تو زندگی بوجھ بن کر رہ گئی ہے میرے لیے۔ جو لوگ اپنے حالات سے' ماحول سے جلد سمجھوتا کر لیتے ہیں وہ لوگ خوش بھی رہتے ہیں اور مطمئن بھی' مگر میں نہ جانے کیوں ایسا نہیں کر سکتی۔ شاید یہ بھی میری بدقسمتی ہے۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے طبیعت قدرے بوجھل سی تھی۔ وہ کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی۔ خادم آیا اور دودھ کا گلاس رکھ کر چلا گیا' مگر اس نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بہت دیر تک یونہی پڑی رہی تو خانم خود ہی اسے اٹھانے آ گئیں۔

"اتنی سستی اچھی نہیں ہوتی۔ مت سوتی رہا کر اتنی دیر تک۔" اس دن کے بعد سے اس نے ان سے بات تک نہیں کی تھی' مگر وہ خود ہی گاہے بگاہے بلاتی رہتی تھیں۔ کبھی کسی بہانے

سے تو کبھی کسی بہانے سے۔شاید وہ اپنے اس دن کے سخت الفاظ پر شرمندہ تھیں' مگر موآب نے بھی زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔بس خاموشی سے ہر کام کیے جاتی تھی۔

"ناراض ہے مجھ سے میری جان!" انہوں نے اسے چپ دیکھ کر لگاوٹ سے پوچھا۔

وہ چپ رہی البتہ پلکوں سے جانے کیوں ایک قطرہ ٹوٹ کر رخسار پر بہہ گیا۔

"کیوں سوچ سوچ کر جان جلاتی ہے اپنی بھی اور میری بھی۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا' اور اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔"تو الٹے الٹے سوال کرتی ہے تو مجھے بھی غصہ آتا ہے' پھر تو ایسی باتیں نہ کیا کر۔" وہ خاموشی کے ساتھ آنسو بہاتی رہی۔"مت رو۔جانتی ہے تیرے آنسو میری جان نکال دیتے ہیں۔اتنی سی تھی' جب سے پالا ہے تجھے۔تیری ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتی میں۔ماں بن کر جو پرورش کی ہے تیری۔" ان کی آواز بھی بھرا گئی۔

ماں بن کر پالا ہے تب ہی مجھے اس "بھاڑ" میں جھونکنا چاہتی ہیں۔وہ بولنا چاہتی تھی' مگر لفظ اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئے۔

"چل اٹھ' نہا دھو کر فریش ہو جا پھر مل کر ناشتہ کرتے ہیں دونوں۔" انہوں نے مسکرا کر اس کے بال بکھیرے' تو وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

شام کی چائے وہ لان میں بیٹھی پی رہی تھی' جب اچانک ہی کہیں سے ابراہیم ظفر چلے آئے۔

ہیلو سوئٹ گرل۔کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اپنی قیمتی گاڑی کی' کی چین گھماتے ہوئے پوچھا۔اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا' مگر چپ بیٹھی رہی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا تھا' اور اجازت ملنے سے پہلے ہی کرسی پر ٹک گئے تھے۔وہ گھور کر رہ گئی تھی۔

"اس روز ہماری دعوت میں تو آپ آئی ہی نہیں؟"

انہوں نے اس کا بھرپور "جائزہ" لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایسی دعوتوں میں جانا پسند نہیں کرتی۔" اس نے کڑوے لہجے میں جواب دیا۔

"چلئے۔آپ نہیں آتیں تو ہم چلے آئے ہیں۔مقصد تو آپ سے ملنا ہی ٹھہرا۔سو مل لیے۔" انہوں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔موآب کے چہرے کا رنگ بدل گیا

تھا۔قریب تھا کہ وہ کوئی سخت بات کہتی کہ تب ہی وہ جلدی سے بولا تھا۔

"پلیز ہمیں بھی ایک کپ چائے پلا دیں اپنے ہاتھوں سے۔"

"لینا شوق اپنے ہاتھوں سے پورا کیجئے۔مجھے ضروری کام ہے۔" وہ کہہ کر تیزی سے اٹھی تھی' اور اپنے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔

✦ ◈ ✖

پیریڈ لینے کے بعد وہ انہی کی طرف آ گئی تھی۔وہ گروپ کی شکل میں بیٹھے ہمیشہ کی طرح خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"اوہو۔بھئی پڑھا کو لوگ آ گئے ہیں۔ذرا جگہ چھوڑ دو۔" عامر نے دیکھتے ہی فقرہ کسا۔

"تم لوگوں کو تو ذرا فکر نہیں۔ایگزم سر پر ہیں' اور اب بھی بیٹھے وقت گنوا رہے ہو۔" اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور دھڑام سے بیٹھ گئی۔

"بھئی اپنے حصے کی فکر بھی ہم نے آپ کو سونپ دی ہے۔" سہیل نے کہا۔"ویسے ہائے دادے ہم وقت گنوا نہیں رہے انجوائے کر رہے ہیں۔بھلا یہ حسین دن پھر لوٹ کر کب آئیں گے؟ جتنا لطف اٹھائیں کم ہے۔"

"ہاں وہ احمد فراز صاحب بھی شاید اسی موقعے کے لیے کہہ گئے ہیں۔

کل کے اندیشوں سے اپنے دل کو آزردہ نہ کر
دیکھ یہ ہنستا ہوا موسم' یہ خوشبو کا سفر"

"بھئی کل جو ہو گا وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" نوشینہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو ڈیئر کزن آپ کیا سنا رہے تھے۔" عامر نے اظہار بیگ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ موآب کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

سننے والے پہ منحصر ہے عدم
خامشی میں بھی صدا ہوتی ہے

"ارے وہی غزل سناؤ نا یار جو پہلے سنا رہے تھے۔"

رافعہ نے بے تکلفی سے کہا' پھر مڑ کر اس سے بولی۔

"موآب یار کیا کمال کی چیز ہے۔تم بھی سنو اور داد دو میرے کزن کو۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

اظہار بیگ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر گویا ہوا۔

"سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ان کو ہرن دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو ہم بہار پہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں"

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اظہار بیگ سرعام اس سے اظہار الفت کر رہا ہو۔ وہ سر جھکا کر گھاس نوچنے لگی تھی کہ اس کی تپش سے بھرپور نظریں اس کے صبیح چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

"سنا ہے اس کی شبستان سے متصل ہے بہشت
مکین ادھر کے بھی جلوے ادھر کے دیکھتے ہیں"

اس کی حالت بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔ لگ رہا تھا۔ سب پر یہ راز فاش ہو گیا ہو۔ گویا کوئی معیوب بات نہیں تھی اور جس ماحول میں وہ رہ رہی تھی وہاں تو بالکل بھی نہیں تھی مگر جانے کیوں وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔

"رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو زمانے ٹھہر کر دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں"

"واہ بھئی واہ۔ کیا بات ہے۔" سہیل نے بھرپور داد دی۔

"ان کا شعری ذوق بہت عمدہ ہے۔" زیب نے ہولے سے کہا۔

"اور خود ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" عامر شوخی سے بولا تھا۔ زیب خجل سی ہو گئی تھی، اور سب زور سے ہنس پڑے تھے۔

اسی دم ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی، اور سب اس موسم کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے لگے۔ گرم پکوڑوں کے ساتھ چائے نوش کی گئی، قہقہوں اور خوش گپیوں کے درمیان۔ لان میں چاروں طرف گروپوں کی شکل میں جمع لوگ، اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ بارش میں قدرے تیزی آ گئی تھی، اور کپڑے بھی خاصے بھیگ گئے تھے۔ تب ہی وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ موآب نے بیگ کندھے پر ڈال کر دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا، اور ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی۔ پوائنٹ تو یقیناً مس ہو گیا تھا۔ اب تو کسی دوسری سواری ہی میں جانا تھا، اور دو دو بسیں بدلنا اس کے لیے خاصا محال تھا، مگر پھر بھی ان سب کو خدا حافظ کہہ کر نکل پڑی تھی۔ بارش لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہی تھی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ اسے اسٹاپ پر کھڑے خاصی دیر بیت گئی تھی، مگر کوئی سواری مل نہیں رہی تھی، اور اب وہ اس موسم کو کوس رہی تھی جو اچانک ہی کہیں سے نمودار ہو گیا تھا، ورنہ صبح جب نکلی تھی تو اچھی خاصی دھوپ تھی، اور گمان تک نہ تھا کہ ہلکی سی بوندا باندی بھی ہو گی، اور اب چھاجوں ٹوٹ کر برس رہا تھا۔ وہ ایک درخت کے گھنے سائے تلے پناہ لیے ہوئے تھی۔ ایک دو لوگ اور بھی اس کے اردگرد موجود تھے، مگر ان میں کوئی "مونث" نہ تھی۔ بجلی ایک کڑاکے سے چمکی تھی، اور اس کی روح اندر تک کانپ گئی تھی۔ بے پناہ ڈر اور خوف نے اس کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ وہ کسی پتے کی طرح کانپنے لگی تھی۔ ایسی صورتحال سے پہلی بار اس کا سامنا ہوا تھا۔ شاید تب ہی اس کی یہ حالت تھی۔ اچانک ایک بائیک اس کے پاس آ کر رکی تھی۔ اس پر سوار دو من چلوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اسے بیٹھنے کی آفر کی تھی۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر سڑک کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اسٹاپ اب بالکل سنسان ہو چکا تھا۔

"ارے آؤ رانی۔ کب تک یونہی بھیگتی رہو گی۔"

ایک لفنگے نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی کہیں بیمار پڑ گئیں تو..... کیوں ظلم کر رہی ہو اس حسین سراپا پر۔" دوسرے نے اس کا بازو تھاما۔

"شٹ اپ۔" اس نے بڑی ہمت کے ساتھ ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ کسی زخمی ہوئے شیر کے مانند اسے دیکھنے لگا۔ وہ بھی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ تب ہی سیاہ گاڑی ایک جھٹکے سے اس کے قریب آن رکی۔ فرنٹ ڈور کھول کر اظہار بیگ پھرتی تیزی سے باہر نکلا

تھا۔صورتحال سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی۔تب ہی اس نے بغیر کچھ کہے۔ان پر حملہ کر دیا تھا۔وہ حیرت سے اس مہارت سے اپنے داؤ پیچ ان پر آزما رہا تھا' اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں زمین پر ڈھیر ہو چکے تھے۔شرٹ کے کف ٹھیک کرتا ہوا وہ واپس مڑا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔''بغیر دیکھے وہ اس سے بولا تھا۔

اس کی آواز میں' لہجے میں نہ جانے کیسا تحکم تھا کہ وہ خاموشی سے آگے بڑھ آئی' اور کھلے فرنٹ ڈور سے سیٹ پر بیٹھ گئی۔دل بہت عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ابھی کچھ دیر قبل جو امٹریٹ فائٹ اس نے دیکھی تھی' وہ اس کے لیے خاصی حیرت کا باعث تھی۔وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنا اچھا فائٹر بھی ہو سکتا ہے' اور پھر یہ بات قابل غور تھی کہ کیا وہ واقعی اس کے لیے اتنی اہم ہے کہ وہ بے خوف وخطر اس کے لیے لڑ گیا' اور دو آدمیوں کو پل میں ڈھیر کر ڈالا۔

یہاں پر آ کر اس کی سوچ یکدم ٹھہری سی گئی تھی' کہ کہیں وہ دونوں لڑکے خدانخواستہ.....

اور یہ سوچ کر اسے پسینہ آ گیا تھا۔اگر اس کی وجہ سے اظہار بیگ چنتائی پر کوئی آفت آ گئی تو.....اس نے یہی سوچ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔وہ ڈاسکرین پر ڈرائیو تیزی کے ساتھ چل رہے تھے۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کہے۔بس دیکھے گئی تھی' خالی خالی نظروں سے۔

''اب بس بھی کرو۔کیا نظر لگا کر چھوڑو گی۔''اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔لبوں پر ہلکا سا تبسم بھی تھا۔وہ خجل سی ہو گئی' اور فوراً کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔بارش اب بھی جاری تھی۔بادل ٹوٹ کر برس رہے تھے اور گاڑی کے اندر اس شخص کی قربت نے اس کے اندر ہلچل مچا رکھی تھی۔دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں' حالانکہ دونوں کے درمیان مکمل خاموشی تھی' مگر یہ وہ وقت تھا' جب بغیر کہے' جذبے بولتے ہیں۔چپ کی زبان میں ہی لاکھوں باتیں ہو جاتی ہیں اور اس وقت جو جذبے اس کے اندر سر ابھار رہے تھے' اس نے انہیں دبانے کی کوشش نہیں کی تھی۔وہ چاہ رہا تھا کہ آج تمام راز فاش ہو جائیں' دلوں کی باتیں کھل کر سامنے آ جائیں جو چاہت کئی عرصے سے اندر ہی اندر پل رہی تھی' وہ آشکار ہو جائے' مگر لبوں پر جیسے قفل سے پڑ گئے تھے۔کچھ بھی نہ بول سکی تھی' بلکہ جب محاسبہ کیا تھا تو ڈھیروں شرمندگی بھی ہو رہی تھی' کہ وہ کتنے عرصے سے ایک شخص کی محبتوں کو اپنے پاؤں تلے روندتی آئی تھی' اور آج وہی شخص اس کے لیے جان پر کھیل گیا تھا۔گاڑی ایک جگہ

سے رکی تھی' اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کی قیام گاہ آ گئی ہے۔''اس نے کہا تھا' مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھی۔ایک نظر اس بھرپور شخص کو دیکھا تھا' اور پھر نظریں جھکا گئی تھی۔کتنے ہی لفظ تھے' مگر حلق تک آتے آتے دم توڑ گئے تھے۔ایک دیوار آڑے آ گئی تھی۔وہ بے بس سے ہونٹ کچلتی اترنے لگی تھی کہ اس نے کلائی تھام لی۔

''ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی قطعی ضرورت نہیں۔جو کہنا' جو سننا ہے۔وہ ہم دونوں ہی جانتے ہیں۔''

اس کے لہجے میں جذبوں کی حرارت تھی' اور اس کا نازک سا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔

''کیا میں نے غلط کہا ہے؟''اس نے تصدیق کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا' اور ان جھیل سی گہری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر سرشار سا ہو گیا تھا۔البتہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھکا لیا تھا' اور پھر سہولت سے اپنا ہاتھ چھڑا کر تیزی کے ساتھ اندر بڑھ گئی تھی' اور وہ زور سے ہنس پڑا تھا۔

اسے ایک شخص کی چاہت کیا ملی تھی۔لگتا تھا سارے جہاں کی دولت اس کے دامن میں آ گئی ہو۔دل چاہتا تھا روئی کے گالوں کے مانند آسماں پر اڑتی چلی جائے۔خوشی کا اور سرشاری کا اظہار اس کے انگ انگ سے چھلک رہا تھا۔پہلے جہاں وہ چپ چپ اور کھوئی کھوئی رہتی تھی' تو اب چہار سو اس کے نقرئی قہقہے جلترنگ بکھیرتے رہتے تھے۔ایک دلکشی سی اتر آئی تھی اس کے چہرے پر۔حسین وہ پہلے بھی کم نہ تھی' مگر اب تو اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔نظر چہرے پر ٹکتی ہی نہ تھی۔اس نے خود اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تھا' اور حیران رہ گئی تھی۔کیا صرف ایک شخص کی محبت میں اتنی طاقت ہے کہ اس نے یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔اس کا خیال کیا آتا چہرہ گلنار ہو جاتا۔

دھڑکنیں اسی کے نام کی مالا جپنے لگتیں' اور وہ اپنی کیفیتوں پر آپ حیران رہ جاتی۔

اور حیران تو امینہ خانم بھی ہوئی تھیں اسے دیکھ کر۔ان دنوں وہ انہیں خاصی بدلی بدلی محسوس ہو گئی تھی۔وہ جہاں دیدہ عورت تھیں۔انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے' مگر فی الحال انہوں نے اس سے کچھ بھی پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

✦◈✦

سمسٹر ہو رہے تھے سو کئی دن تک اس کا سامنا نہ ہو سکا تھا۔ موآب اس کی کمی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ کئی دنوں تک وہ نظر ہی نہیں آیا تھا' ورنہ تقریباً روز ہی وہ ان کے ڈیپارٹمنٹ کا چکر لگاتا تھا۔ وہ آخری پرچہ دے کر یہ سوچتی ہوئی باہر نکلی تھی کہ رافعہ سے پوچھے گی۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ سامنے سے چلا آیا۔ اس نے دیکھا' اور بہت بے قراری سے آگے بڑھی۔

''کہاں تھے آپ اتنے دنوں سے۔ نظر کیوں نہیں آئے۔ کیسے ہیں اب؟''

اس کے کئی سوالوں پر وہ یکدم مسکرا دیا تھا۔

محبت میں تو مگر ہو رہا ہوں
میں قطرہ تھا سمندر ہو رہا ہوں
ہر اک خانے میں تیرے بت سجے ہیں
کسی دیوی کا مندر ہو رہا ہوں

''کبھی سیریس بھی ہوں گے آپ۔ کتنی پریشان رہی تھی میں۔''

''اف۔ کیا کہا ذرا پھر سے کہنا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' اس نے شرارت سے چھیڑا۔ وہ دانت بھینچ کر رہ گئی۔ ''میری بے قراریوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔''

''نہیں سرشار ہو رہا ہوں۔'' اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تمہیں نہیں معلوم تمہاری یہ بے قراری دیکھ کر میرے دل کو کتنا قرار ملا ہے۔ کتنا دلکش ہوتا ہے نا یہ احساس کہ کوئی شخص آپ کو اتنی اہمیت دے۔ مس کرے۔'' اس نے دھیمے اور گمبھیر لہجے میں کہا' پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تم نے مجھے یاد کیا تھا؟''

ہاں۔ ایک یہی تو کام تھا میرے پاس۔ پاگل کر دیا ہے تم نے مجھے اظہار بیگ۔ اس نے دل میں کہا۔ چہرے کا رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی' اور وہ جانے کیا سمجھا تھا کہ تب ہی دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''یہ آخری سال تھا میرا یونیورسٹی میں۔ اب میں اپنی پرکٹیکل لائف اسٹارٹ کروں گا۔ پہلے تو بہت بے فکری تھی' مگر اب مجھے بہت جی لگا کر کام کرنا پڑے گا۔ گھر میں بابا جان

کے بعد میں ہی سب سے بڑا ہوں' اور اس طرح ان کے بعد ساری ذمے داری بھی میری ہی ہے' اگرچہ میری تعلیم کے دوران تایا جان نے یہ فرائض انجام دیئے' مگر اب یہ سب میری ذمے داری ہے۔ مالی طور پر تو مجھے کوئی پریشانی نہیں' البتہ ان مالی بکھیڑوں کو سنبھالنا میرے لیے ضرور مشکل ہوگا۔ سوچ رہا ہوں تمام زمینیں وغیرہ بیچ کر یہیں کاروبار اسٹارٹ کروں۔''

وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی' ان باتوں کا مقصد کیا ہے۔ تب ہی وہ بولا تھا۔

''اس دوران شاید میں بہت زیادہ مصروف رہوں' اور شاید تم سے مل بھی نہ پاؤں تو پلیز تم کوئی غلط بات مت اخذ کر لینا۔ تمہاری محبت ہر دم میرے دل میں آباد رہے گی۔ چاہے میں کہیں بھی رہوں۔ ان آنکھوں میں فقط تمہارا ہی عکس ہوگا۔'' اس کے لہجے میں محبت کی شدت تھی۔ اس نے محسوس کر کے نظریں جھکا لیں۔

''میں شاید کل ہی زمینوں پر چلا جاؤں۔ واپسی میں کچھ دن لگ جائیں گے۔ تم پریشان مت ہونا۔'' اس نے اس کی کانچ سی آنکھوں میں دیکھ کر کہا' جن کی جوت اچانک ہی بجھ کر رہ گئی تھی۔ چہرہ اداس سا ہو گیا۔

''اندازاً کتنے دن لگیں گے؟''

اس نے بہت بے قراری سے پوچھا۔

''بھئی جلد آنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

اظہار بیگ نے مسکرا کر کہا۔ تب بھی اس کے چہرے پر چھائی اداسی نہ چھٹی اور تب اظہار بیگ نے اس کے چہرے پر قدرے شرارت سے جھک کر کہا۔

اس قدر ٹوٹ کر نہ چاہ مجھے
بھول جائے گی اپنی راہ مجھے

اس کے لہجے کی شوخی پر وہ مسکرا دی۔

''گڈ۔ یہ ہوئی نا اچھی لڑکیوں والی بات۔''

اس نے کہتے ہوئے موآب کی مخروطی انگلیوں کو ایک نظر دیکھا' اور پھر کلائی کو تھام کر بولا۔

''سنو۔ تمہاری یہ سونی کلائیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ ان میں کچھ پہن لو۔ مجھے لڑکیوں

کے ہاتھوں میں کھنکتی چوڑیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ اسے گاڑی کی سمت لے آیا' اور پھر اس نے موآب کو اپنی پسند کی سرخ رنگ کی چوڑیاں کلائیاں بھر بھر پہنائیں' حالانکہ اس نے کہا بھی تھا کہ ایک ہاتھ میں ہی ٹھیک ہیں' مگر اس نے ایک بھی نہ سنی تھی۔

"ہاں اب دیکھو۔ ان کلائیوں کا حسن کس قدر بڑھ گیا ہے۔"

اس نے ستائشی نظروں سے اس کی خوبصورت دودھیاں کلائیاں دیکھی تھیں' جن میں سرخ اور گولڈن رنگ کی چوڑیاں نہایت دلکش لگ رہی تھیں اور وہ جانے کیوں مسکرا کر نظریں جھکا گئی تھی۔ شاید اس کی نگاہوں کی وارفتگی سے۔

پھر کتنی ہی دیر تک وہ لوگ ساتھ ساتھ گھومتے رہے تھے' اور موآب اس کی سنگت میں بے انتہا خوش تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ یہیں وقت تھم جائے' اور اس شخص کی ہمراہی میں چلتے چلتے عمر تمام ہو جائے۔ اس کا دل واقعی بے انتہا خوش تھا اور دل سے یہ دعا بھی نکلی تھی' کہ خدا اس ساتھ کو امر کر دے۔ یہ چند پل کا ساتھی عمر بھر یونہی ساتھ چلتا رہے۔ اے کاش۔

✦ ◈ ✖

یار ڈاڈھی عشق آتش لائی اے
او یار سانو لگ گئی بے اختیاری
سینے دے وچ نہ سمائی اے
یار ڈاڈھی عشق آتش لائی اے

وہ اپنی ترنگ میں گنگناتی ہوئی تیار ہو رہی تھی' جب خانم نے اس کے کمرے کے آگے سے جاتے ہوئے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے ایک سرمستی کے ساتھ گا رہی تھی۔ اردگرد کے ماحول سے یکسر بے نیاز۔ انہوں نے بغور دیکھا تھا' اور پھر آگے بڑھ گئی تھیں۔

کتنے دن بیت گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ موآب پر ایک ایک پل بار گراں گزر رہا تھا۔ روز یونیورسٹی جاتی اس آس پر کہ شاید وہ آج آ جائے گا' مگر ہر روز مایوسی ہوتی۔ اس نے سوچا تھا کہ رافعہ سے پوچھوں گی' مگر پھر نہ جانے کیوں اپنی سوچ کو خود ہی مسترد کر دیا تھا۔

اس کا آنرز کا یہ آخری سال تھا' مگر کلاسز لینے کو اس کا دل ہی نہ چاہتا تھا۔ ہر پل اس

شخص کی یاد بے کل کیے رکھتی۔ کب آؤ گے اظہار بیگ۔ دیکھو کیا حال کر دیا ہے کچھ دنوں کی تمہاری جدائی نے میرا۔ جوگن ہو گئی ہوں میں تو تمہاری' اور تم کہیں مجھے بھول ہی تو نہیں گئے؟ سوچتے سوچتے اس کا ذہن شل ہونے لگا تھا۔

ہر پل وہ کلائیوں میں موجود چوڑیوں سے کھیلتی رہتی۔ انہیں دیکھتی' باتیں کرتی' لبوں سے چھو کر آنکھوں سے لگاتی۔ عجیب حالت ہو گئی تھی۔ ان دنوں اس کی۔ وسوسے بھی ڈیرا جمانے لگے تھے کہ کہیں عام نوجوانوں کی طرح اس نے اس کے ساتھ کہیں فلرٹ تو نہیں کیا' مگر پھر فوراً ہی اپنی سوچ کو جھٹک بھی دیتی تھی۔ دل کے اندر کہیں یہ یقین بھی موجود تھا کہ وہ لوٹ کر ضرور آئے گا۔ اگر وہ اتنی بے قرار ہے تو یقیناً وہ بھی پُرسکون نہیں ہو گا۔ وہ اسے سوچتے سوچتے آنکھیں بند کر لیتی تھی' اور لب گنگنانے لگتے تھے۔

اور جب اس کی امید ٹوٹنے لگی تھی' تو اچانک ہی وہ آ گیا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر وہ ساکت سی رہ گئی تھی' مگر وہ اسے یکسر نظر انداز کیے رافعہ' عامر اور سہیل وغیرہ سے باتوں میں بلکہ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ موآب نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کہ شاید اس نے اسے دیکھا نہ ہو' مگر اس نے پھر بھی کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔ تب اس کے لیے وہاں ٹھہرنا محال ہو گیا تھا۔ دل کے اندر ایک شور سا بپا ہو گیا تھا۔ پلکوں سے پانی رکنا دشوار ہو گیا تھا۔ کتنے دنوں سے وہ اسے یاد کر رہی تھی۔ اس کا انتظار کر رہی تھی' اور اس نے ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی تھی اس پر۔ وہ اسٹاپ پر کھڑی بڑی مشکل سے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی' جب اس کی نسان سنی اس کے قریب آ رکی اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ بھی۔

"آؤ بیٹھو۔"

اس نے کہا اور ساتھ ہی ہاتھ تھام کر بٹھا بھی ڈالا۔ وہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکی۔ البتہ جب وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تو اس نے اپنا سارا کا سارا رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔

"ناراض ہو؟"

اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا' اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔ اس نے گاڑی سائیڈ میں کر کے روک دی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" بھاری آواز میں کہا' مگر اس نے پھر بھی حرکت نہ کی۔ ہچکیوں کو ضبط کرنے کی کوشش میں پورا وجود لرزنے لگا۔

"یار! آخر یہ بن بادل برسات کس لیے۔ میں نے تو ذرا سا تنگ کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم....." وہ ٹھہر کر اس کی جانب دیکھنے لگا' پھر بے اختیار ہی اس کی پوروں نے اس کے شفاف موتی چن لیے۔

"اچھا بابا۔ معافی دے دو۔ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ باندھ کر معافی طلب کی۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے گھورنے لگی۔

"مجھے اس طرح مت دیکھو۔ اپنا ہوش کھو بیٹھوں گا۔" بہت دھیمے اور سحر انگیز لہجے میں اس نے کہا تھا۔ وہ رخ پھیر کر باہر دیکھنے لگی۔ دل کی دھڑکنیں البتہ زیروزبر ہوگئی تھیں۔

"کیوں لگائے اتنے دن؟" سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ پوچھا۔

"کام تھا بھئی۔ اب بھی بہت جلدی میں آیا ہوں۔ فقط تم سے ملنے' تمہیں دیکھنے کہ آنکھیں کئی دنوں سے دید سے سیراب نہیں ہوئی تھیں۔ نظر و دل کئی دن سے تمہاری موہنی سی صورت دیکھنے کے متلاشی تھے۔ پل پل تمہیں یاد کرتا۔ کسی پل بھی تمہارا تصور ذہن سے نہیں ہٹتا تھا۔" وہ بول رہا تھا' اور موآب کے دل کی زمین سیراب ہوتی جا رہی تھی۔

"سنو۔ کیا تم بھی مجھے یاد کرتی تھیں؟" اس نے اس کا رخ اپنی سمت موڑ کر اس کی کانچ سی آنکھیں میں جھانکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کیسے کیسے جذبے تھے' کیسی وارفتگی اور والہانہ پن تھا۔ وہ ایک پل بھی نہ دیکھ سکی تھی' اور نظریں جھکا گئی تھیں' حالانکہ دل کچھ دیر پہلے تک اس سے لڑنے کو چاہ رہا تھا' مگر اب ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ ہو رہا تھا۔ جانے کیسی طاقت تھی اس کی محبت میں کہ اسے دیکھتے ہی وہ سب کچھ فراموش کر گئی تھی۔ دل کے لیے یہ احساس ہی جان افروز تھا کہ وہ شخص اس کے سامنے بیٹھا تھا' قریب تھا۔ جو اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا' اور جسے وہ خود بے انتہا چاہتی تھی۔

"کچھ کہو گی نہیں؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی' اور وہ ایک نظر دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کیا بولوں۔ ساری باتیں تو بغیر کہے ہی جان جاتے ہو۔ اس نے سوچا تھا' کہا نہیں تھا۔ اس نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی۔ "نہیں پلیز۔" اس نے ملتجی نظروں سے دیکھا تھا' مگر وہ اس کی کلائی تھام کر اندر لے گیا تھا۔

"جتنے لمحے ہیں میرے پاس انہیں حسین تر کرنا چاہتا ہوں' تمہاری سنگت میں گزار کر۔" اس نے کونے والی میز کا انتخاب کیا تھا' اور نہ جانے کیوں اس کا دل ڈرنے سا لگا

تھا۔ اظہار نے ویٹر کو بلا کر آرڈر دیا تھا۔ وہ کسی خوف کے پیش نظر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

"کیا ہوا ہے بھئی۔ یہ ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔ خدانخواستہ میں تمہیں بھگا کر تو نہیں لے آیا۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"نہیں یہ بات نہیں' دراصل وہ اگر خانم کو پتا چل گیا' تو وہ شاید اس بات کو اچھا نہ سمجھیں۔" اس نے سنبھل کر دل کی کیفیت عیاں کی۔

"کچھ نہیں ہوگا بھئی۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"

اس نے اپنا مضبوط سا ہاتھ اس کے نازک سے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ "پھر جس ماحول میں اور طبقے میں تم رہتی ہو وہاں اتنی پابندیاں بھی نہیں ہوتیں۔" اس نے اگرچہ بہت عام سے لہجے میں کہا تھا' مگر موآب اسے دیکھنے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں لگا تھا کہ اس شخص نے اسے کوئی گالی دے ڈالی ہے۔ اس کی پہچان' اس کے لیے ایک گالی ہی تھی۔

"کیا ہوا بھئی چائے لو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" اس نے کہا تو اس نے کپ اٹھا کر جلدی سے منہ کو لگا لیا۔

"اظہار بیگ چغتائی! کیا تم جانتے ہو۔ جس لڑکی کو تم اتنی شدت سے چاہتے ہو۔ اس کی کوئی شناخت نہیں' کوئی پہچان نہیں۔" اس نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ اظہار نے کچھ لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا' پھر مسکرا دیا تھا۔

"مجھے تمہاری شناخت یا اس جیسی ہی کسی دوسری بات سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے لیے بس تم اہم ہو۔ تم کیا ہو؟ کیوں ہو؟ کہاں رہتی ہو؟ یہ باتیں میرے لیے بہت ثانوی سی ہیں۔" اس نے چائے کے سِپ لیتے ہوئے بہت رسان سے کہا تھا۔

"مگر کیا دوسرے لوگ بھی یہ باتیں تسلیم کر لیں گے؟"

اس نے کپ نیچے رکھ کر کہا۔

"کون دوسرے لوگ؟" اس نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا' پھر خود ہی بولا۔ "میرا خیال ہے کسی کو بھی دوسروں کو ذاتیات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے' اور پھر ہمارے بیچ یہ لوگ کہاں سے آگئے۔ فی الحال تو ہم صرف دو ہی ہیں۔" اس نے خاصی شرارت سے جھک کر کہا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگوں کی قوس قزح سی پھیل گئی تھی۔

اظہار بیگ نے کوٹ کی جیب میں سے کچھ ٹٹولا تھا' اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کے

ہاتھ میں ننھی سی مخمل کی ڈبیہ تھی۔

''دیکھو میں کیا لایا ہوں تمہارے لیے؟'' اس نے ڈبیا کھول کر سامنے کی۔ ہیرے کی بہت خوبصورت اور نازک سی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

''اتنے مہنگے گفٹ کی کیا ضرورت تھی۔'' اس نے تعرض کیا' مگر اظہار بیگ نے انگوٹھی نکال کر اس کی مخروطی انگلی میں ڈال دی۔

''مہنگی یہ پہلے نہیں تھی۔ تمہاری انگلی میں آ کر ہوئی ہے۔ دیکھو ہے نا۔'' اس نے تصدیق کے لیے اس کا ہاتھ اس کے سامنے رکھ دیا تو وہ صرف دیکھ کر رہ گئی' پھر ہولے سے کہا تھا۔ ''تھینکس یو۔''

''اچھا۔'' وہ نہ جانے کیوں ہنس پڑا۔

''کہاں راہتی ہو تم آج کل؟ ہوش بھی ہے تمہیں کچھ۔'' خانم نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ ''کہاں سے آ رہی ہو اس وقت؟'' اس نے بیگ صوفے پر رکھا' اور وہیں بیٹھ کر جوگرز اتارنے لگی تھی۔

''یونیورسٹی گئی تھی۔ آپ نہیں جانتی کیا؟'' اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا تھا۔

''جانتی ہوں میں اور بھی بہت کچھ جانتی ہوں۔ جو آج کل تیرے رنگ ڈھنگ ہیں نا۔ خوب سمجھتی ہوں میں۔''

انہوں نے خاصے سخت لہجے میں کہا تھا۔

''کیا سمجھتی ہیں آپ۔ کیا ہیں میرے رنگ ڈھنگ؟''

اس نے سلگتی نظروں سے دیکھا تھا۔ جانے کیوں غصہ آ گیا تھا اسے بھی۔

''تیری ماں کے بھی یہی رنگ تھے' مگر خوشی نہیں پائی تھی اس نے بھی۔ مت چلو ان راہوں پر جن کی کوئی منزل نہیں۔ بعد میں یہ نہ ہو کہ تم پچھتانا چاہو تو پچھتا بھی نہ سکو۔'' ان کا چہرہ اندرونی دکھ کی ترجمانی کر رہا تھا' اور لہجہ ٹوٹا ہوا سا تھا۔

''مت نصیحتیں کریں مجھے۔'' اس نے نظریں چرا لیں۔

''میں نانی ہوں تیری دشمن نہیں۔ پالا ہے میں نے تجھے۔ کس طرح مصیبتوں کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔ کل کو تجھے کوئی دکھ ملے گا' تو درد مجھے بھی ہو گا۔ میں خود تجھے اس گناہوں کی دلدل سے الگ رکھنا چاہتی ہوں مگر.....''

''میں آپ کو ایک بات سے باخبر کرنا چاہتی ہوں فی الحال۔'' اس نے خانم کی بات کاٹ کر بڑے رسان سے کہا۔ ''میں اپنے لیے راہیں منتخب کر چکی ہوں' اور یہ صرف راہیں ہی

نہیں ہیں۔ان پر میری منزل بھی کھڑی ہے۔میں نہ بھٹکوں گی' اور نہ ہی پچھتاؤں گی۔آپ فکر مند نہ ہوں۔''

خانم اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔کیسا مضبوط اور نڈر لہجہ تھا اس کا۔وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔فوراً ہی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی' اور خانم ساکت سی ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔اس سے اس قدر گستاخی کی امید ہرگز نہ تھی۔دوسری بات انہوں نے یہ سوچی تھی کہ معاملات واقعی بہت آگے بڑھ گئے تھے۔گویا لڑکی ہاتھوں سے نکل گئی تھی' اور یہ ان کے لیے لمحہ فکریہ تھا۔وہ خاصی دیر بیٹھی اسی نہج پر سوچتی رہی تھیں۔

پھر اسی وقت خادم نے ابراہیم ظفر کے آنے کی اطلاع دی' تو انہوں نے اندر آنے کو کہا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ ابراہیم ظفر سے باتوں میں مشغول تھیں' اور ان کے ذہن نے پل میں ایک فیصلہ کر ڈالا تھا۔

✦ ◈ ✦

شام کے گہرے سائے پھیلے ہوئے تھے۔سورج آہستہ آہستہ اپنے مسکن میں سما رہا تھا۔کئی خوبصورت رنگوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' اور اس خوبصورت نظارے کا عکس وسیع وعریض سمندر کے پانی پر پڑ کے ایک عجیب چھب دکھا رہا تھا۔شام کا حسن دوآتشہ ہو رہا تھا۔

ساحل پر اظہار بیگ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر چلتی ہوئی موآب نے دھیرے سے کہا تھا۔

''کتنا حسین اور دلکش منظر ہے نا؟''

''ہوں مگر تم سے کم۔'' اظہار بیگ نے مسکرا کر شوخی سے کہا' تو وہ مسکرا کر نظر جھکا گئی۔

''آپ تو بس۔'' اس سے آگے اس سے نہ بولا گیا۔

اس کی نظروں کی تپش کو وہ عین اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔چلتے چلتے وہ دونوں وہیں ریت پر بیٹھ گئے۔لہریں آکر ان کے قدموں سے ٹکرانے لگیں۔موآب ریت پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی۔اظہار بیگ اسے بغور دیکھنے لگا۔

''تمہیں معلوم ہے تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔''

موآب نے نظر اٹھا کر دیکھا اس کی نظریں سمندر پر تھیں۔شاید وہ اس کی وسعتوں کو

ناپنے کی کوشش کر رہا تھا پھر بولا۔

''جتنی شاید اس سمندر کی گہرائی ہو۔یا شاید اس سے بھی زیادہ۔'' اس کا ٹھہرا ٹھہرا لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھول گیا۔وہ پھر نظریں جھکا گئی۔

''مجھے اس وقت فیض احمد کی ایک سرائیکی نظم یاد آرہی ہے سنو گے۔''

''تمہاری زبان سے ادا ہونے والی ہر بات' ہر لفظ' ہر جملہ میرے لیے' میری سماعتوں کے لیے امرت رس ہے۔''

اظہار بیگ نے دھیرے سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔اس نے ایک نظر مسکرا کر دیکھا پھر گویا ہوئی۔

''لمبی رات سی درد فراق والی
تیرے قول تے اساں وساہ کر کے
کوڑا گھٹ کیتی مٹھڑے یار میرے
مٹھڑے یار میرے جانی یار تیرے
تیرے قول تے اساں وساہ کر کے
جھانجراں وانگ زنجیراں چھنکائیاں نیں
کدی کنیں مندراں پائیاں نیں
کدی پیریں بیڑیاں پائیاں نیں
جیدے قول تے اساں وساں کیتا
اوہنے اوڑک توڑ نبھائیاں نیں

''ماشاء اللہ۔بہت اچھا ذوق ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

''اور یہی میری زندگی کا سچ بھی ہے۔تمہارے بغیر میری زندگی واقعی ایک سیاہ رات کے مانند تھی۔'' وہ کہہ کر نظریں جھکا گئی۔

''اور اب؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اب چہار سو الفت کی شمعیں روشن ہیں۔جنہوں نے اس اندھیرے کو یکدم مٹا ڈالا ہے' مگر مجھے جانے کیوں بہت ڈر لگنے لگا ہے اب۔لگتا ہے جیسے یہ روشنیاں مجھ سے چھن جائیں گی اور۔'' اس کے ذہن میں کچھ دن پہلے والی خانم سے جھڑپ گھوم گئی۔

"ایسا کیسے سوچ لیا تم نے۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟"

"اس ساری دنیا میں فقط تم ہی پر تو اعتبار کیا ہے میں نے۔" موآب نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"پھر؟"

"نہ جانے کیوں؟" وہ اپنے اندر کے اندیشوں کو اس پر واضح نہ کر سکی۔

"آؤ چلیں۔ رات خاصی ہو گئی ہے۔" اس نے کہا تو موآب اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچھ دن رہنے کے بعد اظہار بیگ چغتائی پھر واپس لوٹ گیا۔

"جلدی واپس لوٹنا۔" جس وقت وہ جا رہا تھا۔ اس نے نم پلکوں کے ساتھ کہا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا' پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"یہ جدائی عارضی ہے۔ بہت جلد مٹ جائے گی۔"

اظہار بیگ نے دھیمے مگر گمبھیر لہجے میں کہا۔ "اداس مت ہونا۔ میں جلد لوٹ کر آؤں گا۔" موآب کے رخساروں پر پھیلتے ہوئے موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا۔ اس کی بے قراری سوا ہونے لگی۔

اور پھر وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

زندگی ہجر کی سیاہ لمبی رات میں بدل گئی۔ وہ خاموشی سے ہر کام کیے جاتی' مگر وہ پھر بھی نہ گزرتا۔

ایک سرد شام وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اس کی یادوں کو تازہ کر رہی تھی' جب خانم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

"بے بی جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔" وہ کہہ کر مڑنے لگی تھیں کہ وہ بول پڑی۔

"کس لیے؟" اس کے لہجے میں ناگواری کا واضح تاثر تھا۔ "ابراہیم صاحب آئے ہیں۔"

"پھر.....؟" اس نے اپنا رخ کھڑکی کی جانب موڑ لیا۔

خانم چلتی ہوئی قریب آ گئیں۔

"پھر یہ کہ وہ کچھ وقت تمہارے سنگ گزارنے کا متمنی ہے۔ اس کا یہ شوق پورا کر دو۔ وہ آج شام کی چائے تمہارے ساتھ باہر پینا چاہتا ہے۔"

"مگر میں..... آپ جانتی ہیں کہ ابھی۔" اس نے بولنا چاہا' مگر منہ سے بے ربط جملوں کے سوا کچھ نہ نکلا تھا۔ بہت کمزور محسوس کر رہی تھی' خود کو وہ اس وقت۔

"اٹھو شاباش ضد نہیں کرتے' پھر حرج ہی کیا ہے۔ ابراہیم ظفر شہر کے معزز ترین شخص ہیں۔" انہوں نے محبت کے ساتھ پچکارا۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ پلیز کسی اور کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ میں ذہنی طور پر ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ جانے کیوں بھیگ گیا۔

"کچھ نہیں جانتی میں۔ جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔" وہ سختی سے کہہ کر پلٹیں پھر ٹھہر کر دوبارہ مڑیں۔ "اب تک میں نے تمہارے ساتھ بہت نرم برتاؤ کیا ہے۔ مجھے کسی سختی پر مجبور مت کرنا' ورنہ بہت برا ہو گا تمہارے حق میں۔" وہ دروازہ ایک جھٹکے سے بند کر کے باہر نکل گئیں۔

موآب دھندلی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

اس وقت وہ اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کر رہی تھی۔ دل شدت سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ اس کے اپنے ہی اسے تختہ وار پر چڑھا رہے تھے۔ کافی دیر تک بیٹھی وہ روتی رہی۔ چونکی اس وقت جب خادم نے آ کر کہا کہ خانم اسے بلا رہی ہیں' تب وہ جلدی سے اٹھی وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گئی' اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ خانم اور ابراہیم ظفر کے سامنے تھی' حالانکہ اس نے کوئی سنگھار بھی نہ کیا تھا' اور لباس بھی خاصا سادہ پہن رکھا تھا۔ بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چوٹی تھی' اور سوجی سوجی سرخ آنکھوں سے عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی' مگر وہ سوگوار حسن اس لمحے بھی بہت سوں کے ہوش اڑا سکتا تھا۔

"ماشاء اللہ۔" ابراہیم ظفر نے خاصی "جانچتی" نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا' اور وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی' جبکہ خانم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"چلیے۔" ابراہیم ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے گرد بازو حمائل کر دیا' تو اسے جیسے کرنٹ چھو گیا۔ بدک کر ایک طرف ہٹنا چاہا تھا' مگر ابراہیم صاحب کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔

"ابراہیم صاحب! ذرا جلدی واپس آ جایئے گا۔ بے بی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا' اور وہ اسے لے کر آگے بڑھ گئے۔ اسے خاصی وحشت ہونے لگی تھی' تب ہی جلدی سے ان کا ہاتھ جھٹک کر فرنٹ سیٹ پر

بیٹھ گئی تھی۔

"اوہو حضور! خاصے غصے میں ہیں۔" خضاب لگے بالوں والے ابراہیم ظفر نے اپنی پوری بتیسی کی نمائش کی تھی' اور اس کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔ اپنے سے تین گناہ بڑے شخص کے منہ سے اس قسم کے فقرے سن کر اسے خاصا غصہ آیا تھا' مگر کچھ بولنے کے بجائے وہ شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی اور جانے کیوں آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی تھی۔

✦ ◈ ✖

ان دنوں اس پر پھر وہی ڈپریشن طاری تھا۔ وہ دن بھر ماری ماری پھرتی رہتی۔ اظہار بیگ چغتائی کے ملنے سے اس کی زندگی میں جو ترنگ جاگی تھی' ان دنوں وہ ترنگ اچانک ماند سی پڑ گئی تھی۔ پل دو پل کی روشنی ہوئی تھی' اور اس کی زندگی میں پھر وہی سیاہ رات چھا گئی تھی۔

یا اللہ! میں کیا کروں آخر تو میری دعائیں کیوں نہیں سنتا۔ کیوں۔ آخر کیوں؟ بے بسی سے وہ سر جھٹکتی اور پھر آگے چل پڑتی۔

اس شام وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھی کافی کے کپ سے کھیل رہی تھی' جب رافعہ نے سامنے آ کر اسے چونکا دیا۔

"ہیلو بھئی کیا ہو رہا ہے۔" وہ کہنے کے ساتھ ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ بھی گئی۔

"کچھ..... کچھ نہیں۔ بس یونہی۔" وہ خوامخواہ ہنس پڑی۔ "کافی پیو گی۔"

"نہیں تھینکس۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "میں عامر کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اپنی شاپنگ کر رہا ہے۔ میں نے سوچا۔ ذرا وقت گزار لیا جائے یہاں۔" پھر اسے بغور دیکھتی ہوئی بولی۔ "اور تم کیا یہ اجاڑی سی بنی ہوئی ہو۔"

وہ تلخی سے ہنس پڑی۔

ہم اپنی طرز کے جوگی ہے اس زمانے میں
خود اپنے دل میں پڑے ہیں بنا کے ویرانے

"اوہو۔ بھئی کیا جوگ لے لیا ہے مگر کس کی خاطر؟

ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ یہ اتنی حسین سی جوگن کس جوگی کی ہے۔" اس نے شرارت سے جھک کر پوچھا تھا' اور اس کی نگاہوں کے سامنے فوراً اظہار بیگ چغتائی کی تصویر اتر آئی

تھی۔ اس کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہا تھا کہ وہ کیسا ہے' کیا کر رہا ہے آج کل اور کب آئے گا آخر؟ مگر نہ جانے کیوں پھر اپنے خیال کو جھٹک دیا تھا۔ شاید وہ اپنا اور اظہار بیگ کا تعلق کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ رافعہ کے سوال پر کافی کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا گئی تھی۔

"آج یونیورسٹی نہیں آئی تھیں تم؟" رافعہ نے پھر پوچھا۔

"ہاں۔ طبیعت ذرا ٹھیک نہیں تھی۔" اس نے ویٹر کو بلا کر رافعہ کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔

"کیوں کیا ہوا بھئی؟" رافعہ فکرمندی سے بولی۔

"کچھ نہیں۔ بس بدلتے موسم کا اثر ہے۔"

"ہاں خنکی پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے ناں۔"

"ہاں شاید۔" اس نے خالی ذہن کے ساتھ کہا۔ اسی دم رافعہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"اوہ تم نے تو کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا ہوا۔ اس طرح تم بیمار نہیں پڑو گی تو بھلا اور کیا ہو گا؟" اس نے ڈپٹا تھا' مگر وہ مسکرا دی۔

"مجھے سردی نہیں لگتی بھئی۔"

"کیسے نہیں لگتی۔ کیا کسی دھات سے بنی ہوئی ہو تم۔ لو تم یہ اوڑھ لو۔" اس نے جلدی سے اپنی گرم شال اتار کر اسے دی۔

"نہیں بھئی۔ میں نے کہا نا کہ مجھے....." مگر رافعہ نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔

"بکواس مت کرو۔ میرے پاس سویٹر ہے' اور پھر مجھے تو گاڑی میں جانا ہے' ہیٹر آن ہو گا۔ سردی کا پتا ہی نہیں چلے گا۔" اس نے زبردستی شال اسے اوڑھا دی۔ اسی دم عامر آ گیا۔

"ہیلو۔ اتنے حسین حسین لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' اور ہمیں خبر ہی نہیں۔" عامر نے رافعہ سے کہا' تو وہ مسکرا دی۔

"اچھا بھئی۔ میں چلتی ہوں اب اور تم بھی فوراً گھر کی راہ لو بلکہ ہم ڈراپ کر دیتے ہیں تمہیں۔ اندھیرا خاصا بڑھ گیا ہے۔" رافعہ نے آفر دی۔

"نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "تم لوگ جاؤ میں کسی کا

انتظار کر رہی ہوں۔"

اس نے یونہی جھوٹ بولا' ورنہ رافعہ اسے ہر صورت میں اپنے ساتھ لے جاتی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔"

وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی' تو وہ ایک گہرا سانس لے کر کافی کے ٹھنڈے مگ پر جھک گئی۔

✦ ◈ ✦

سمسٹر ہونے والے تھے' مگر ان دنوں اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ کچھ بھی پلے نہ پڑ رہا تھا۔ کئی دن ہو چکے تھے' مگر اس پر چھائی ہوئی وہ کیفیت اب بھی طاری تھی۔ خانم کا رویہ روز بروز اس کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا' اور اس کا وجود تاریکیوں سے مزید تاریکیوں میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔ اس ستم گر کی بھی کوئی خبر نہ تھی۔ کئی دن گزر گئے تھے اسے گئے ہوئے' مگر اب تک لوٹ کر واپس نہ پلٹا تھا' اور اس نے مکمل ارادہ کر لیا تھا کہ وہ رافعہ سے اس کے متعلق کچھ پوچھے گی' مگر پھر اچانک ہی وہ سخت بیمار پڑ گئی تھی۔ بخار نے اٹھنے کے بالکل قابل ہی نہ چھوڑا تھا' اور وہ کئی دنوں تک کے لیے بستر سے لگ کر رہ گئی تھی۔ خانم پوری طرح سے اس کی تیمارداری کر رہی تھیں' اور اسے سخت کوفت ہو رہی تھی۔ جب وہ اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں' تو اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ خانم کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"خدا کے لیے مجھے مر جانے دو۔ مت کرو میری تیمارداری۔ تمہاری دی ہوئی زندگی موت سے زیادہ بھیانک اور بدصورت ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے۔ نہیں ضرورت مجھے کسی کی۔" اس کا وجود بخار سے پھنک رہا تھا' مگر اس کے باوجود وہ دھاڑ رہی تھی' چیخ رہی تھی۔

خانم نے ایک نظر اسے دیکھا تھا' اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں' اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

یا اللہ! تو کیوں موت نہیں دے دیتا مجھے؟ میں تنگ آ گئی ہوں اب اس زندگی سے۔ کسی بوجھ کی طرح یہ بھیک میں ملی ہوئی زندگی۔ نہیں جینا چاہتی میں ایسی زندگی۔ وہ بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عمراں لنگھیاں پبھاں پار
ہالی نہ دس اوکالیا

پردیس گھیوں پردیسی ہوؤں
تیریاں نت وطناں ول لوڑاں
کملی کر کے چھوڑ دتو او
تے بیٹھی لکھ گلیاں وے رولاں
غلام فرید میں تے دوزخ سڑساں
جے میں کھ ماہی ولوں موڑاں
عمراں لنگھیاں پبھاں پار

کافی دن بعد اس کا بخار اترا تھا۔ بیماری نے اسے خاصا کمزور کر ڈالا تھا۔ نقاہت بے حد تھی' مگر وہ پھر بھی تکیوں کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی' پھر جلد ہی تھک گئی' تو دوبارہ لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ جانے کیوں آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ اتنے دنوں تک وہ بستر پر پڑی رہی تھی' اور کسی نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی تھی۔ اکیلے پن کی بھی انتہا تھی۔ کون تھا' جو اس کے لیے سوچتا۔ اس کی خبر گیری کرتا۔ خانم نے تو اس روز سے پلٹ کر دوبارہ نہ پوچھا تھا' اور ایک وہ مقتر تھا' جو جا کر اس کی خیریت پوچھنا بھی بھول جاتا تھا۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے' جب خادم نے آ کر اسے بتایا کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے۔

"کون ہے؟" اس نے قدرے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

بھلا اس سے ملنے کون آ سکتا تھا۔ کون تھا اس کا۔

"پتا نہیں جی۔ آپ کا پوچھ رہے تھے۔ بھیج دوں۔"

"ہاں بھیج دو۔" اس نے گومگو کی کیفیت میں کہا' اور آنکھیں رگڑ کر اٹھ بیٹھی۔ اسی دم دروازہ دستک کے ساتھ کھلا اور آنے والا اندر داخل ہوا۔

"اظہار بیگ چغتائی۔" اس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ لبوں نے ہلکے سے اس کا نام پکارا اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ کمبل ایک طرف اچھال کر تیزی سے اٹھی اور اس کے بازوؤں میں شانے سے جا لگی۔

"کہاں چلے گئے تھے مجھے چھوڑ کر؟ اتنے دن تک میں نے کتنا یاد کیا تمہیں' کتنا مس کیا تمہیں' کس قدر تڑپی' کچھ اندازہ ہے تمہیں۔" پیار کے بول عجب دیوانگی میں لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔ اسے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ یاد تھا تو فقط اتنا کہ اس کا محبوب اس کے روبرو تھا۔ اس

کے قریب تھا۔

بے حد قریب کہ وہ اسے چھو کر محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی دھڑکنوں کو سن سکتی تھی۔ اس کے مضبوط سہارے تلے چھاؤں محسوس کر سکتی تھی۔

سکون پا رہی تھی اس کے چھپر چھاؤں میں۔ آنسو تیزی کے ساتھ آنکھوں سے بہہ نکلے تھے' اور دبی دبی سسکیاں چند لمحوں میں ہچکیوں میں بدل گئی تھیں۔ اظہار بیگ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پیچھے ہٹا دیا۔

''اس طرح مت رو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' اس نے اس کی پلکوں کے موتی چن لیے۔

''کیوں جاتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ نہیں جی سکتی میں اب تمہارے بغیر۔ مجھے یہاں سے کہیں دور لے چلو۔ بہت دور جہاں یہ دنیا والے نہ ہوں' کوئی بھی نہ ہو۔'' وہ اپنے حواسوں میں نہ تھی۔ اظہار نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔ گلاس میں پانی ڈال کر اسے پلایا۔ خاصی دیر خاموشی چھائی رہی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ شاید حواس واپس آ رہے تھے۔ اظہار بیگ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید اپنے کچھ دیر قبل والے اقدام پر شرمندہ تھی۔ تب ہی نظریں نہ اٹھا رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری جدائی تمہارا یہ حال کر دے گی' ورنہ کبھی نہ جاتا۔'' اظہار بیگ نے شرارت سے جھک کر اس کے چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے ہٹایا' مگر وہ چپ بیٹھی رہی۔

''تمہیں نہیں پتا میں نے یہ وقت کس طرح کاٹا ہے۔ بالکل بے آسرا' بے سہارا ہو گئی تھی میں۔ میرے پاس تو آنسو ہی بہا لیتی۔'' اس کی آواز پھر بھرا گئی۔

''چلو اب تو یہ حسرت باقی نہیں رہی۔'' اس نے اپنی گیلی آستین کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا' اور وہ شرمندہ ہو گئی۔

ویسے آج اس بات کا تو انکشاف ہو گیا کہ تم مجھے کتنا چاہتی ہو۔'' اس نے پھر چھیڑا۔

''آپ کو شرارت سوجھ رہی ہے' اور یہاں جان پر بنی ہوئی تھی۔''

''اچھا۔'' وہ کہہ کر زور سے ہنسا۔

''کیا پیو گے ٹھنڈا یا؟'' موآب نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی نہیں' نہ ٹھنڈا اور نہ ہی گرم۔ تم آرام کرو اور خبردار جو بستر سے ہلیں بھی

تو۔ میں پھر آؤں گا۔'' اس نے لٹا کر اسے کمبل اوڑھا دیا۔

''کیا تم جا رہے ہو ابھی؟''

''ہاں جلدی ہی دوبارہ آؤں گا' اور تب مجھے یہ صورت اس طرح روتی ہوئی نہ ملے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ اسی دم خادم ٹرالی لے کر اندر داخل ہوا۔

''دیکھو۔ خادم چائے لے آیا ہے۔ پلیز کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔'' اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔

''نہیں کل سہی۔'' وہ تیزی سے مڑا۔ موآب کی آنکھوں میں پانی جھلملا گیا۔ اس دم وہ واپس پلٹا۔

''تم نے کچھ کھایا ہے صبح سے یا کہ نہیں؟''

''بے بی بھوکی ہیں صاحب! کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔'' خادم نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ اور دلیا وغیرہ بنا کر لاؤ۔'' وہ بیٹھ کر اسے چائے کے ساتھ بسکٹ کھلانے لگا۔

''تمہاری خانم نظر نہیں آ رہیں۔''

''شاید کہیں گئی ہوئی ہیں۔'' اس نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا' اور خود پینے لگی۔ جانے کیوں اس کے ہاتھوں سے پیتے ہوئے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی اس حرکت پر خفیف سا مسکرا دیا۔

پھر خاصی دیر تک وہ بیٹھا اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا' اور اس کے اندر گہرا اطمینان اترنے لگا۔

موآب نے ایک بات شدت سے محسوس کی تھی' کہ اظہار بیگ چھٹائی پہلے کی بہ نسبت خاصا مختلف ہو گیا ہے۔ بدل گیا ہے۔ وہ اس سے بات بھی کرتا تو اسے محسوس ہوتا کہ جیسے اس کے لہجے میں پہلے جیسی بات نہیں۔ انداز کھویا کھویا سا ہے۔ اس نے پوچھا تو اظہار بیگ نے یونہی ٹال دیا' مگر جانے کیوں اس کے دل میں ایک خوف نے گھیراؤ کر لیا۔

اور اس شام جب خنکی خاصی بڑھ گئی تھی' اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''آخر تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتے کہ بات کیا ہے؟''

اظہار بیگ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا' اور پھر مسکرا دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ تمہیں کیوں وہم ہو رہا ہے۔''

"وہم نہیں ہے یہ حقیقت ہے۔ پہلے سے خاصے تبدیل ہو چکے ہو تم۔" اس نے اظہار بیگ کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"اچھا۔" وہ مسکرا دیا تھا پھر اس کا مخروطی ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

"دراصل میں ذہنی بکھیڑوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ ہماری کچھ زمینوں پر لوگوں نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔ کافی عرصہ ہو گیا ہے مقدمہ چلتے ہوئے' مگر اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا۔ میں جلد سے جلد یہاں منتقل ہونا چاہتا ہوں' مگر یہی بات میری راہ کی رکاوٹ بن رہی ہے۔" اس نے کہا تو موآب صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

"رافعہ وغیرہ کیسے ہیں؟"

"کیوں کیا آپ ان کی طرف نہیں گئے؟"

"نہیں' ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ واپس جلدی جانا ہے' اسی لیے گیا نہیں' پھر میں زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔" اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

"کب تک آپ کے معاملات سیٹ ہوں گے۔" اس نے آہستہ سے گردن اٹھا کر پوچھا۔

"جلد ہی۔" اس نے قدموں کی رفتار قدرے تیز کر دی۔

"کل واپس چلے جائیں گے؟"

"نہیں آج شام ہی۔"

"کیا ممی کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

"نہیں اگرچہ عمران ان کے پاس ہے' مگر وہ خاصا غیر ذمے دار لڑکا ہے۔"

"پھر کب واپسی ہو گی؟" اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر پوچھا۔

"دیکھو۔ شاید کچھ دن لگ جائیں۔"

"زیادہ دن مت لگانا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

اظہار بیگ ہنس پڑا تو وہ خجل سی ہو گئی' تب ہی بولی۔ "دراصل خانم کا رویہ ان دنوں کچھ اچھا نہیں ہے میرے ساتھ۔ میں بہت جلد پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"کیوں ان کے رویے کو کیا ہوا؟" اس نے پوچھا تو موآب نظریں جھکا گئی۔

"پتا نہیں۔ شاید وہ حق پر ہیں۔ یا شاید میں' مجھے نہیں پتا۔" موآب نے بے ربط سے

انداز میں کہا۔ اظہار بیگ نے بغور دیکھا۔

"کچھ کہا ہے انہوں نے تمہیں؟"

"آؤ چلیں۔ سردی خاصی بڑھ گئی ہے۔" اس نے اظہار بیگ چغتائی کے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا' اور ساتھ ہی واپسی کے لیے قدم بھی اٹھا لیے تو اظہار بیگ بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔

اظہار بیگ چغتائی کے جانے کے بعد اس کی زندگی میں پھر وہی گہری دھند چھا گئی تھی۔

محبت کسی بھی نتیجے کے خوف سے ماورا ہوتی ہے' اور اس کی محبت نے بھی نتیجے کی پروا نہیں کی تھی۔ تب ہی تو اظہار بیگ چغتائی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔ وہ یہ بات قطعاً نہیں جانتی تھی کہ ان کا ملن اس روئے زمین پر ہو گا بھی یا کہ نہیں' مگر اس نے اس ملن کی دعائیں ضرور مانگ ڈالی تھیں۔

اپنے رب سے گڑگڑا کر یہ دعا کی تھی' کہ اے مالک اس پیارے سے شخص کو میرا ہم سفر کر دے زندگی بھر کے لیے۔ اگر کبھی ذہن میں کوئی منفی خیال بھی آتا' تو وہ فوراً جھٹک دیتی کہ وہ ایسی کوئی بات سرے سے سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ دل کی دھڑکنیں جانے کیوں تھمنے سی لگتی تھیں۔ جان جسم سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی' اور اس کا ہر عضو پکار اٹھتا۔ اے خدا! میں نے زندگی میں کبھی کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ اظہار بیگ چغتائی میرے لیے پہلی خوشی ہے' آس ہے زندگی ہے۔ مجھ سے میری زندگی مت چھیننا کہ اس کے بغیر.....

اور اس سے آگے وہ کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی' مگر سوچوں کا بے لگام گھوڑا جب بہت تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگتا' تو وہ اِدھر اُدھر بولائی بولائی پھرنے لگتی۔ یا پھر ریاض میں مصروف ہو جاتی' اور جب پاؤں شل ہونے لگتے تو بیڈ پر گر جاتی۔

عجب وحشت طاری ہو جاتی تھی اس پر۔ لمبے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کرتی' اور اگر پھر بھی دل نہ بہلتا تو باہر نکل جاتی۔ راستوں پر یونہی بلا وجہ بھٹکتی رہتی۔ جب بہت زیادہ تھک جاتی تو پھر گھر لوٹ آتی۔

وہ جوگرز کے لیس باندھ رہی تھی' جب امینہ خانم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

بہت دنوں بعد ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ ہوا تھا۔

''یونہی گھومنے۔'' اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''امتحان کب ہو رہے ہیں تمہارے؟'' ان کا انداز بہت سے معنی لیے ہوئے تھا۔

موآب نے ایک نظر دیکھا' پھر نظریں دوبارہ جھکا لیں۔

''کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔''

''چلو۔شوق تو پورا ہو گیا تمہارا۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔موآب نے ان کی ہنسی میں چھپا تمسخر صاف محسوس کر لیا' مگر بولی پھر بھی کچھ نہیں۔

''ویسے کیا ضرورت تھی اس جھنجٹ کی۔کرنا تو تمہیں وہی کچھ ہے' جو ہمارے ہاں کی روایت ہے۔پڑھنے لکھنے سے ایک طوائف زادی کی تقدیر بدل تو نہیں جائے گی۔''

اس نے چونک کر نظر اٹھائی تھی۔ناگواری کی واضح لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

''شرم بلکہ گھن آ رہی ہے مجھے آپ کے ساتھ اپنے تعلق سے۔اب سے پہلے میرے دل میں پھر بھی بہت عزت و احترام تھا' مگر آپ نے سفاکی کی انتہا کر دی ہے۔سنا تھا ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے' مگر آپ تو کسی ناگن کی طرح ہیں' جو اپنے بچوں کو ہی کھا جاتی ہے۔آئی ہیٹ یو۔آئی ہیٹ یو۔'' وہ چیخی تھی اور خانم نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔وہ متحیری منہ پر ہاتھ رکھے دیکھتی رہ گئی تھی اور خانم تیزی سے باہر نکل گئی تھیں۔

✦ ◈ ✖

''کہاں ہوتی ہو آج کل۔نظر ہی نہیں آتیں۔'' رافعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔آج کئی دنوں کے بعد وہ یونیورسٹی گئی تھی۔وہ چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔

''جانتی ہو سمسٹر ہونے والے ہیں۔''

''ہاں۔تم مجھے اپنی فائل دے دینا' میں لائبریری میں بیٹھ کر سارے لیکچر نوٹ کر لوں گی۔'' اس نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔رافعہ نے بغور دیکھا۔

''کیا ہوا؟ کیا اب تک طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی؟'' پھر بولی۔''ایک تو تمہارے والدین بھی عجیب ہیں۔تمہاری ذرا بھی خبر گیری نہیں کرتے۔کسی دن یونہی مر مرا گئیں تو۔'' اس نے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا ہے ناں جان چھوٹ جائے گی۔اس نے دل ہی دل میں کہا تھا' اور تلخی سے مسکرا دی تھی۔''

رافعہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

''ایک میرے ممی پاپا ہیں۔مجھے ذرا سی چھینک بھی آ جائے تو ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ڈاکٹروں کی لائن لگا دیتے ہیں' اور جب تک میں بھلی چنگی نہ ہو جاؤں' بستر سے اٹھنے نہیں دیتے۔''

''خوش نصیب بلکہ بہت زیادہ خوش نصیب ہو تم۔اب ہر کوئی تم جیسا نصیب تو نہیں پاتا ناں۔اگر میرے بس میں ہوتا تو یقیناً تمہارے گھر میں ہی جنم لیتی۔'' اس نے بظاہر مذاق میں کہا تھا' مگر دل کا درد دو چند ہو گیا تھا۔لگ رہا تھا گوشت کے اس مٹھی بھر کے ٹکڑے کو کوئی نوچ رہا ہو۔

''اور یہ میری خوش قسمتی ہوتی کہ اتنی کیوٹ سی لڑکی میری بہن ہوتی۔تم تصور نہیں کر

سکتیں کہ مجھے کتنی خواہش ہے کسی بہن کی۔'' رافعہ نے مسکراتے ہوئے کہا' تو اس نے گفتگو کا رخ ہی پلٹ دیا۔

''باقی لوگ کہاں ہیں؟''

''کلاس لے رہے ہیں۔ میرا موڈ نہیں تھا' سو یہاں بیٹھ گئی تھی۔''

وہ فائل کھول کر دیکھنے لگی۔ اسی دم پورا گروپ آ گیا۔

''آج سورج کس سمت سے نکلا بھئی۔'' عامر نے حیرت کا شدید اظہار کیا۔

''معجزے اس صدی میں بھی ہو رہے ہیں۔ حیرت ہے۔'' سہیل نے بھی اسے بغور دیکھنے کے بعد مسکرا کر کہا۔

وہ چپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ معلوم تھا وہ اسی طرح اول فول بکتے تھے۔

''یعنی ہم محترمہ عزت مآب' موآب صاحبہ کے روبرو بلکہ وہ ہمارے روبرو ہیں۔''

زیب بھی کیوں پیچھے رہتی' اور نوشینہ نے جب اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

''اج تے کمال ہی ہو گیا اے۔ بلے بھئی۔ بلے۔'' تو چہار سو قہقہوں کا جلترنگ سا بج اٹھا تھا' اور وہ بھی مسکرا دی تھی۔

اس کے سمسٹر ہو رہے تھے اس لیے ہر طرح کی سوچ کو جھٹک کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ تیاری کر رہی تھی۔ یہ اس کا آخری سال تھا' اور سال بھر سے وہ کچھ پڑھ نہ سکی تھی۔ آخری دنوں میں ہی رافعہ سے نوٹس لے کر فوٹو کاپی کروائے تھے' اور اب اس نے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ خدا خدا کر کے پرچے ختم ہوئے اور اس نے سکھ کا سانس لیا۔

آخری دن جی بھر کر سوئی' کسی نے اسے اٹھایا نہیں تھا۔ رات کو جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو خادم کھانے کے لیے کہنے آ گیا تھا۔

وہ بالوں میں برش کر کے باہر نکل آئی تھی۔ کئی دنوں سے خانم سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا' مگر آج کھانے کی میز پر وہ موجود تھیں۔ انہیں دیکھ کر موآب پہلے ٹھٹکی پھر اطمینان سے چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی۔ خاموش فضا میں ہی کھانا شروع کیا گیا۔ وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ کھاتی رہی۔

''ایگزیم ختم ہو گئے؟'' خانم نے اچانک پوچھا' تو وہ چونک کر دیکھنے لگی پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اب کیا ارادے ہیں؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ایک طوائف زادی کے عزائم کیا ہو سکتے ہیں؟'' اس نے خاصی ترشی سے کہا' وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں پھر بولیں۔

''وجاہت علی صاحب نے بہت پرکشش آفر دی ہے۔ وہ تمہیں اپنی مووی میں ہیروئن کاسٹ کرنا چاہتے ہیں۔''

اس نے کھانے سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور جگ سے پانی انڈیل کر ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی۔

''ابراہیم ظفر سے بھی بڑی اسامی ہیں کیا یہ موصوف؟'' اس نے گہرے طنز سے کہا' پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے تمہارا جواب چاہیے۔'' خانم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سوچ کر بتا دوں گی۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

کئی دن گزر چکے تھے' مگر اظہار بیگ چغتائی نے پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو چکا تھا۔ اس سے کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ خانم جلد سے جلد اس کا جواب چاہتی تھیں' مگر وہ خاموش تھی۔ غصہ اسے اس شخص پر بھی آ رہا تھا' جو جا کر واپس آنا بھول جاتا تھا' پھر خود ہی یہ سوچ کر خود کو دلاسا دیا تھا کہ وہ یقیناً مصروف ہو گا' ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس سے ملنے نہ آتا۔

جتنی بے قرار وہ تھی' اس کے لیے یقیناً اتنا ہی بے قرار وہ بھی تھا۔ اس کا اندازہ اس نے اس کی والہانہ نظروں اور محبت سے لبریز جملوں سے لگایا تھا' جو اس کے لیے انمول موتی تھے۔ پل پل اس کا خیال' اس کی یاد' اس کی باتیں اس کا گھیراؤ کیے رکھتیں۔

اور اس شام جب وہ اس کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی وہ آ گیا۔ اس نے اس کے بھاری قدموں کی چاپ پر سر اٹھا کر دیکھا تھا' اور کتنے ہی لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔

''بھئی یہ کوئی خواب نہیں ہے۔ حقیقت میں' میں تمہارے سامنے ہوں۔ دیکھو۔ چھو کر محسوس کر لو اگر یقین نہ آئے تو۔'' اظہار بیگ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا' تو اس نے نظریں جھکا لیں' بولی پھر بھی کچھ نہیں۔

''ناراض ہو بھئی کیا؟'' اس نے جھک کر پوچھا۔

"آپ کو اس سے کیا؟"

"کیوں بھئی؟ ہمیں ہی تو فکر ہے آپ کی۔" پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "اب یہ مت کہنا کہ ہم آپ کے ہیں کون کیونکہ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔" اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کیوں لگائے اتنے دن؟"

"کیوں ہجر سے تنگ آ گئی تھیں؟" اس نے شوخی سے کہا۔

"نہیں۔ ہجر کا بھی اپنا ایک لطف ہے۔" موآب نے نظریں جھکا کر کہا' پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا لاؤں آپ کے لیے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے کہا اور ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"خود دیکھ لو۔" اظہار بیگ دھیرے سے مسکرایا۔

"وہ جلدی سے پیکٹ کھولنے لگی۔ سامنے ہی خوبصورت سا میرون رنگ کا سوٹ تھا۔ گلے اور آستین پر بہت نازک سا گولڈن اور سبز موتیوں سے کام بنا ہوا تھا۔

"اچھا ہے نا؟" اظہار بیگ نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے شوخی سے دیکھا پھر بولی۔ "بہت اچھا ہے۔" اظہار بیگ زور سے ہنس پڑا تھا۔

"معلوم ہے تم پر یہ کلر بہت جچتا ہے' اور جب ہم پہلی بار ملے تھے تو تب بھی تم نے یہی کلر پہنا ہوا تھا۔"

"اچھا۔" موآب چونکی پھر مسکرا دی۔ "مجھے تو بالکل یاد نہیں۔"

"ہمیں تو یاد ہے بھئی اور وہ شاعر نے بھی کیا خوب کہا ہے کہ۔

جہاں پہلی بار ملے تھے ہم وہ رہ وفا مجھے یاد ہے
میرا چین جس نے چرا لیا وہ تیری ادا مجھے یاد ہے"

اس نے والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو موآب نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکا لیں۔ اس نے دھیرے سے اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی کی چاہت یوں میرے قدموں کی

زنجیر بن جائے گی۔ میں محبت کو فضولیات قرار دیتا تھا' نہ جانے کیسے تم جیسی ساحرہ کا اسیر ہو گیا۔" اس کا دھیما لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھولنے لگا۔

"سنو کیا جادو کیا ہے تم نے مجھے' جو میں اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا ہوں۔ تمہارے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔"

اس نے موآب کی زلفوں کو چھو کر دھیرے سے کہا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے نروس لہجے میں کہا' تو وہ زور سے ہنس پڑا اور وہ خجل سی ہو گئی۔ وہ کمرے میں جانے لگی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

"سنو' جلدی سے یہ سوٹ پہن کر تیار ہو جاؤ۔ آج ہم کہیں باہر کھانا کھائیں گے۔" اس نے کہا' تو وہ سر ہلاتی ہوئی پیکٹ اٹھا کر باہر نکل گئی' پھر خادم سے چائے کا کہہ کر خود تیار ہونے چلی گئی۔

"یہ دنیا کس قدر حسین ہے' پیاری ہے۔ اس بات کا احساس مجھے تمہارے ہاں آنے کے بعد ہوتا ہے۔" ساحل کی گیلی ریت پر چلتے چلتے اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"اور میرے بعد۔" اظہار بیگ نے جھک کر پوچھا تھا۔

"تمہارے بعد..... تمہارے بعد کوئی منظر بھی دل ونظر کو بھلا نہیں لگتا۔ زندگی تھل کی طرح ویران اور بنجر سی ہو جاتی ہے۔ عجب وحشت سی طاری ہو جاتی ہے مجھ پر' اور پھر میں یونہی ادھر ادھر بھٹکنے لگتی ہوں۔" اس نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا پھر بولی۔ "تم یہاں شفٹ کب ہو گے؟"

"بہت جلد۔ انشاء اللہ۔ سمسٹر کیسے ہوئے تمہارے؟"

"مت پوچھو۔ بہت ٹینشن سوار تھی مجھ پر۔ صحیح طرح سے تیاری نہ کر سکی۔ بس دعا کرو پاس ہو جاؤں۔"

"انشاء اللہ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" اس نے بزرگوں کی طرح اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"رافعہ وغیرہ کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک ہیں۔ تم گئے نہیں ان کی طرف؟"

"نہیں آج جاؤں گا۔ چلو تم بھی۔"

"نہیں مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" وہ نظریں جھکا گئی۔ "پھر کبھی چلی جاؤں گی۔" اس نے کہا' تو وہ مسکرا دیا پھر جب وہ جانے لگا تو اس کو یاد آیا کہ اس نے تو اس سے مشورہ بھی لینا تھا۔ یہی سوچ کر اس نے پکارا بھی مگر دوسرے ہی پل اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

"کیا بات ہے؟"

"ابھی تم جاؤ۔ پھر بات کر لیں گے۔" اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر واپس پلٹ گیا۔

✦ ◈ ✖

پھر دوبارہ ملنے کی ہی نوبت نہ آئی۔ اظہار بیگ چنتائی کو اچانک ہی واپس جانا پڑ گیا تھا' اور وہ اس سے ملے بغیر ہی چلا گیا تھا۔

اس دن وہ یونہی چلتی ہوئی رافعہ کی طرف جا پہنچی تھی۔ لاشعور میں کہیں یہ بات بھی چھپی تھی' کہ شاید اظہار بیگ کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے کہ وہ اتنی ایمرجنسی میں کیوں چلا گیا۔

"ارے۔ تم۔" رافعہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "کیسے راستہ بھول گئیں بھئی آج؟" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"بس چلتے چلتے یونہی پاؤں تمہارے گھر کی طرف مڑ گئے۔"

"اور سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل؟"

رافعہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس گزر رہی ہے۔ تم سناؤ۔"

"بھئی میں تو ایم۔ اے کرنے کا سوچ رہی ہوں' گھر بیٹھے بیٹھے بوریت سی ہونے لگی ہے۔" پھر بولی۔

"کافی دنوں سے میں سوچ رہی تھی تمہارے متعلق' دل بھی چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو' مگر تم بھی ایک نمبر کی کمینی ہو ایڈریس تک نہیں دیا اپنا۔" رافعہ نے شکوہ کیا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کی اصلیت معلوم ہو۔ اس نے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے۔

"اور لوگ کیسے ہیں۔ ملنا ملانا ہوتا ہے یا کہ نہیں۔"

"ہاں سب ملتے ہیں اور ہاں وہ نوشینہ احمد کی تو بات پکی ہو رہی ہے۔ ابھی کل ہی فون

پر بات ہوئی تھی۔ شاید آج آ جائے کارڈ دینے۔ خاصا مالدار اور سپر قسم کی چیز ہے اس کا ہونے والا ہزبینڈ۔" رافعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی۔ بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں ہمارے گھر آج تو۔" عامر اندر داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"کیسے یاد آ گئی آج ہماری؟"

وہ صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔

"بس دیکھ لو۔ آ ہی گئی۔" وہ ہنس پڑی۔ رافعہ چائے کا کہنے اٹھ کر چلی گئی۔

"اور سنائیں بھئی۔ کیا کر رہی ہیں آج کل؟"

"فارغ ہی ہوں۔"

وہ ناخنوں پر لگی کیوٹکس کھرچنے لگی۔

"آگے نہیں پڑھیں گی؟"

اس کے چہرے کی مسکراہٹ یکدم معدوم ہو گئی۔

"آنٹی وغیرہ نظر نہیں آ رہیں؟"

"ہاں وہ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی ہیں۔"

"کیوں کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"خاص بھئی خاص الخاص۔ رافعہ نے نہیں بتایا کہ تمہیں؟"

"نہیں۔"

وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ اسی دم فون کی بیل ہوئی' تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رافعہ چائے لے کر آ گئی۔

"بور تو نہیں ہوئیں تم؟" پھر بولی۔

"دراصل آج کل ہمارا خانساماں چھٹی پر ہے' اس لیے ہر کام خود کرنا پڑ رہا ہے۔" اس نے چائے کی پیالی اسے تھماتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کوئی خاص بات ہو رہی ہے کیا گھر میں؟" اس نے عامر والی بات کے متعلق پوچھا۔ رافعہ چونکی' پھر ہنس پڑی۔

"عامر نے بتا دیا تمہیں۔ بہت کمینہ ہے۔"

"نہیں اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا ویسے بات کیا ہے؟"

اس نے تجسس سے پوچھا۔

"بھئی بات تو خاص نہیں ہے۔ بہت عام سی ہے۔ وہی پیار کو پیار ہونے والی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

"اوہو۔ تو یہ بات ہے مگر تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں پہلے؟" موآب نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"بتانے والی تھی بھئی مگر تمہارے لیے کچھ خاطر مدارات کا بندوبست بھی تو کرنا تھا۔ ویسے فی الحال صرف آدھی پیاری ہوں گی۔ یعنی بات صرف منگنی کی ہے۔ شادی کچھ عرصہ بعد ہوگی۔"

"ویسے کون ہیں ذات شریف؟"۔ موآب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بڑی خاص الخاص چیز ہیں بھئی۔ یوسف ثانی جیسا حسن رکھنے والا کسی ریاست کے شہزادے کی طرح شان وشوکت کے مالک۔"

"اوہو۔ اتنے خاص ہیں کیا؟"

اس نے ہنس کر کہا۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" رافعہ کا انداز مسرور تھا۔

"یعنی مرمٹی ہو ان پر۔"

"وہ ہیں ہی ایسے۔"

رافعہ نے مسکرا کر کہا۔ اسی وقت نوشینہ بھی آگئی' پھر وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہ خاصی دیر تک بیٹھی باتیں کرتی رہیں' نوشینہ نے اسے بھی اپنی شادی کا کارڈ دیا اور سختی سے آنے کی تاکید کی اور وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شام بے حد گہری ہوگئی تھی۔

✦ ◈ ✦

"اس روز کوئی ملنے آیا تھا تم سے؟"

ناشتے کی میز پر خانم نے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی مگر دوسرے ہی پل دوبارہ اپنی پہلے والی حالت میں واپس آگئی' اور بہت اطمینان سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کون ہے وہ؟"

"اظہار بیگ چغتائی۔"

اس کے لہجے میں اطمینان بدستور قائم تھا۔

"یہ کون ذات شریف ہیں؟"

خانم نے چائے کا سپ لے کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے۔ آپ سمجھ گئی ہیں۔"

اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں کیوں آتا ہے وہ؟" ان کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

"ظاہر ہے مجھ سے ملنے۔"

"کیوں.....؟"

خانم نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"دوسرے اور بہت سے لوگ یہاں کیوں آتے ہیں؟ میں نے کبھی آپ سے یہ نہیں پوچھا۔"

اس نے گویا خانم کو لاجواب کر دیا تھا' پھر وہ اطمینان سے کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔ خانم چپ ہوگئی تھیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے سپ لے کر چائے پینے لگی۔ کافی دیر بعد خانم نے اس جامد خاموشی کو توڑا۔

"میں کوئی دشمن نہیں ہوں۔ بہت چھوٹی ہو ابھی تم۔ زمانے کے سرد وگرم کا بھی تمہیں کچھ پتا نہیں۔ برے اور اچھے کی تمیز بھی نہیں کر سکتیں تم۔ میں اگر تمہیں کسی بات سے روکتی ٹوکتی ہوں' تو اس میں تمہاری ہی اچھائی ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تمہاری عمر میں الٹی ہر بات بھلی محسوس ہوتی ہے' جو نصیحت کے طور پر کہی جائے' مگر جب ذرا پختگی آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب نصیحتیں' جو اس وقت بری لگتی تھیں وہی بہتر تھیں۔" خانم بہت دھیمے لہجے میں بول رہی تھی' اور موآب کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ اس لمبی چوڑی لیکچر کی وجہ جاننے سے قاصر تھی۔ خانم چند لمحوں کو ٹھہرے پھر بولیں۔

"ہمارے ہاں کا یہ المیہ ہے کہ ہم بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں کی عورتیں ڈار سے بچھڑے ہوئے پنچھو کے مانند ہوتی ہیں' جنہیں ساری عمر فلاش میں سرگرداں رہنے کے بعد اپنی ڈار نہیں ملتی۔ در در بھٹکنا ہی ان کا مقدر ہوتا ہے۔ کل مستقبل

ٹھکانا نہیں ہوتا ان کا۔ زمانے کی ٹھوکروں پر ہوتی ہیں۔ جو چاہتا ہے ایک ٹھوکر [illegible] ہے۔ بے آسرا' بے سائبان' یہ قوم ہمیشہ یونہی رلتی رہتی ہے۔ قدموں میں کچلی جاتی [illegible] چاری' مگر یہ بیچاری کی مجبوری ہے کہ تکلیف کے باوجود وہ رو نہیں سکتی۔ وہ بظاہر ہنستی [illegible] مگر اندر ہی اندر اس کی روح بین کرتی رہتی ہے۔ مردوں کے اس زمانے میں اس [illegible] مقام نہیں اس عورت کا' جوتی کی نوک پر رہتی ہے ہر لمحہ۔ کتنی اذیت بھری زندگی ہوتی [illegible] کی' مگر اس پر بھی ستم یہ ہے کہ اسے اسی مقام پر رہنا پڑتا ہے۔ جینا پڑتا ہے۔ [illegible] ہوئے بھی موت کو گلے نہیں لگا سکتی' کہ شاید یہ بھی اس کی بدقسمتی ہی ہے۔

ہمیشہ سکون واطمینان کی متلاشی یہ عورت اس خواہش کو اپنے دل میں مقید کیے [illegible] منوں مٹی تلے دفن ہو جاتی ہے۔ کوئی گھر' کوئی دریچہ اس کے لیے نہیں کھلتا۔ یہ اندھیرے میں جیتی ہے' اور اندھیرے میں ہی مر جاتی ہے۔ کوئی روشنی اس کی زندگی میں اجالا نہیں بکھیرتی۔ زمانہ اسے طوائف کہہ کر دھتکارتا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر اسے یہ احساس دلایا جاتا ہے۔ اگر عزت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہے بھی تو نہیں گزار سکتی کہ ہمارے معاشرے میں اسے کوئی بھی تو قیر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا' اگرچہ اس کا دامن پاک بھی ہو' مگر پھر بھی [illegible] والے اسے قبول نہیں کرتے۔ طعنوں تشنوں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں یہ لوگ۔ اس کے ماتھے پر چسپاں ''طوائف زادی'' کا لیبل اس کی پوری عمر کو تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔ [illegible] شریف زادی بننا چاہے بھی تو نہیں بن سکتی۔''

موآب نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ان کے چہرے پر گہری اداسی تھی' اور آنکھیں [illegible] کافی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولیں۔

''کیا وہ لڑکا تم سے واقعی محبت کرتا ہے؟'' موآب نے لمحہ بھر کو انہیں دیکھا' پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ اب ان کی باتوں کا مفہوم کچھ کچھ سمجھ گئی تھی۔

''اور تم؟''

''میں..... مجھے تو زندگی کا احساس ہی اس نے بخشا ہے۔'' اس نے قدرے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

''کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے؟'' موآب نے ان کی بات پر چونک کر دیکھا' [illegible] نفی میں سر ہلانے لگی۔

''مجھے نہیں معلوم۔ کبھی بھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی ہماری۔'' وہ کہہ کر سر جھکا گئی۔

''کیوں.....؟'' خانم ؒ نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے اور نظریں سامنے دیوار پر جما دیں۔

''کیا صرف وقت گزار رہے ہو تم دونوں؟''

''نہیں۔ کم از کم۔ میں ف تو ہرگز ایسا نہیں کر رہی۔''

اس نے جلدی سے کہا۔

''اور وہ؟''

''شاید وہ بھی نہیں۔'' اس نے کہا اور سوچنے لگی۔ واقعی ان دونوں نے کبھی اس موضوع [illegible] کیوں نہیں کی۔

''میں نے کبھی بھی تمہارے حق میں غلط نہیں سوچا۔ ہمیشہ مخلص رویہ اختیار رکھا۔ میں [illegible] دشمن نہیں تھی' مگر تم سنے۔'' ان کی آواز جانے کیوں بھاری ہوئی۔ ''میں تمہاری ماں تو [illegible] ہوں' مگر ماں بن کر پالا ضرور تھا۔ تمہارے لیے میرے دل میں ڈھیروں ممتا ہے۔ کوئی [illegible] ماں اپنی اولاد کو ناخوش دیکھنا نہیں چاہتی اور تم..... تم بھی مجھے اپنا کچھ سمجھو یا نہ سمجھو' مگر [illegible] اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنی اولاد کو ناراض کر دوں۔'' وہ [illegible] کو رکیں پھر بولیں۔

''تم اظہار بیگ سے کہنا تھا۔ وہ مجھ سے مل لے۔''

''جی.....''

وہ جو کب سے سر جھکائے بیٹھی تھی یکدم چونک کر سر اٹھایا' مگر وہ کہہ کر فوراً ہی کمرے [illegible] نکل گئی تھیں۔

خاصی دیر تک وہ یونہی ادھر ادھر ٹہلتی رہی تھی۔ رات اگرچہ بہت گزر گئی تھی' مگر اسے پھر [illegible] نہیں آ رہی تھی۔ خانم ؒ کی صبح والی گفتگو اس کے ذہن میں مسلسل گونج رہی تھی۔ یقین ہی [illegible] تھا کہ خانم یوں اتنی آسانی سے رضامند بھی ہو سکتی ہیں' اور جس طرح کا رویہ کچھ دنوں [illegible] خانم نے اس کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا' اسے دیکھ کر تو وہ ان سے ایسی بات کی امید بھی [illegible] سکتی تھی' مگر سب کچھ غیر متوقع ہی ہوا تھا۔ خانم نے اپنے رویے سے احساس دلا دیا [illegible] وہ کچھ نہ کچھ نرم گوشہ ضرور رکھتی ہیں اس کے لیے دل میں۔

مگر شاید روایت کی زنجیروں نے انہیں وقتی طور پر سخت رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا' مگر وہ اسے مسلسل برقرار نہ رکھ سکی تھیں۔ انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ واقعی ایک ''ماں'' ہیں اور اب.....اب اسے خاصی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اتنے دنوں تک اس نے کتنی بدتمیزیاں کی تھیں ان کے ساتھ۔ کتنے سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔ سوچا تھا تو خود ہی شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کیا وہ اسے معاف کر دیں گی۔ اس نے سوچا تھا' اور پھر اپنا سر جھٹک دیا تھا۔ وہ یقیناً دل سے اس سے خفا نہیں تھیں کہ ماں کبھی اپنے بچوں سے خفا ہو ہی نہیں سکتی' اور خانم نے اپنے رویے سے ثابت بھی کر دیا تھا۔ اس نے سوچا۔

جو کچھ بھی ہے۔ انہوں نے تو ایک ماں کا فرض نبھا دیا۔ اب مجھے بھی ایک بیٹی کا فرض نبھانا ہے۔ میں ان سے اپنے رویوں کی معافی مانگ لوں گی' اور یقیناً وہ مجھے معاف بھی کر دیں گی۔ خانم واقعی کتنی اچھی ہیں مگر میں.....میں انہیں سمجھ ہی نہ سکی۔ اس نے سوچا تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کا حصار کر گئی۔

اور پھر واقعی اس نے خانم کو منا لیا۔ خانم کے کندھے سے سر ٹکائے وہ کتنی ہی دیر تک روتی رہی تھی' اور وہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے چپ کروا رہی تھیں۔ نفرت' اور کدورت کی دھوپ چھٹ گئی تھی' اور اب چار سو محبتوں کی گھنی چھاؤں تھی۔ چہار سو' اطمینان تھا' سکون تھا اور آسودگی تھی۔

اس دن خانم اسے شاپنگ کے لیے لے کر گئی تھیں۔ وہ خانم کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی' پھر وہ ایک شاپ پر رک کر کچھ دیکھنے لگی۔ اچانک ہی سامنے سے انصار بیگ چغتائی آ گئے۔

''ارے بیٹا آپ یہاں۔''

آواز پر چونک کر موآب نے اور خانم نے ایک ساتھ سر اٹھایا۔ وہ قدرے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔

''ارے انکل آپ۔''

جہاں موآب نے خوش دلی سے کہا وہیں خانم ٹھٹک گئیں۔ وہ یونہی رخ پھیر کر کھڑی رہ گئیں' مگر کان اسی سمت لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ کھڑے باتیں کرتے رہے' پھر آگے بڑھ گئے۔ جونہی وہ ہاں سے ہٹے خانم تیزی سے آگے بڑھیں۔

''کون تھے یہ؟''

انہوں نے اسی سمت دیکھتے ہوئے کہا' جس طرف کچھ دیر قبل انصار بیگ چغتائی گئے تھے۔ ان کے چہرے پر تفکرات کی گہری لکیریں تھیں۔

''رافعہ کے پاپا ہیں اور اظہار بیگ چغتائی کے تایا جان۔ بہت نائس آدمی ہیں۔ دل خود بخود ہی ان کی عزت کرنے کو چاہتا ہے۔'' موآب نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

خانم نے بغور دیکھا پھر بولیں۔

''آؤ واپس چلیں۔''

''مگر ابھی تو کچھ خریدا ہی نہیں۔''

اس نے حیرت سے کہا۔

''پھر آ جائیں گے۔ دراصل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔'' موآب نے غور کیا تو واقعی دھل گئی۔ ان کی رنگت واقعی زرد پڑ گئی تھی۔

''کیوں.....کیا ہوا ہے آپ کو؟''

''کچھ...جلدی چلو۔''

ان کی حالت کے پیش نظر موآب نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا' اور گاڑی تک لے آئی۔

گھر آ کر موآب دودھ میں گلوکوز ڈال کر پلانے کے بعد کمرے سے چلی گئی تھی' اور اب وہ اپنی سوچوں کے ساتھ تنہا تھیں۔

''انصار بیگ چغتائی۔''

ان کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔ ''کیوں سامنے آئے ہو اب ہمارے۔ جب ہم سب کچھ فراموش کر چکے ہیں۔ بھول چکے ہیں پھر کیوں کرید نے چلے آئے ہو ان پرانے زخموں کو۔ اتنی آسیبیں لگائی تھیں رحمہ نے تم سے' مگر تم نے کس طرح اعتماد چکنا چور کر دیا تھا اس کا۔ میری بیٹی کو خون کے آنسو رلایا تھا تم نے انصار بیگ چغتائی۔ بولو کیسے معاف کروں میں تمہیں؟ کیسے معاف کر دوں؟ تمہاری بیٹی' جو ہمیشہ کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش کرتی رہتی ہے تمہارے بارے میں' کیسے بتا دوں کہ وہ اپنے باپ کی یعنی تمہاری وہ بیٹی ہے جسے تم دنیا والوں کے سامنے بیٹی کہہ کر نہیں پکار سکتے۔ کیسے کہہ دوں کہ وہ تمہاری ناجائز اولاد ہے' جسے تم کبھی نہ

اپنا نام دے سکو گے اور نہ ہی پیار۔ کتنے سنگدل ہو تم انصار بیگ' کم از کم اس معصوم بچی کو تو کچھ سکھ دے دیا ہوتا۔ کچھ اور نہیں تو اپنا نام ہی دے دیا ہوتا' مگر تم جیسے مرد اپنی دودھ کے ابال جیسی عمر میں کی گئی کوتاہیوں پر کس خوبصورتی سے فراموش کر دیتے ہیں دوسروں کے لیے کس قدر بڑا عذاب بن جاتی ہیں۔ عمر بھر کا روگ۔''

موآب کئی دن سے اس کا انتظار کر رہی تھی' مگر وہ آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ کتنی بڑی خوش خبری تھی اس کے پاس جسے وہ اسے سنانا چاہتی تھی۔ خانم نے اس کے اور اظہار بیگ کے رشتے کے لیے جب سے رضامندی دی تھی' وہ تب سے ہی خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس دن وہ ٹیرس پر کھڑی تھی کہ وہ آ گیا۔

''اظہار بیگ تم۔'' وہ مسرت سے بولی' مگر وہ خاصا تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ریلنگ پر ٹک گیا خاصا ڈپریسڈ لگ رہا تھا وہ۔

''خیریت؟'' موآب نے اس کی کیفیت کو بغور دیکھا' پھر بولی۔ وہ چند ثانیے خاموشی سے اسے تکتا رہا' پھر کچھ بولے بغیر اس کا بازو تھام کر نیچے لے آیا۔

''خیریت بھئی آخر ہوا کیا ہے؟'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا' مگر اس نے اسے گاڑی میں بٹھا کر گاڑی فل اسپیڈ میں چلا دی۔ اس کی مسلسل خاموشی موآب کا دل ہولائے دے رہی تھی۔ وہ خاصا الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ کسی بھی بات کا اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ وہ پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا' پھر اس نے گاڑی قدرے سنسان جگہ پر روک دی۔ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب تکنے لگی۔

''اظہار! پلیز جو کچھ بھی ہے صاف صاف کہہ دو۔ اس طرح تو میرا دم نکل جائے گا۔ تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی۔'' اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اظہار بیگ نے جواب میں اسے چند لمحوں کے لیے خاموش نظروں سے دیکھا پھر رخ پھیر لیا۔

''سنو اگر میں یہ کہوں کہ یہاں تک کی مسافت پر ہی ہمارے سفر کا اختتام ہوتا ہے تو پھر؟'' اس نے گول مول سے لہجے میں کہا۔ موآب کچھ نہ سمجھ سکی۔

''کیا مطلب..... کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مطلب..... مطلب یہ کہ۔'' اس نے اس کی طرف دیکھا' پھر گڑبڑا کر نظریں

چرا لیں۔ ''ہم زندگی میں بہت سی چیزوں کی تمنا کرتے ہیں۔ بہت سی چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں' مگر بعض اوقات ہمارے ارادے ہی ہمیں دھوکا دے جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہوئے بھی وہ چیز حاصل نہیں کر سکتے' جو ہمارے لیے بے حد اہم اور ضروری ہوتی ہے۔''

موآب چپ بیٹھی سنتی رہی پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اس طرح پہیلیاں مت بجھواؤ اظہار بیگ' جو کچھ ہے کھل کر کہو۔''

''کھل کر۔'' اس نے مڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا پھر بولا۔ ''موآب تم میری زندگی ہو' میری روح ہو' میری جان ہو' میں نے سچے دل سے تمہیں چاہا تھا' پانے کی تمنا کی تھی مگر.....''

''مگر کیا؟'' موآب نے اب کے چونک کر دیکھا۔ اب وہ اتنی ناسمجھ بھی نہ تھی کہ نہ سمجھتی۔ اس کا دل جیسے ساکت سا ہونے لگا تھا۔ دھڑکنیں تھمنے سی لگی تھیں۔

''میں تم سے شادی نہیں کر سکتا موآب۔ میرے قدموں میں رواجوں نے بیڑیاں ڈال دی ہیں۔'' اظہار بیگ کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

''کیا.....؟'' موآب کا دل جیسے رک سا گیا۔ آنکھوں میں وحشت سی سمٹ آئی تھی۔ ایک تھل کی سی کیفیت چھلک رہی تھی' اس کی سیاہ آنکھوں میں سے۔ اندر ہی اندر چیخ پکار مچ گئی تھی۔ روح بین کرنے لگی تھی۔ اس کے جسم کا ماس سن ہو کر رہ گیا تھا' اور اس کے کانوں میں چیلوں اور کوؤں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ لگ رہا تھا ابھی کچھ لمحوں بعد وہ سب اس پر جھپٹ پڑیں گے' اور اس کی بوٹی بوٹی نوچ کر کھا جائیں گے۔

''بہت لڑا میں تمہارے لیے' اپنے لیے مگر آخر کار ہار گیا۔ احسانوں نے مجھے باندھ لیا' تایا جان نے اپنے احسانوں کی بہت بھاری قیمت لی مجھ سے' ماں کی اکھڑتی ہوئی سانسوں نے میرے سارے خواب چکنا چور کر دیے۔''

وہ کہہ رہا تھا' مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کانوں میں بہت شور تھا۔ بے حد شور۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اتری تھی۔ اظہار بیگ نے اس کا بازو تھاما بھی تھا' مگر اس نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیا تھا' اور بھاگتی ہوئی وہاں سے آ گئی تھی۔ اس کے اندر باہر ایک اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ کانوں میں بہت سی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں' مگر ایک آواز بہت واضح تھی اور وہ تھی امینہ خانم کی آواز۔

"ہمارے ہاں کا یہ المیہ ہے۔ ہمارے ہاں کی عورتیں ڈار سے بچھڑے ہوئے پکھو کے مانند ہوتی ہیں' جنہیں ساری عمر تلاش میں سرگرداں رہنا ہوتا ہے' مگر تلاش کے باوجود بھی انہیں اپنی ڈار نہیں ملتی..... دردر بھٹکنا مقدر ہوتا ہے ان کا۔ زمانے کی ٹھوکروں پر ہوتی ہیں یہ۔ جو چاہتا ہے ایک ٹھوکر لگا جاتا ہے۔ بے آسرا' بے سائبان یہ قوم یونہی رلتی رہتی ہے' قدموں سے کچلی جاتی ہے بیچاری۔ کوئی گھر' کوئی دریچہ اس کے لیے نہیں کھلتا۔ اندھیرے میں جیتی ہے اور اندھیرے میں ہی مر جاتی ہے۔ کوئی روشنی اس کی زندگی میں اجالا نہیں بکھیرتی۔ ہمیشہ سکون و اطمینان کی متلاشی یہ عورت اس خواہش کو اپنے دل میں مقید کیے ہی مٹی تلے دفن ہو جاتی ہے۔"

اور دوسری طرف رافعہ کی کھلکھلاتی ہوئی شوخ آواز۔

"بڑی خاص الخاص چیز ہیں بھئی۔ یوسف ثانی جیسی خوبصورتی رکھنے والے' کسی ریاست کے شہزادے کی طرح شان و شوکت کے مالک۔"

"اوہو۔ اتنے خاص ہیں کیا؟" اس کی اپنی دبی دبی تجسس بھری آواز۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" رافعہ کا مسرور' کھویا کھویا لہجہ اس کی سماعتوں میں پگھلے ہوئے سیسے کے مانند تھا۔

بے تحاشا شور تھا اس کے اندر۔ بہت سی آوازیں تھیں۔ سب گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

اس نے شور سے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے' مگر شور تھا کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ پیچھے سے آتے ہوئے تیز رفتار ٹرک نے کتنے ہی ہارن دیے تھے' مگر اس کے اندر کا شور ہی اس قدر تھا کہ باہر کی کوئی آواز سنائی ہی نہ دی تھی اور بالآخر تیز رفتار ٹرک آگے بڑھنے کے چکر میں اسے کچلتا ہوا نکل گیا تھا۔

ایک دلخراش چیخ ابھری تھی۔ وہ کچھ لمحوں تک بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپی تھی' مگر پھر چند ثانیوں میں ہی اس کا وجود ساکت ہو گیا تھا۔ وہ دنیا کی ہر تکلیف' پریشانی اور جھنجٹ سے پوری طرح آزاد ہو چکی تھی' اور اب اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔ روح جسم کو چھوڑ کر ہر طرح کی فکر سے آزاد ہو گئی تھی۔

✦ ◈ ✦

میں اپے پائیاں کنڈیاں

زندگی ایک جمی ہوئی لکیر کی مانند' جانے کیوں ایک ہی جگہ اور منجمد ہو گئی' بے حد سرد..... بے حد جامد..... وہی سوچ پھر یکدم عود کر آئی' تو وہ تمام باتوں کو بھول کر اپنی بے وقوفی پر ایک بار پھر مسکرا دی۔ "آئی ایم ریئلی اسپوئیڈ مس عفاف فریدون خان یور آرر یئلی دی فولش ون۔" وہ خود کو ہمیشہ کی طرف ایک بار پھر باور کراتی ہوئی گیٹ کے سامنے رک کر ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی' شکر بجالا رہی تھی کہ بس اسٹاپ سے اس گھر تک کا طویل ترین فاصلہ طے ہو گیا۔

خواہ کسی طور ہی سہی!

خود سے سے الجھنے اور خود کو عظیم ترین القابات سے نوازتے ہی سہی۔

اس نے بہت سی سوچوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ایک..... دو..... تین..... اور آخر کار بوا اس کے سامنے تھیں۔

"اتنی دیر کر دی آج تم نے؟ میرا تو دل ہول رہا تھا۔"

"ہاں بس آج ٹریفک حسب معمول پھر جام تھا۔ کراچی کی ٹریفک پر ابھرو تو روز کا معمول بن گئی ہے۔ جانے کیوں کوئی بہتر حل تلاش نہیں کر لیا جاتا اس مسئلے کا۔ جب پتہ ہے اتنا بڑا شہر ہے' اتنی گاڑیاں ہیں' اور اتنے لوگ شام کے اس لمحے دفاتر سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں' تو یہاں ہمیشہ مسائل ہی کی صورت سر اٹھائے پوری آب و تاب سے کھڑے منہ چڑاتے رہتے ہیں اور۔" وہ تیز آواز میں بولتی ہوئی گلاس ڈور کھول کر اندر داخل ہوئی تھی' اور پھر یکدم

اپنے سامنے ایک یکسر اجنبی شخص کو وسیع و عریض ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھے دیکھ کر اس کے اُٹھتے قدم اور چلتی زبان دونوں ہی لمحہ بھر کو تھم گئے تھے۔

اس نے ایک نظر اس اجنبی کو دیکھا تھا۔ جواب میں تقریباً یہی کارروائی ان موصوف کی جانب سے بھی ہوئی تھی' اور اس کی نظروں کو دیکھ کر لمحہ بھر میں وہ اپنے پیچھے آتی ہوئی بوا کو مڑ کر دیکھنے لگی تھی' مگر شاید بلکہ یقیناً بوا اپنی سست روی کے باعث اب تک گیٹ سے یہاں تک کا فاصلہ طے کرنے میں ایک بار پھر ناکام رہی تھیں۔ عفاف فریدون خان نے تب ایک نظر پھر اس خاصے معقول انسان پر ڈالی تھی' اور پھر کچھ کہے یا بولے بغیر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''یقیناً بوا کا کوئی مہمان ہوگا.....'' اپنے کمرے تک آتے ہوئے اس نے قیاس کیا تھا' پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی اس نے شولڈر بیگ ایک طرف ڈالتے ہوئے' اور بیڈ پر گرتے ہوئے سب سے پہلے بالوں کو اسکارف سے آزاد کیا تھا۔ چند ثانیوں تک خود کو یونہی ریلیکس کیا تھا' پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پیروں کو فلیٹ جوتوں سے آزاد کیا تھا' اور پھر واش روم میں گھس گئی تھی' اور جب وہ فریش ہو کر باہر نکلی' تو رحمت اس کے لئے چائے کا کپ رکھ کر جا چکا تھا۔

بھاپ اڑاتی چائے کے کپ کو اس نے تشکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ دو..... چار سپ لینے کے بعد اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے' بالوں کو ٹاول کی قید سے آزاد کرتے ہوئے' پشت پر ڈال دیا تھا' اور پھر دوبارہ چائے کا کپ اٹھا کر چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی تھی۔

تبھی رحمت آ گیا تھا۔

''بوا پوچھ رہی ہیں کھانے میں کیا بناؤں؟'' اور تب وہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''وہ مہمان چلا گیا؟''

''نہیں جی ابھی کہاں..... شاید رہیں گے کچھ دن..... بوا جی کے قریبی بھتیجے ہیں' انتہائی عزیز..... بوا جی ایسے ہی تھوڑا جانے دیں گی۔''

''اوہ.....!'' اس نے ہونٹ سکوڑے..... ''پھر [illegible] جانے میں کچھ [illegible] م درکار ہوگا۔''

''ہاں یہ تو ہے جی.....'' رحمت نے سر اثبات میں ہلایا۔

''پھر کیا سوچا ہے تم نے؟'' اس نے رات کے کھانے کے مینو کے متعلق دریافت کیا۔

''کیا جی..... کس بارے میں؟'' رحمت کی باچھیں چر کر کانوں سے لگیں عفاف اسے گھور کر رہ گئی۔

''میں مینو کے متعلق دریافت کر رہی ہوں۔''

''ہاں جی وہی تو میں بھی دریافت کر رہا ہوں؟''

رحمت نے فوراً ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

''جاؤ کچھ بھی بنا لو۔'' اس کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ نہ آیا' تو اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔ ایک تو اس قدر تھکن ہو رہی تھی' سر میں بھی درد محسوس ہو رہا تھا۔

رحمت کوئی حکم نہ پا کر واپس لوٹ گیا۔ اس نے کپ خالی کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر برش اٹھایا' پھر بال سلجھاتے ہوئے جانے کیا خیال آیا کہ بالوں کو پشت پر ڈالتے ہوئے' وہ اٹھ کھڑی ہوئی لائٹ براؤن دوپٹے کو شانوں پر پھیلا کر باہر نکل آئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اپنی جانب رخ کئے بیٹھے اس شخص سے بلا ارادہ نگاہ ٹکرائی' وہ بوا کے ساتھ یقیناً باتیں کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ عفاف پر نگاہ جو اٹھی' تو لمحہ بھر کو رکی رہ گئی' وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنی توجہ اسٹیرز پر جماتے ہوئے ایک ہاتھ سے چہرے پر آتے ہوئے سلکی بالوں کو کان کے پیچھے کرتی ہوئی زینہ کراس کرتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''آپ آ گئی بی بی جی۔'' رحمت نے پیاز کاٹتے ہوئے ایک حیرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''ہاں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا' پھر ایپرن پہننے لگی۔

''بنا کیا رہے ہو؟''

''جی فی الحال تو بریانی کے لئے مسالہ تیار کر رہا ہوں۔''

''او کے پیچھے ہٹو..... میں دیکھتی ہوں!'' اسے کہہ کر وہ چولہے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ رحمت کتنا پرفیکٹ کک تھا' یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی' تبھی اپنے آرام کی قربانی دیتی ہوئی وہ یہاں آ گئی تھی کہ مہمان اس کے سال بھر کے قیام میں پہلی بار آیا تھا' اور وہ نہیں چاہتی

تھی کہ اسے کسی قسم کی کوئی شکایت ہو۔ بوا اتنی اچھی تھیں کہ ان کو یا ان سے وابستہ کسی شے کو وہ کم از کم وہ تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔

پھر تمام تر کام نمٹا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ خیال تھا کہ کھانا اپنے کمرے میں ہی کھائے گی' مگر اس وقت سخت کوفت ہوئی' جب رحمت بجائے کھانے کی ٹرے کے اسے خالی ہاتھ بلانے آ گیا۔

"وہ جی بوا جی آپ کو نیچے بلا رہی ہیں۔" اور تب وہ کتنی ہی دیر تک رحمت کو خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔

"کیا جواب دوں جی؟" رحمت نے اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ دریافت کیا تھا' اور تب اس نے ہولے سے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ رحمت فوراً باہر نکل گیا تھا' اور وہ کچھ دیر تک یونہی سوچتی رہی تھی' پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

بوا اسے دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

"آؤ' بیٹھو یہاں میرے پاس۔" بوا نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا' تو بلا ارادہ ہی کرسی کھینچتے ہوئے اس کی نگاہ اپنے بالکل سامنے بیٹھے شخص پر جا ٹکی۔ اس وقت وہ بھی اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ نگاہ جھکا کر ٹیبل کی سطح کو دیکھنے لگی' تبھی اس کے کانوں میں بوا کی آواز پڑی۔

"بیٹا! یہ عزیر حسن آفندی ہے' میرا بہت عزیز بھتیجا..... تعلیم کی غرض سے عرصہ دراز باہر رہا۔ اب ایک ملٹی نیشنل فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر ہے۔ میں تو شکل دیکھنے کو بھی ترس جایا کرتی تھی۔ آج بھی اچانک آمد پر حیران رہ گئی ہوں۔" بوا بتاتے ہوئے مسکرائیں' تو وہ سر اٹھا کر سامنے بیٹھے شخص کی جانب دیکھنے لگی۔

"یہ عفاف فریدون خان ہے۔" بوا نے اس کا تعارف پیش کیا' وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ وہ بھی رسماً مسکرائی۔

"ہیلو۔"

"بلیک سوٹ میں بک سک سے تیار شخص نے جواباً بڑے مہذب انداز میں سر ہلایا تھا' اور تب وہ دوبارہ سے اپنی پلیٹ کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"تمام کھانا عفاف نے ہی بنایا ہے۔ بڑی لذت اور ذائقہ ہے اس کے ہاتھ

میں۔" بوا نے مطلع کیا۔ وہ مسکرایا۔

"جی اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔" اس نے کہا تو عفاف کی نظر لمحہ بھر کو پھر اس پر ٹک گئی۔

"بوا جی ہمیشہ سچ بولتی ہیں۔" اس نے براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا' تو وہ کوئی جواب دیئے بغیر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

"وہ چھوٹا شوبی کیسا ہے؟ کہہ دیا کبھی آ جایا کرے وہ بھی اپنی بوا سے ملنے۔" بوا نے غالباً ان موصوف سے چھوٹے کسی حضرات کا ذکر کیا تھا۔

"جی ضرور آئے گا وہ بھی!!" سعادت مندی سے جواب دیا گیا۔

"کر کیا رہا ہے؟"

"اس کے شوق کچھ مختلف نوعیت کے ہیں..... میوزک..... کمپیوٹر..... کرکٹ..... پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ ہر جانب توجہ مبذول کئے ہوئے ہے۔ ویسے انجینئرنگ کا آخری سال ہے اس کا۔"

"اور وہ مونا..... واہ کینٹ سے آتی جاتی بھی ہے' یا فقط سسرال کی ہی ہو کر رہ گئی؟"

"بڑے خوبصورت گول مٹول سے شہزادے ہیں اس کے..... آتی جاتی رہتی ہے۔"

"ہاں بس یہ کراچی ہی دور ہے....." بوا نے کہا۔ "سوچتی ہوں بوریاں بستر اٹھا کر میں بھی اسلام آباد جا بسوں۔"

وہ مسکرایا۔

"زہے نصیب..... میرے ساتھ ہی چلئے نا۔" اس کے شرارت سے پُر انداز پر بوا یکدم مسکرا دیں۔

"شرم تو نہیں آتی بوا کو چھیڑتے ہوئے۔ وہ ننھی شرارتی گڑیا کا کیا حال ہے۔"

"وہ ثومیہ..... ہاں وہ بھی میٹرک میں آ گئی ہے..... شیطان کی نانی ہے۔"

وہ آہستہ سر جھکائے کھانا کھاتی رہی' خالص گھریلو قسم کی گفتگو میں یقیناً وہ مس فٹ لگ رہی تھی خود کو۔

"کراچی کا پروگرام طویل ہے یا مختصر..... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اب کے آیا ہے' کچھ دنوں تک جانے نہیں دوں گی۔" بوا نے کہا۔

"اب تو آنا جانا لگا رہے گا۔" اس نے بوا کو جواب دے کر اس کی جانب دیکھا۔

''آپ نے کھانا واقعی بہت اچھا بنایا ہے' میں کافی کھا گیا۔''

''شکریہ.....'' وہ اس قدر کہہ سکی۔ پھر کرسی کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''او کے بوا میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں' صبح پلیز جگا ضرور دیجئے گا' یہ نہ ہو میں سوتی رہ جاؤں۔'' وہ بولی تو بوا سر ہلانے لگیں۔

''بیٹھو نا.....رحمت کافی لا رہا ہے۔''

''اپنے کمرے میں پیوں گی.....بہت تھک گئی ہوں' اور آپ جانتی ہیں میں شدید تھکن میں سو نہیں پاتی.....ہاں کافی البتہ اچھی شے ہے رحمت سے کہہ کر میرے کمرے میں بھجوا دیجئے گا۔ شب بخیر۔'' جیسے وہ زینے کی طرف مڑی تبھی بوا بولی تھیں۔

''فنانشل پرابلمز تو خیر مجھے کبھی نہیں رہیں' مگر اس لڑکی کو جب بطور پے انگ گیسٹ رکھنے کا مرحلہ آیا' تو میں انکار نہ کر سکی۔ اس کے متعلق میری ایک دیرینہ دوست نے مجھ سے کہا تھا۔ اس کی بیٹی کی یہ بہت اچھی دوست ہے' اور ان کے ہاں بچپن سے ان کی فیملی کی ریلیشن تھے۔ بہت معزز' بہت مہذب خاندان سے تعلق ہے۔ بہت بڑی جائیداد بھی ہے' مگر قسمت کی بدبختی کہ ماں باپ کی موت کے بعد تنہا نہیں رہ سکتی.....خود کو مصروف رکھنے کے لئے جاب کر رہی ہے۔ بہت اچھی اور معصوم لڑکی ہے.....میرا بھی وقت اچھا گزر جاتا ہے اس کے باعث' ورنہ تو گھر میں ویرانی سی ویرانی تھی۔ اس کے آجانے سے کسی حد تک میری زندگی کی تنہائی کو بھی آسرا مل گیا۔ تمہارے انکل کے بعد تو بس جیسے میری زندگی بھی ختم ہو گئی تھی' مگر اس بچی کے باعث میری زندگی میں پھر ایک رونق سی آ گئی ہے۔'' بوا نے بتایا تو وہ سر ہلانے لگا۔

✦ ◈ ✖

صبح شاید بوا کی آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی' تبھی اسے اٹھانے کو بھی دیر سے آئی تھیں' اور وہ تو وقت پر اٹھتی تو تیار ہونا محال ہوتا تھا' کہاں پندرہ بیس منٹ میں تیار ہونا' مگر وہ چھٹی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی' جلدی جلدی تیار ہو کر نیچے آ گئی تھی۔

''ناشتہ.....'' بوا نے پکارا تھا۔ ناشتے کی ٹیبل پر بوا مہمان کے ساتھ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں۔ مہمان ڈان کے صفحات چہرے کے سامنے کئے چائے کے سپ بھی لے رہا تھا۔

''نہیں بہت دیر ہو جائے گی۔'' وہ ریسٹ واچ کا لاک بند کرتی ہوئی بولی۔

''ایسی بھی کیا قیامت آ گئی ہے۔ عزیز چھوڑ دے گا۔ یوں بھی یہ بھی نکل رہا ہے' ایک

ضروری کام کے لئے۔ راستے میں تمہیں بھی ڈراپ کر دے گا۔ آ جاؤ شاباش صبح خالی پیٹ رہنا سو بیماریوں کو دعوت دینا ہے۔'' بوا نے چائے بنا کر کپ بڑھایا' تو وہ انکار نہ کر سکی۔ ایک نظر محترم مہمان پر ڈالی' جو دھیان دیئے بغیر بزنس پیج کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اس نے ایک نگاہ ریسٹ واچ پر ڈالی تھی۔ پھر ٹیبل کی جانب بڑھ آئی تھی۔ کھڑے کھڑے ہی کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے سلائس اٹھایا تھا۔

''ارے تمیز سے بیٹھ کر کھاؤ نا.....'' بوا نے ڈانٹا۔

''اوں.....ہوں.....ایسے ہی ٹھیک ہے۔''

اس نے بمشکل ایک سلائس کو ختم کیا' اور چائے کے سپ لیتے ہوئے کپ ٹیبل پر دھر دیا۔ تبھی عزیر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یقیناً وہ اس کی تمام کارروائی دیکھ چکا تھا' اسے جانا اگرچہ اس کے ساتھ تھا' مگر وہ اس سے قبل ہی باہر نکل آئی۔ گلاس ڈور کو تقریباً گھورتے ہوئے اس نے دیکھا تھا۔ ایک .....دو.....تین.....چار.....پانچ.....منٹ ایک ساتھ گزر گئے' مگر وہ جب برآمد ہوا تو وہ ارادہ باندھنے لگی کہ اسے نکل جانا چاہئے' خوامخواہ انتظار کروایا۔ اس نے فوراً قدم بڑھا دیئے۔ بجری کی سرخ روش چلتے ہوئے جانے کیسے اس کا پاؤں مڑا' قریب تھا کہ وہ گر جاتی کہ ایک جست پیچھے تعاقب کرتے شخص نے فوراً اسے تھام لیا۔

''تھینک یو.....!'' وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے اسی قدر کہہ سکی۔

''اٹس او کے.....مگر ایسی بھی کیا جلدی ہے.....'' وہ مسکرایا۔ وہ دیکھتی رہ گئی' تب وہ آگے بڑھ گیا' اور پورچ سے گاڑی نکال لایا۔ وہ جانے کس کیفیت میں گم یکسر بے خبر کھڑی تھی۔ اس نے ایک ساتھ کئی ہارن دے ڈالے' اور تب وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی' پھر جلدی سے گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔

''آپ روز اسی طرح آفس پہنچتی ہیں؟'' گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے اس نے دریافت کیا تھا' اور تب عفاف نے چونک کر دیکھا تھا۔ اس کے لبوں پر بڑی شریر سی مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً اس کی تمام کیفیتوں سے محظوظ ہوتا رہا تھا۔

''جی نہیں!'' وہ اسی قدر کہہ کر آفس کا ایڈریس بتانے لگی تھی' تب عزیز حسن آفندی اس لڑکی کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں' جو پہلی نگاہ میں بہت متاثر کرتے ہیں۔ جیسے وہ اپنے اندر ایک مقناطیسیت رکھتے ہیں' اور بنا کوئی دستک دیئے دل میں گھسے چلے آتے ہیں'

اور دل کے سنگھاسن پر بڑی بان اور شان کے ساتھ براجمان ہو کر حکمرانی کے سارے داؤ پیچ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ یہ تمام باتیں فقط اس کے سننے میں آئی تھیں' مگر ذاتی طور پر وہ یہ سب باتیں نہیں مانتا تھا۔ وہ نہ تو اس غیبی قسم کی مقناطیسی قوت کے کسی اسرار و بھید کو مانتا تھا' نہ ہی کسی کیوپڈ کے تیر کے یکدم چل جانے کو..... بلکہ سرے سے اسے پہلی نظر کی محبت پر یقین ہی نہ تھا۔ وہ ہمیشہ دوستوں کے درمیان بیٹھا' اس موضوع پر لمبے چوڑے لیکچر دیا کرتا تھا۔

''جس شخص کو آپ صحیح طور سے جانتے بھی نہیں..... ڈھنگ سے دیکھ بھی نہیں پاتے..... پہلی ہی نگاہ میں محبت کا شکار کیونکر ہو سکتے ہیں۔ ان کی خوبیاں اور خامیاں آپ کی نگاہ سے یکسر پوشیدہ ہوتی ہیں' اس کی سوچ..... اس کی عادات اس کی سوچ و فکر اس کے اندرونی احساسات کے متعلق جب آپ کچھ نہیں جانتے' تو پھر محبت کا راگ کیونکر' محبت ظاہری قسم کے حسن سے تو نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے پہلی نگاہ میں نظر آنے والی شے بناوٹ سے لبریز ہو۔ مصنوعی ہو' اور پھر پہلی ملاقات میں کوئی کتنا کھل سکتا ہے' پہلی نگاہ میں محبت ناممکن ہے۔ میں نہیں مانتا۔'' وہ کتنی ہی تاویلیں دیتا ہوا یکدم نفی میں سر ہلانے لگتا تھا' اور تب اس کے تمام دوست کھلکھلا کر ہنسنے لگے تھے۔ اوپار محبت اندھی ہوتی ہے۔ یہ بہت کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتی' اور بہت کچھ نہ دیکھتے ہوئے بھی دیکھ لیتی ہے۔ فقط دل کی آنکھوں سے۔'' یاسر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہتا تھا۔

''میں ایسا نہیں سوچتا' یہ ایک روایتی سوچ ہے' جس کا تعلق ہماری عشقیہ کہانیوں مثلاً ہیر رانجھا' لیلیٰ مجنوں' سوہنی مہینوال سے ہے۔ بھئی وہ فقط کتابوں کی باتیں تھیں' جو کتابوں سے نکل کر زبان زد عام ہوئیں' اور حقیقت کا روپ نظر آنے لگیں..... لوگوں کو ان قصوں میں اتنی کشش محسوس ہوئی کہ وہ ان کو سچ کہنے لگے۔''

''مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے..... یہ سچ ہو۔'' عامر کو جانے کیوں اختلاف ہوتا۔

''ہو سکتا ہے اور ہونے میں بہت فرق ہے۔''

ہیر رانجھا..... وارث شاہ کا شاخسانہ تھا' اور رومیو جولیٹ..... شیکسپیئر کی ایک کاوش..... حقیقت فقط صفر۔''

''یعنی تم محبت کو نہیں مانتے۔'' یاسر ہنس کر دریافت کرتا۔

''محبت کو میں مانتا ہوں' مگر پہلی نگاہ کی محبت کو نہیں..... محبت بہت آہستہ آہستہ سر اٹھاتی

ہے۔ یہ دودھ کا ابال نہیں..... پہلی نگاہ میں تو محض آپ کو کوئی اچھا لگ سکتا ہے' یا پھر برا..... محبت آپ کو اس سے قطعی نہیں ہو سکتی۔''

''کسی کا اچھا لگنا ہی تو پہلی اسٹیج ہے۔'' عامر مسکرا کر کہتا ہے۔

''مگر وہ محبت کیسے ہو سکتی ہے؟ پسند تو بہت سی چیزوں کو کیا جاتا ہے' مگر وہ بہت سی چیزیں ہمارے لئے محبت کا درجہ تو نہیں رکھتیں۔ محبت تو سانسوں میں بسنے اور سینے میں دھڑکنے کا نام ہے' بے خود اور مدہوش کر دینے والی کیفیت محبت ہے' پہلی نگاہ میں اچھی لگنے والی شے ہمیں دوسری نگاہ میں بری بھی تو لگ سکتی ہے۔''

'اوپار تیری لوجک بہت مختلف ہے' کم از کم ہم تجھے مطمئن نہیں کر سکتے۔'' یاسر نفی میں سر ہلانے لگتا۔

''ہاں تجھے مطمئن کرے گی ایک دن خود محبت۔''

عامر مسکراتا۔

''وہ کم از کم پہلی نگاہ کی محبت قطعی نہیں ہو گی۔''

وہ نفی میں سر ہلاتا۔

''تو پھر تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہ جائے گا۔''

یاسر ہنستا۔

''یہ تو جب کبھی کیوپڈ محترم کے تیر کا شکار ہوں گے' تو فوراً حفاظتی بند باندھتے ہوئے فرمائیں گے۔

سودا ہے عمر بھر کا کوئی کھیل تو نہیں

اے چشم یار مجھ کو ذرا سوچنے تو دے!

یاسر مسکراتا ہوا بولا تھا' اور اس وقت وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

اور اب بھی جب ان سب باتوں کو لمحہ بھر کو یاد کیا تھا' تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ محبت تو اب بھی نہیں تھی' مگر کوئی پیکر پہلی بار نظروں میں جچا ضرور تھا۔

''عفاف کو گاڑی سے اتر کر اس نے وسیع و عریض رقبے پر پھیلی عمارت کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ بہت دیر تک نگاہ تعاقب میں رہی تھی۔

جب تک وہ عمارت میں داخل نہ ہو گئی تب تک۔

✦◈✦

وہ شام کو چائے کے ساتھ صبح کا اخبار بھی دیکھ رہی تھی' جب رحمت نے آ کر بتایا کہ فاطمہ کا فون ہے' اور تب وہ فوراً ہی اٹھ کر نیچے چلی آئی تھی۔ لاؤنج میں بوا کے ساتھ بیٹھا وہ شام کی چائے کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ وہ قریب سے گزرتی ہوئی فون اسٹینڈ کے قریب جا رکی تھی۔

''ہیلو فاطمہ خدا کا شکر ہے تمہیں میں یاد تو آئی۔''

اس نے پہلا شکوہ یہی کیا۔

''تم مجھے بھولی ہی کب تھیں مس عفاف فریدون خان..... اور تم کیا سمجھتی ہو تم بھولنے والی شے ہو؟''

فاطمہ جواب میں بولی تھی' اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''یہ جملہ کچھ پرانا نہیں ہو گیا۔''

''ہاں مگر کچھ چیزوں اور باتوں کو دہرانا بہت ضروری ہوتا ہے۔''

''میں ابھی سوچ ہی رہی تھی تمہیں فون کروں۔'' عفاف بولی تو وہ ہنس دی۔

''زہے نصیب.....''

''بکو مت..... آئی ایم سیریس۔''

''چلو مان لیتے ہیں' ویسے کیوں آ گئی ہماری یاد.....''

''فاطمہ۔''

''اوکے..... اوکے..... کیا کر رہی ہو اس وقت؟''

''تم سے بات.....!'' وہ مسکرائی۔

''اور آفس؟''

''بہت تھکا دینے والی جاب ہے..... مت پوچھو!''

اس نے حقیقت سے کام لیا۔

''تو کون کہتا ہے کرو..... کونسا کوئی فنانشل پرابلم ہے تمہیں۔'' فاطمہ نے کہا۔

''فاطمہ بعض اوقات کچھ اندرونی مسائل بھی ہوتے ہیں' جو نظر نہیں آتے' مگر وہ نظر آنے والے تمام بیرونی مسائل سے کہیں زیادہ سنگین اور پریشان کن ہوتے ہیں۔''

''تو ضرورت تو ان مسائل کو حل کرنے کی ہے' نا کہ ان مسائل کے ساتھ بہہ جانے کی۔''

''فاطمہ! یہ ایک دوسرا فلسفہ ہے ہم اس پر پھر بحث کریں گے۔ بس تم فوراً آ جاؤ۔''

''خیریت.....؟'' فاطمہ کو جیسے لمحہ بھر کو تشویش ہوئی۔

''سب ٹھیک ہے..... بس یونہی بہت دنوں سے تمہیں دیکھا نہیں ہے نا۔''

''اوہ تو یہ اداسی میری حسین صورت کو دیکھنے کی ہے۔'' فاطمہ شوخی سے مسکرائی۔

''فاطمہ' تم تو جانتی ہو کہ میں تمہارے بغیر ادھوری ہوں۔''

''اوہ..... کہیں میں بے ہوش نہ ہو جاؤں۔''

فاطمہ ہنسی۔

''اب یہ مت کہنا بکواس ہے۔''

''تو تم آ جاؤ نا..... میرا گھر دور تو نہیں۔''

''ہاں دور تو نہیں' مگر تم جانتی ہو' میں کتنی مصروف ہوں۔''

''ایک تو جسے دیکھو وہی اپنی مصروفیت کا ڈھول پیٹتا نظر آتا ہے۔ فارغ تو جیسے میں ہی ہوں۔'' فاطمہ یکدم خفا خفا سے لہجے میں بولی' تو وہ ہنس پڑی۔

''کیوں..... میرے علاوہ اور کس نے کہہ دیا؟'' وہ جان تو گئی تھی' مگر یونہی چھیڑنے کو پوچھا۔

''وہی محترم فہد شیخ۔''

''اچھا.....'' عفاف یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''جب بھی فون کرو..... کچھ کہو..... فوراً جواب آتا ہے' میں بزی ہوں' میں بزی تھا۔ حد ہو گئی۔ یعنی فارغ فقط میں ہی ہوں۔'' فاطمہ شکوہ کناں تھی۔

''تو تم بھی کچھ کر لو۔''

''کر تو لوں' مگر ان مصروف لوگوں کے حصار سے نکلوں تو تب نا..... کمبل ہو کر جکڑ رکھا ہے قسم سے..... ان کی تمام تر مصروفیات مجھے ازبر ہو چکی ہیں' مگر مجھے مکمل یقین ہے اگر کبھی میرا نام ان کے سامنے رکھ کر دریافت کیا جائے گا' تو حیرت سے چونکتے ہوئے پوچھیں گے۔ فاطمہ..... فاطمہ شیخ ہوا زشی.....؟ نام تو سنا ہوا لگ رہا ہے کہیں.....'' اس نے مکمل طور پر تپے

ہوئے انداز میں کہا' تو وہ ہنستی چلی گئی۔

"اٹس ٹو مچ فاطمہ۔ وہ بندہ اتنا لاپروا تو نہیں۔"

"ہاں اتنا نہیں' مگر اس سے بہت زیادہ ضرور ہے....." فاطمہ کو جانے کس بات پر غصہ تھا۔

"فاطمہ دماغ ٹھنڈا رکھو۔ وہ واقعی بہت نفیس بندہ' ہے اور اہم ترین بات یہ کہ وہ تمہارا فیانسی ہے۔"

"ہاں..... یہ سب سے بڑی اور ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔" فاطمہ نے جیسے اقرار کر لیا۔

"او کے تم آؤ' پھر اس پر بات کرتے ہیں۔"

"ابھی تو نہیں آؤں گی۔ آج ان محترم کے ساتھ پزاہٹ کی کمٹمنٹ ہے۔ دعا کرو ان کو یاد رہ جائے۔"

"میں تمہارے لئے دعا کرتی ہوں۔"

"تھینک یو..... میں پرسوں آؤں گی..... ویک اینڈ پر..... رات رہوں گی خوب باتیں کریں گے۔"

"او کے....." اس نے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہا' اور پھر جو پلٹی تو اس شخص کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر لمحہ بھر کو جیسے ساکت رہ گئی۔ وہ جب یہاں آئی تھی' تو وہ بوا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا' اور اب' جانے کب سے وہ بیٹھا اس کی جانب اسی زاویئے سے تک رہا تھا۔ اس کی نگاہ لمحہ بھر کو ٹکرائی تھی' اور جانے کیا تھا اس کی نگاہ میں کہ وہ فوراً ہی نگاہ پھیر کر قریب سے گزرتی ہوئی زینہ چڑھنے لگی تھی۔

✦ ◈ ✖

فاطمہ نے آنے کا فون کر دیا تھا' اور وہ اس کے انتظار میں بیٹھی کارٹون دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں آ کر بولا۔

"بیٹھ سکتا ہوں؟"

"جی' بیٹھ سکتے ہیں۔"

"شکریہ.....!" وہ اخلاقاً! بولا یقیناً وہ بوا کا خیال کرتے ہوئے اس سے بات چیت کر رہی تھی۔ ورنہ وہ اتنی ریزرو تھی کہ بمشکل ہی کسی سے جلد بے تکلف ہوتی تھی' مگر اب بات بوا کی بھی تھی۔ وہ بوا کا مہمان تھا' اور وہ نہیں چاہتی تھی بوا کو کسی قسم کی شکایت کا موقع ملے' یا پھر بوا سے وابستہ کوئی اور فرد اسے غیر مہذب تصور کرے کہ وہ جب خود سے اس کے پاس آن بیٹھا تھا' تو پھر وہ کسی طرح سے اگنور کر سکتی تھی۔

تبھی چونک کر دیکھنے لگی' پھر جب گلاس ڈور کھول کر فاطمہ اندر داخل ہوئی' تو وہ ریموٹ ایک طرف رکھ کر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کتنی دیر کر دی تم نے....." اس نے وش کرنے کے بعد پہلا شکوہ یہی کیا۔

"پاپا نے گاڑی بھجوانے میں دیر کر دی تھی۔" بتانے کے ساتھ یکدم اس اجنبی شخص پر نگاہ پڑی' جو اس کی جانب پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

فاطمہ اس کی جانب ایک نگاہ ڈالتی ہوئی' عفاف کی جانب دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں قدرے شوخی تھی۔

"یہ موصوف کون ہیں.....؟"

"عزیر صاحب بوا کے مہمان ہیں۔ اسلام آباد سے آئے ہیں۔" عفاف فریدون خان نے مختصر تعارف کرایا۔

"مجھے نہیں ملواؤ گی.....؟" فاطمہ مسکرائی....."ویسے پرسنالٹی تو بہت ڈیشنگ ہے' اور عفاف کو مجبوراً قریب سے گزرتے ہوئے اس لمحے یکسر نظر انداز کر کے اوپر چلے جانا قطعی اچھا نہ لگا' وہ رکھ رکھاؤ کے تمام لوازمات نبھانا جانتی تھی' تبھی فاطمہ کو لے کر اس کے قریب رک گئی۔

"یہ فاطمہ ہے.....میری بہترین دوست۔"

"السلام علیکم.....کیسی ہیں آپ؟" وہ فاطمہ سے رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے دریافت کرنے لگا۔

"پریٹی فائن اور آپ.....؟" فاطمہ نے جواباً پوچھا۔

"آپ کے سامنے ہوں۔" وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرادیا۔ فاطمہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ تو خاصے دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔" فاطمہ کو جیسے بے انتہا خوشی ہوئی۔

"شکریہ.....!" وہ بہت احترام سے بولا۔

"بوا کہاں ہیں؟" فاطمہ اس سے پوچھنے لگی۔

"وہ ذرا بازار تک گئی ہیں۔" عفاف نے آگاہ کیا۔

"عزیر صاحب آپ کو اس سے قبل نہیں دیکھا؟" فاطمہ اوپر جانے کا خیال ترک کر کے وہیں عزیر حسن آفندی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کیونکہ آج سے پہلے میں یہاں تھا ہی نہیں۔"

عزیر حسن آفندی نے مسکرا کر جواب دیا تو وہ ہنسنے لگی۔

عفاف نے اسے مکمل توجہ سے اس شخص سے مخاطب دیکھا' تو رات کے کھانے پر اہتمام کی غرض سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ پھر جب وہ کچن میں بہت سے کام نمٹا کر باہر آئی' تو بوا بھی آچکی تھیں' اور فاطمہ اپنی دوستانہ طبیعت کے ساتھ مسلسل ہنستے ہوئے ان دونوں سے باتوں میں مصروف تھی۔

"کھانا بن گیا؟" بوا نے دریافت کیا۔

"ہوں.....تقریباً تیار ہے....." اس نے سر ہلایا' تبھی فاطمہ بولی۔

"عفاف آؤ نا.....کتنی دلچسپ گفتگو ہو رہی ہے عزیر حسن آفندی سے۔"

وہ سر اٹھا کر یکدم ہی عزیر حسن آفندی کی جانب دیکھنے لگی۔

تبھی بوا بولیں۔

"لو یہ تو ایک بہت پرانی کہاوت ہے۔ عورت ایک پہیلی ہے' جسے نہ کوئی سمجھ سکا ہے' نہ سمجھ سکے گا۔"

"ارے بوا تو آپ بھی اس سے ایگری کرتی ہیں۔"

فاطمہ مسکرائی۔ "یس عزیر صاحب یہ ووٹ بھی آپ کے حق میں گیا۔"

"یہ بات تو حقیقت پر مبنی ہے۔" بوا بولیں۔

"پھر بھی اس سے کوئی حقیقت تو منسوب ہوگی؟"

فاطمہ کو یکدم تجسس ہوا۔

"خیر اتنا تو مجھے علم نہیں' مگر ایسا ہے ضرور....." بوا بولیں تبھی اسے مداخلت کرنا پڑی۔

"بوا کھانا لگا دوں۔"

"ہوں!" اور وہ مڑ کر کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

پھر کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ فاطمہ حسبِ معمول ہنستی رہی' ہنساتی رہی' اور اسے دیکھتے ہوئے عفاف سوچتی رہی کہ یہ لڑکی زندگی جینے کے فن سے کس قدر واقف ہے۔ عفاف نے اس لمحے واک کا مشورہ دیا تو وہ مسکرادی۔

"بہت خوب.....مگر واک نہیں لانگ ڈرائیو.....کیوں عزیر صاحب؟"

اور اس لمحے وہ یکدم ہی اس کی جانب دیکھنے لگا تھا' اور اس لمحے وہ نگاہ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بولا۔

"عفاف سے معلوم کر لیجیے۔"

"ارے یہ انکار نہیں کر سکتیں۔" کیوں عفاف فریدون خان؟ فاطمہ نے اس لمحے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ فقط دیکھ کر رہ گئی تھیں' اور پھر مجبوراً وہ ان لوگوں کے ساتھ نہ صرف لانگ ڈرائیو پر گئی تھی' بلکہ واپسی پر آئسکریم بھی کھائی' اور اس لمحے وہ جب فاطمہ کو اس شخص کے ساتھ مسلسل ہنستے' مسکراتے اور باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی' تو اس شخص کی نگاہیں جانے کیوں اسے خود پر ہمہ وقت ٹکی اور کچھ کہتی لگیں' اور تب وہ ہر بار نظر انداز کرتی چلی گئی تھی۔

پھر جب وہ رات سونے کے لئے کمرے میں آئی' تو فاطمہ اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ عزیر حسن آفندی تو خاصا دلچسپ بندہ ہے۔"

"ہوں....." اس نے فقط سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"لگتا ہے تمہیں اس کی آمد پسند نہیں آئی۔"

فاطمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا دردِ سر نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"اتنے عرصے دیارِ غیر میں بسنے کے باوجود اس کی سوچ بہت حد تک فطری اور ٹریڈیشنل ہے' کہہ رہا تھا گوری میموں سے اس لئے نہ بن سکی کہ کسی بہت معصوم اور فطری من کی تلاش تھی۔" فاطمہ بتا کر ہنسنے لگی۔ پھر اس پر نگاہ پڑی تو چونک گئی۔

"ویسے تم بھی خاصی معصوم اور مشرقی حسن کی مالک ہو۔"

"فاطمہ.....؟" عفاف نے گھورا۔

"اوکے.....مگر پھر بھی سوچنے میں کیا حرج ہے.....بندہ برا نہیں۔"

"فاطمہ میں نے تمہیں یہاں اپنے لئے بلایا ہے۔" اسے جانے کیوں اس شخص کے ذکر سے وحشت ہونے لگی۔

"ہاں تو میں ہوں نا تمہارے ساتھ' تمہارے پاس۔" فاطمہ مسکرائی۔

"مگر مسلسل اس شخص کی قصیدہ خوانی کرتی ہوئی۔" عفاف کو برا سا منہ بناتے دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔

"تو اس میں جلنے والی کیا بات ہے۔ وہ ہے ہی اس قابل۔ ویسے مجھے نہیں علم تھا کہ تم جیلسی بھی فیل کر سکتی ہو۔"

"فاطمہ! میں کسی سے جیلسی فیل نہیں کر رہی' اور اگر تم نے مزید کوئی بات اس شخص کے متعلق کہی' تو میں تمہیں اٹھا کر باہر رکھ آؤں گی۔" وہ تپے ہوئے لہجے میں بولی تھی' اور فاطمہ حسبِ عادت کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"اوکے.....آؤ اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔"

اس نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"تمہاری آج کی ساری اچھی باتیں ان محترم عزیر حسن آفندی سے شروع ہو کر انہیں پر ختم ہو رہی ہیں۔"

"اوں.....ہوں.....ہم اچھی باتیں کرتے ہیں۔" فاطمہ مسکرائی۔ "یہ بتاؤ زندگی کے لئے تمہارے کیا پلانز ہیں۔ آئی مین اپنے مستقبل سے متعلق۔"

"فاطمہ۔" اس نے تکیہ کھینچ مارا تھا۔ اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

✦ ◈ ✦

"پھر صبح جب وہ دونوں سو کر اٹھیں' تو بوا نے سب سے پہلی اطلاع یہی دی کہ محترم عزیر حسن آفندی صبح کی فلائٹ سے واپس جا چکے ہیں' اور اگرچہ اس میں کہیں بھی قصور عفاف کا نہ تھا' مگر اس لمحے یکدم ہی فاطمہ اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"اسے میں نے قطعی واپس جانے کے لئے نہیں کہا تھا۔" اس نے سلائس پر بٹر لگاتے ہوئے کہا۔ "مگر میں تمہارا انداز سمجھ گئی تھی۔"

"ہوں.....واقعی....." فاطمہ بولی تھی' اور تبھی وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"اس کے بارے میں اب کوئی بات نہیں۔"

"یہ تمہیں اس سے بیر کیوں ہو چلا ہے؟" فاطمہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے مسکرا کر دریافت کیا تھا۔

"اور اس نے کوئی جواب دیئے بغیر.....ڈان کے مین پیپر پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دی تھیں۔

بوا فاطمہ کے لئے ہاف فرائی انڈا لائی تھیں' اور تبھی وہ ان سے پوچھنے لگی تھی۔ "عزیر صاحب اتنی جلدی چلے گئے۔"

"مرضی کا مالک ہے بیٹا.....یونہی خود ہی چلا آیا تھا۔ شاید کوئی کام تھا' اور نمٹ گیا تھا۔ اس نے واپسی کے لئے قدم اٹھا لئے' نہ آیا بطور خاص ملنے تھا' نہ ہی رہا بطور خاص! شاید ابھی اس کی اتنی جلد واپسی پر خائف تھیں۔ تبھی بولی تھیں اور وہ اس لمحے فاطمہ کو دیکھنے لگی تھیں۔ چند لمحوں کی ہی رفاقت میں جانے کیسا جادو پھونک دیا تھا اس شخص نے۔

"فاطمہ! تمہاری چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

اس نے احساس دلایا' تو وہ مسکرا کر دیکھنے لگی' تبھی بوا شاید اپنے کمرے میں چلی گئیں تو

فاطمہ بولی۔

''عفاف تمہیں نہیں لگتا..... زندگی بہت بے ربط سی جا رہی ہے۔ اس میں کسی تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔''

عفاف نے چائے کے سِپ لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا' پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''پتہ نہیں..... زندگی مجھے سدا ہی ایک گمبھیر سرگوشی لگی ہے' جسے نہ کبھی میں سمجھ پائی' اور نہ ہی ڈھنگ سے سن پائی.....''

''تم سمجھ اس لئے نہیں پائی کہ تم نے کبھی ڈھنگ سے اسے سنا ہی نہیں!'' فاطمہ نے باور کرایا۔

''ہوں..... شاید میری سماعتیں معذور ہیں۔'' وہ ہنس دی۔

''میں مذاق نہیں کر رہی۔'' فاطمہ کو اس کے انداز سے وحشت ہونے لگی۔

''میں بھی مذاق نہیں کر رہی فاطمہ سیریس ہوں۔ صدفی صد..... میں واقعی کسی آواز کو سن نہیں سکتی۔ ہر آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے' اور میں اس لمحے بہت توجہ لگا کر سننے کی کوشش کرتی ہوں۔ اپنی آخری حد تک..... انتہک محنت صرف کرتی ہوں' مگر مجھے کچھ نہیں سنائی نہیں دیتا' اور تب میں تھک کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی ہوں' کیونکہ میں ان مسلسل آتی ہوئی آوازوں سے اس حد تک ڈسٹرب ہونے لگتی ہوں کہ میری رگیں تن جاتی ہیں' اور اس لمحے مجھے بہتر یہی لگتا ہے کہ میں اپنے کان بند کر لوں اور خود کو ریلکس کروں۔''

''مگر یہ تو فرار ہوا..... زندگی جب کوئی سرگوشی کرتی ہے' تو اسے بغور سننا چاہئے' ہو سکتا ہے تم نے کبھی اپنی بھرپور قوت ارادی ہی استعمال نہ کی ہو۔''

فاطمہ بولی' تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس دی۔

''تم میرے لئے پریشان مت ہو' میں بہت خوش ہوں۔''

''اس گونگی بہری زندگی کے ساتھ..... جس میں چاہتے ہوئے بھی تم بول نہیں سکتی' اور چاہتے ہوئے بھی سن نہیں سکتیں۔''

''ہاں۔'' عفاف کا اطمینان قابل دید تھا' اور اس لمحے فاطمہ کا دل چاہا تھا کہ اس دھان پان سی لڑکی کو پکڑے اور گھماتی ہوئی بہت دور اچھال دے۔

''عفاف فریدون خان۔'' بہت ضبط کرتی ہوئی وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔

''تم مجھے گھما کر بہت دور پھینک دینا چاہتی ہو نا اس وقت۔'' وہ جیسے اس کی تمام تر سوچوں کو پڑھتی ہوئی محظوظ ہوتے ہوئے بولی تھی' اور فاطمہ گھورنے لگی تھی۔ بنا حیرت کا اظہار کئے کہ اس نے اس کی سوچ کو کس طرح پڑھا۔

عفاف! تم نے اب مجھے مزید تنگ کیا تو میں تمہیں واقعی گھما کر بہت دور اچھال دوں گی۔

''اور اس کے باوجود اگر مجھے کچھ نہ ہوا تو۔''

''تو پھر میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہارا گلا دبا دوں گی۔'' فاطمہ نے کہا' تو وہ اسی اطمینان کے ساتھ مسکراتی رہی۔

''تم بدل کیوں نہیں جاتیں عفاف..... زندگی ایک ہی نکتے پر رک جانے کا نام تو نہیں۔''

''ہاں میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ زندگی تو ایک تسلسل کا نام ہے' اور دیکھو میں جی بھی رہی ہوں' مگر ہر کوشش کے باوجود' لگتا ہے جیسے زندگی تھم کر رہ گئی ہو' جیسے ایک ہی نکتے پر جم گئی ہو' اور جیسے سارے اردگرد کے منظر برف ہو گئے ہوں۔ میں کوشش کرتی ہوں سانس لینے کی' مگر دھڑکنیں جیسے برف ہونے لگتی ہیں اور.....''

''عفاف! تم اپنے ساتھ مجھے بھی پاگل کر دو گی۔''

فاطمہ کو جیسے وحشت سی ہونے لگی' مگر وہ ہنسنے لگی۔

''تمہیں مجھ سے خوف آ رہا ہے۔''

''نہیں..... میں تمہیں ڈرانے کی استطاعت رکھتی ہوں' عفاف مگر پلیز انسانوں کی طرح جینا شروع کر دو..... پلیز۔''

''مثلاً کیا کروں..... کیسے پگھلے گی میرے اردگرد کی یہ برف؟''

''کسی کی قربت تلاش کرو..... کسی اچھے ہمسفر کا ساتھ' سنا ہے محبت بڑے بڑے گلیشیر پگھلانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔'' فاطمہ شرارت سے مسکرائی' تو وہ گھور کر رہ گئی۔

''میں تمہاری خباثت سمجھ چکی ہوں' مزید کچھ مت بولنا۔''

''حرج کیا ہے..... سوچو تو سہی۔''

''فاطمہ! میں پاگل نہیں ہوں تمہاری طرح۔''

اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مجھ جیسی عقل مند کہو۔" اس نے جتایا۔

"تمہارے ہاں عقل سے پیدل چلنے والوں کو عقل مند کہا جاتا ہے۔" اس نے ہا
مذاق میں اڑانا چاہی۔

"میں نہیں جانتی' مگر ہم ایک اہم موضوع پر بحث کر رہے ہیں۔" فاطمہ نے یاد دلایا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ یہ وقت کا زیاں ہے۔"

"تمہیں تو ہر بات وقت کا زیاں لگتی ہے۔" فاطمہ چڑ کر بولی۔

"زندگی کو میں نے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ جو ہونا ہوگا ہو جائے گا۔"

"مگر عفاف اس طرح زندگی بوجھ ہو جاتی ہے۔"

"بوجھ ہی تو ڈھو رہی ہوں۔" وہ ہولے سے مسکرائی پھر بولی۔ "گھر فون کر کے بتا دو تم آج رات بھی یہیں رہو گی۔" کل ہم شاپنگ کے لئے جائیں گے۔ عفاف نے کل کا پروگرام مرتب کرتے ہوئے اچانک اسے آگاہ کیا۔

"کیا مطلب تم کل آفس نہیں جاؤ گی۔"

"اوں.....ہوں.....کل ہم چھٹی منائیں گے....." وہ مسکرائی۔

"اور فہد شیخ کا کیا ہوگا؟ اسے کون سمجھائے گا۔"

"تم بے فکر رہو.....ملنے کی چاہت ہوگی' تو کچی ڈور سے بندھے سرکار چلے آئیں گے۔

✦ ◈ ✦

دوسرے دن انہوں نے پروگرام کے مطابق بہت سی شاپنگ کی' میکڈونلڈز میں ساتھ لنچ کیا' اور پھر جب وہ دونوں گھر لوٹیں تو فہد شیخ کچی ڈور سے بندھا آ چکا تھا۔

"ارے تم تو واقعی....." اسے سامنے بیٹھا دیکھ کر عفاف قدرے حیرت سے ہنس پڑی تھی۔

"کیا مطلب.....؟" وہ جیسے کچھ نہ سمجھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا تھا' اور کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"تھکا دیا اس لڑکی نے آج تو....." فاطمہ بہت سے پیکٹ وہیں صوفے پر ڈال

ہوئے فہد کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"یہ سال بھر کی شاپنگ تم نے ایک ساتھ کر ڈالی ہے۔" فہد ان پیکٹس کی جانب دیکھتا ہوا حیرت سے بولا' تو وہ دونوں مسکرا دیں۔

"ہاں یہی سمجھو۔" فاطمہ نے سینڈل سے پاؤں آزاد کئے۔

"پتہ ہے کتنی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ ایک تو تم تمام خواتین کو جانے اتنے عجیب قسم کے شوق کیوں ہیں۔" فہد نے انہیں چڑاتے ہوئے کہا۔

"مثلاً خود کو اچھا بنانے کے لئے پریشان.....شاپنگ کے لئے کریز کبھی ختم نہیں ہوتا' بلکہ ایک تازہ ترین ریسرچ سے پتہ چلا ہے کہ شدید ترین تھکن کے باوجود بھی خواتین جہاں جانے کیلئے ہمیشہ تیار ملیں گی' تو جواب تھا پارلر اینڈ مارکیٹ اور شاپنگ سینٹر۔"

"فہد.....! فار گاڈ سیک.....دن کی روشنی میں تو کم از کم اتنے جھوٹ مت بولا کرو۔" فاطمہ جیسے قطعی متاثر نہ ہوئی۔

"فاطمہ مائنڈ اٹ.....جھوٹ بولنے کے لئے اندھیرے کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔"

"تم نے کچھ کھایا پیا بھی ہے یا۔" عفاف نے بحث ختم کرنے کے خیال سے پوچھا۔

"وہ بوا صاحبہ خاصی نیک اور رحمدل خاتون ہیں۔"

وہ جواباً مسکراتے ہوئے بولا۔ فاطمہ نے اسے ٹوکا۔

"تمہیں میری یاد کیسے آ گئی؟" فاطمہ کو حیرت ابھی تک تھی۔

"یاد وادد نہیں آئی.....وہ تو میں یہاں سے گزر رہا تھا' تو یاد آ گیا کہ عفاف سے ملتا ہوں۔ مجھے کیا پتہ تھا' تم بھی یہیں ہو۔" فاطمہ جیسے تپ گئی' مگر وہ ہنسنے لگا۔

"عفاف تبھی اٹھ کر کچن کی سمت روانہ ہو گئی' کہ ان موصوف کی کچھ خاطر مدارت بھی کی۔

پھر جب فاطمہ شام میں واپس لوٹ گئی' تو جیسے یکدم ہی اسے اپنے اردگرد خاموشی کا بڑا احساس ہوا' کل پرسوں سے جیسے ہر طرف گہما گہمی تھی اور وہ خود باور کرانے کے لئے بار بار احساس دلا رہی تھی کہ "گھر والوں کو گھروں کو لوٹنا ہی تھا' اور وہ خود۔"

"مگر کچھ مسافر راہوں میں بھٹکتے بھی تو رہتے ہیں۔"

"بے نشان راستوں پر۔"

وہ سیڑھیوں پر یونہی گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔

جب فون کی تسلسل سے ہوتی بیل نے اسے جھنجوڑ دیا' وہ بادل نخواستہ اٹھی' اور فون اسٹینڈ تک آئی۔

''ہیلو.....میں عزیر حسن آفندی۔'' اس کے کچھ نہ بولنے پر دوسری جانب جانے کیا سمجھا گیا' کہ جواب میں اپنا تعارف پیش کر دیا گیا۔

''ہیلو.....جی ہولڈ کیجئے.....میں بوا کو بلاتی ہوں۔''

وہ ابھی ریسیور رکھنے ہی والی تھی' جب دوسری جانب سے دریافت کیا گیا۔

''آپ عفاف ہیں؟''

''ہوں.....''

''کیسی ہیں آپ؟''

''بالکل ٹھیک۔'' وہ جواب دے کر لمحہ بھر رکی' پھر شاید اخلاقاً پوچھنے لگی۔ ''اور آپ.....؟''

''کیا میں.....؟'' وہ جانے کیوں ہنس دیا۔ حالانکہ عفاف کا سوال بہت واضح تھا۔

''آپ کیسے ہیں؟'' عفاف نے دوبارہ ایک رسمی سوال مکمل طور پر دہرایا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''ہولڈ آن۔ میں بوا کو بلاتی ہوں.....'' اس سے قبل کہ عزیر حسن آفندی کچھ اور دریافت کرتا' یا جواب میں کچھ کہتا.....وہ فوراً ہی ریسیور رکھ کر بوا کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی' پھر ان کو فون کے متعلق بتا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ لمحہ بھر کو اپنے سر درد پر کچھ عجیب سا احساس ہوا پھر وہ سر جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے ایسے لگا جیسے دو نظریں اس کے تعاقب میں لگی رہتی ہیں۔

ہو سکتا تھا یہ فقط اس کا وہم ہو' مگر اس گھڑی وہ جانے کیوں رخ پلٹ کر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیتی تھی' اور بھاگتی چلی جاتی تھی' اور آخر کار تھک کر گر جاتی تھی۔

وہ جانے کیوں ہارنے سی لگی تھی.....

اس شخص کی سوچ جیسے پل پل اس کا تعاقب کرنے لگی تھی۔

وہ خود حیران تھی۔

وہ سر جھٹکنے لگتی تھی' مگر ہر کوشش جیسے بیکار ہو جاتی تھی۔ اس کے وجود کی برف جیسے لمحہ لمحہ پگھلنے لگی تھی۔ اسے یکدم ٹینشن کا احساس ہونے لگا تھا۔

کیسے اور کیونکر ہوا تھا' وہ خود حیران تھی۔

اور اس دن بھی جب وہ ایسی ہی بہت سی سوچوں کو جھٹکتی ہوئی سر نفی میں ہلا رہی تھی' جب وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

اور تب وہ بے حد چونک کر سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔

''میرا خیال ہے تم کوئی عمل کر رہی ہو.....میں مخل تو نہیں ہوا؟'' اسے چھیڑنے کی غرض سے یقیناً وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ مگر وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ ہولے سے اٹھی تھی' اور وہاں سے نکل جانا چاہا تھا' مگر اس نے تبھی اس کا ہاتھ جانے کیسے تھام لیا تھا۔ وہ پلٹ کر حیرت سے تکنے لگی تھی۔ تبھی وہ کچھ دیر تک خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا' پھر مسکرا دیا تھا۔ اس کی پلکیں جانے کیوں جھکتی چلی گئی تھیں۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تم تمام طرح کے احساسات اور سوچوں سے چھٹکارا پا لو گی؟'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے پُر یقین لہجے میں بولا تھا' اور وہ تب کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

اور اس سرد سی شام میں اس نے عفاف کا ہاتھ دھیرے سے تھام لیا تھا۔

''آؤ واک کریں۔'' اور اس وقت وہ جیسے ایک معمول کے تحت چل پڑی تھی' کتنی ہی دیر تک وہ یونہی خاموشی سے چلتے گئے اور آخر کار وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''آپ واقعی خاموش ہیں' یا میں ہی آپ کو سن نہیں پا رہا.....؟'' اور اس سوال پر جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''میں مکمل طور پر چپ ہوں۔'' دوسرے ہی پل وہ لب بھینچ گئی تھی۔

''اچھا.....مگر جانے کیوں مجھے لگا' جیسے آپ بول رہی ہیں کچھ.....'' وہ شاید اپنے اور اس کے درمیان حائل خاموشی کے اس تسلسل کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا تھا' مگر وہ کچھ کہے اور کہے بغیر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

''شام خوبصورت ہے نا.....؟'' وہ جیسے اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

''ہوں۔''

"ہم دونوں ساتھ ساتھ ہیں شاید اس لئے۔"

"ہوں۔" وہ روانی میں کہہ گئی' پھر حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ جانے کیوں اس لمحے مسکرا دیا۔ وہ اس کی جانب تب جانے کیوں دیکھ نہ سکی اور سر جھکا گئی' اور یونہی چلتے ہوئے اپنے قدموں کو دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے ہم بہت آگے نکل آئے ہیں' ہمیں واپس چلنا چاہئے' شام بھی گہری ہو رہی ہے۔"

اس نے عزیر حسن آفندی کو مطلع کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے..... راستوں پر اتنے آگے جا کر واپس پلٹا جا سکتا ہے کیا؟" وہ مسکراتا ہوا بول گیا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"پتہ نہیں' مگر سنا ہے واپسی کے سفر بڑے جان لیوا ہوتے ہیں۔ کبھی مرحلے سخت جان کسل' پُر درد اور رگوں میں خون منجمد کر دینے والے دشوار۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بولی۔

"پلٹنا پڑتا ہے' کبھی دانستہ' اور کبھی نادانستہ' کبھی چاہتے ہوئے اور کبھی نہ چاہتے ہوئے۔"

"منزل سامنے دو قدم پر نظر آ رہی ہو تب بھی؟"

عزیر حسن آفندی کا لہجہ جیسے بازگشت کو سنتی رہی' پھر جیسے تمام خوش گمانیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے سر جھٹک دیا۔

"پتہ نہیں' کیا پتہ سب سراب ہو..... نظر کا دھوکہ' کوئی خواب..... کوئی حسین دلکش..... مدہوش کر دینے والا ایسا احساس جو درحقیقت سچ پر مبنی ہی نہ ہو..... آنکھ کھلے تو لگے۔ سب منظر فقط فریب تھے۔"

"وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی' مگر اسی لمحے اس نے اس کے نازک ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا سارے خواب کے منظر سچے بھی ہو جائیں' جسے دھوکہ یا فریب سمجھا جا رہا ہے' وہ درحقیقت خواب یا سراب نہ ہو..... حقیقت کا ہی ایک حصہ ہوں' ایک اٹل وجود رکھنے والی حقیقت۔" فقط دیکھنے والے کے محسوسات اسے سراب اور خواب سمجھ رہے

ہوں' اور جب آگے بڑھ کر چھونے کا موقع ملے تو وہ خواب اسے حقیقت کا روپ ملے۔"

وہ باور کراتے ہوئے گویا ہوا' مگر اسی لمحے اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پتہ نہیں....." اور پھر پلٹ کر اس نے واپسی کے لئے قدم اٹھانا شروع کر دیئے۔

✦ ◈ ✦

"ہونا ہو محترمہ عفاف فرید ون خان وہ بندہ دل و جان سے تم پر فریفتہ ہو چکا ہے۔"

فاطمہ نے پاپ کارن کھاتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا' تو وہ بہت حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ دل جانے کیوں یکدم ہی زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"تمہاری احمقانہ سوچ ہے مس فاطمہ۔ ضروری نہیں کہ ہر بات کا مقصد ان عام قسم کے دو تین حرفوں سے بندھے لفظوں پر ہی منحصر ہو۔ زندگی کا مفہوم اس سے بہت الگ اور ہٹ کر بھی ہے۔"

"ہاں....." فاطمہ یکدم ہنسنے لگی۔"

"واقعی ضروری تو نہیں وہ دو تین لفظوں پر مشتمل عام سا جذبہ محبت عشق' پیار' تو ہی ہو..... وہ اس سے بڑھ کر عقیدت بھی تو ہو سکتی ہے۔" اور تب عفاف دیکھ کر رہ گئی تھی' تبھی وہ بولی تھی۔

"بھاگتے بھاگتے تھک کر گر جاؤ' یا رک جاؤ تو پلٹ کر دیکھنا تمہارے پیچھے کتنی بڑی سچائی بھاگ رہی تھی۔" فاطمہ کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

اور عفاف اس وقت واقعی جیسے کچھ کہنے کے قابل نہ رہی تھی۔ فاطمہ اس کی اڑی اڑی رنگت کو دیکھتے ہوئے جانے کیوں ہنسنے لگی تھی۔

"یہ تمہارے چہرے کی رنگت کیوں متغیر ہو رہی ہے۔ میں نے آپ سے فقط تذکرہ کیا ہے۔"

اور اس لمحے اس نے فاطمہ کو مکمل خطرناک تیوروں کے ساتھ گھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں۔" فاطمہ مسکراتے ہوئے قدرے سنجیدہ ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟"

"مجھے کسی قسم کا کوئی ڈر نہیں ہے' میں واقعات کو دہرانا نہیں چاہتی۔"

"ضروری تو نہیں عفاف سب کچھ ویسا ہی ہو' جیسا تم نے سوچا ہے۔ بہت کچھ اس سے ہٹ کر بھی ہو سکتا ہے۔" فاطمہ جیسے اس کی سوچ بدلنے پر مصر تھی۔

"ہاں..... مگر میں کسی بات پر یقین کرنا نہیں چاہتی۔"

وہ بولی تو فاطمہ سر ہلانے لگی۔

"ویسے تنہائی میں کبھی تجزیہ کرنا' وہ شخص کچھ خاص برا بھی نہیں ہے' اور ہو سکتا ہے وہ واقعی گرفتار محبت ہو چکا ہو..... تم اپنے خوبصورت بال بھی تو اکثر کھلے ہی رکھتی ہو' کیا پتہ محترم کا گستاخ قسم کا دل کہیں اُڑ ڈوکر انہی میں اٹک گیا' ہو اور تمہیں خبر ہی نہ ہوئی ہو۔"

"فاطمہ! زندگی کوئی لطیفہ نہیں ہے۔"

"ہاں واقعی میں تم سے اتفاق کروں گی' کیونکہ میں نے بہت عرصہ قبل ایک لطیفہ پڑھا تھا' جس میں یہ انکشاف موجود تھا کہ "لطیفہ" "لطیف" کی بیوی کو کہتے ہیں۔" فاطمہ اتنے مضحکہ خیز انداز میں بولی کہ وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"آئی سی..... تو واقعی وہ لطیفہ درست تھا؟" وہ اس کی حس مزاح پر اس قدر کہہ سکی تھی' مگر فاطمہ مسکرانے لگی تھی۔

✦ ◈ ✦

وہ سات آٹھ برس کی تھی' جب پاپا کا انتقال ہو گیا' شاید ماما نے اس کی ذات کی کسی کمی کو پورا کرنے اور اسے احساس کمتری سے بچانے کے لئے' اور ایک سایہ مہیا کرنے کو پاپا کے ایک دوست سے دوسری شادی کر لی۔ عبداللہ انکل اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ اس وقت بڑی نہ تھی' بہت سمجھدار نہ تھی' مگر جانے کیوں اسے عبداللہ انکل کا رویہ بہت سطحی سا لگتا' جیسے فقط وہ پوز کر رہے ہوں' بہر حال جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی' وہ اس حقیقت کو بہت حد تک قبول کرتی گئی۔ اس نے عبداللہ انکل کے وجود کو تسلیم کر لیا تھا۔ ایک سوتیلے باپ کے روپ میں' مگر ان کے لئے اس کے دل میں کوئی بھی جذبہ نہ تھا' اس نے بارہا خود کو ٹٹولا تھا' مگر نہ محبت نہ نفرت۔"

اسے خود سے کبھی بھی کسی طرح کا کوئی جواب نہ ملا تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ وہ ابھی تک پاپا کو بھول ہی نہیں پائی تھی' اور شاید ایسا ہی کچھ ماما کے ساتھ

بھی تھا' بظاہر دنیاوی زندگی کے لئے اور سوشل لائف گزارنے کے لئے انہوں نے ایک رشتہ باندھ تو لیا تھا' مگر شاید ان کے دل میں بھی فریدون خان کی محبت اب تک اپنی جڑیں مضبوطی کے ساتھ گاڑے ہوئے تھی۔ تبھی تو ان کی جدائی میں وہ کینسر جیسے خطرناک مرض کا شکار ہو گئی تھیں۔ عفاف کو ماما سے بہت محبت تھی' وہ پاپا کے بعد ان کو کھونا قطعی نہیں چاہتی تھی' مگر خدا کو جو منظور ہوتا ہے' اس سے قطعی طور پر بھی انسان منکر نہیں ہو سکتا۔ ماما جب پاپا کی طرح اسے چھوڑ کر گئی تھیں' تو بہت دنوں تک وہ سکتے کی کیفیت سے باہر ہی نہ آ سکی تھی۔ عبداللہ انکل کی چونکہ ماما کے ساتھ سیکنڈ میرج تھی' لہٰذا وہ پہلے کبھی کبھار ہی یہاں آتے تھے' مگر شاید اس کے تنہا ہونے کے خیال سے' اور ذہنی کیفیت کے پیش نظر وہ ان دنوں وہیں پر رک گئے تھے' اس کا اعتماد ان پر بحال ہو چکا تھا' وہ ان کی معترف ہونے والی تھی' ان کی اچھائی کی کہ شام میں ہی وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بہت محبت سے کہہ رہے تھے۔

"تم خود کو غیر محفوظ نہ سمجھو میں ہوں ناں" اور تب وہ بنا کچھ بولے ان کی جانب بھیگی بھیگی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی' اور پھر ان پر اعتبار کرتی ہوئی وہ ان کے شانے پر سر رکھتے ہوئے رونے لگی تھی' اور تب اسے گمان تک نہ تھا کہ یہی اعتماد سوچنے والا ڈیسنٹ سا شخص اس کے اس اعتماد کو نہ صرف توڑے گا' بلکہ وہ اپنی سطح سے اتنا گر بھی جائے گا' کہ وہ خود اپنی نظروں میں چھوٹی ہو جائے گی۔

وہ شخص جسے اس نے ہمیشہ انکل کہا تھا' اور باپ کی جگہ رکھا تھا' اور اس کے سر پر آنچل ڈالتے ہوئے اپنا ہاتھ شفقت سے اس کے سر پر رکھنا چاہتے تھا' اسی نے اپنے ہاتھوں سے اس کا آنچل چاہا تھا' اور جب میں نے ان کے اس گھناؤنے اقدام پر شور کیا تھا' اور جو میں گھر کے بہت سے ملازمین جمع ہو گئے تھے' تو اس شخص نے اپنا امیج برقرار رکھنے کے لئے اسے نفس مریضہ قرار دے دیا تھا۔ جو صدمے کے باعث اپنا ذہنی توازن کسی حد تک کھو چکی تھی' اور جب وہ رات کو اس کی خیریت دریافت کرنے اس کے بیڈروم میں گئے تھے' تو عفاف نے پاگلوں کی طرح ان پر حملہ کر دیا تھا' اور اس وقت وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے تمام منظر دیکھتے ہوئے کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

اس ایک لمحے میں اس کا دل چاہا تھا' زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ انسانیت پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی' اس نے اس کے بعد خود کو

کمرے میں بند کر لیا تھا۔ اس واقعے کے بعد عبداللہ انکل چلے گئے تھے' اور پھر پلٹ کر
واپس نہ آئے تھے' مگر ان دنوں وہ بہت خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ بہت ڈرنے لگی تھی' اسے ایسا لگتا
جیسے واقعی وہ سائکو کیس بن رہی ہو کہ انہی دنوں فاطمہ اور آنٹی انکل آ کر اسے اپنے ساتھ لے
گئے۔ کافی عرصے تک اس کی ٹریٹمنٹ ہوتی رہی' اور بہت مشکل سے وہ عام زندگی کی طرف
لوٹنے میں کامیاب ہوئی' مگر اس میں فاطمہ' فہد آنٹی اور انکل کی کوششوں کو بہت دخل تھا
ورنہ تو وہ شاید واقعی مر جاتی۔

اگرچہ وہ ان پر بوجھ نہ تھی' مگر وہ اپنا آپ جانے کیوں ان پر مسلط تصور کر رہی تھی'
حالانکہ آنٹی اور انکل اسے فاطمہ سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے' شاید وہ اپنی ذات کا کھویا ہوا اعتماد
کسی حد تک بحال کرنا چاہتی تھی۔ یوا آنٹی کی جاننے والی تھیں' شوہر کی وفات کے بعد تنہا
زندگی بسر کر رہی تھیں' اگرچہ انہیں پے انگ گیسٹ کی ضرورت تو نہ تھی' مگر آنٹی نے جب اس
سے بات کی' تو وہ انکار نہ کر سکیں' اپنے گھر کو وہ کبھی کبھار دیکھنے کے لئے جاتی تھی' مگر وہاں جا
کر جب وہ اپنے کمرے میں قدم رکھتی' تو جیسے اسے پھر وہی منظر یاد آ جاتا۔ وہی رشتوں کی
پامالی' وہ اعتماد و اعتبار کا قتل۔

اور تب جانے کیوں اسے لگتا کہ وہ اگر مزید یہاں کچھ دیر رہی' تو اس کی دماغ کی تمام
شریانیں پھٹ جائیں گی' اور تب وہ وہاں سے بھاگنے میں دیر نہیں کرتی تھی۔

آج جو یقین و بے یقینی کے درمیان وہ زندہ تھی' تو اس میں بہت بڑا حصہ اس شخص کا تھا
جو اس روز کے بعد سے اسے کبھی نظر نہیں آیا تھا' اور وہ اس شخص کا چہرہ دیکھنا بھی نہیں
چاہتی تھی۔ وہ اب اگرچہ نارمل ہو چکی تھی۔

نارمل انسانوں کی طرح ہنستے مسکراتے ہوئے زندگی گزار رہی تھی' مگر اب وہ انسانوں
اعتماد کرتے ہوئے بہت ڈرتی تھی۔ رشتوں کے تقدس کو جس طرح قدموں تلے بے دردی
ساتھ روندا گیا تھا' اس کی نظروں کے سامنے' تو آج کسی بھی طرح کے منظر کو دیکھتے ہوئے
قبول نہ کرتی تھی۔

وہ کوئی نیا تعلق۔

کوئی نیا رابطہ

کوئی نیا رشتہ استوار ہی نہ کرنا چاہتی تھی' جو آگے جا کر اسے ایک بار پھر

توڑ دے۔ اس کے اعتماد کا خون کر۔

عزیر حسن آفندی کی آنکھوں میں بہت سچائیاں تھیں۔

بہت سے سچے جذبے تھے' جو کہ واضح نظر آتے تھے' مگر وہ جانے کیوں تمام مناظر کے
بدل جانے کے خوف سے ڈرتی رہتی تھی' دل غیر ارادی طور پر اس کی آمد کا منتظر بھی
رہتا۔ ذہن بلا ارادہ اس ایک شخص کو سوچتا بھی رہتا' مگر جب وہ سامنے آتا' تو وہ یکسر اجنبی
بن جاتی۔

خود کو دل کو ڈانٹتی ڈپٹتی ہوئی' جیسے وہ سب حقیقتوں سے بھاگنا چاہتی ہو' مگر وہ شخص جیسے
دل بن کر دھڑکنے لگتا۔ اس کا خیال' اس کی سوچ جیسے ذہن سے چپک کر رہ جاتی' اور بے بس
سی ہو کر تکیے میں سر ہلانے لگتی' مگر اس کا تصور جیسے ہر دیوار کو گرا دیتا۔

✦ ◈ ✦

وہ اپنی آفس کی عمارت سے باہر نکلی تو واپسی میں عزیر حسن آفندی کو اپنے انتظار میں
کھڑا دیکھ کر وہ قدرے چونک گئی' جبکہ عزیر حسن آفندی کے چہرے پر اسے دیکھ کر ایک دھیمی
سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ یہاں.....؟" وہ کچھ کہے بغیر گھوم کر فرنٹ ڈور کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا
بیٹھا' اور جواب میں وہ بھی فرنٹ ڈور کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کب آئے آپ؟"

"آج صبح ہی..... تمہارے آفس کے لیے نکل جانے کے بعد۔" عزیر نے بتا کر گاڑی
اسٹارٹ کی۔

"آپ کراچی ہی شفٹ کیوں نہیں ہو جاتے۔"

اس نے جانے کیوں مشورہ دے ڈالا' اور جواب میں عزیر صاحب یقیناً بہت محظوظ ہو کر
مسکرانے لگے تھے۔

"ہاں سوچ تو میں بھی یہی رہا ہوں' اور ایک مزے کی بات بتاؤں' وہاں والدہ محترمہ
بھی میری اسی روٹین سے تنگ ہیں۔"

"یعنی ان کا کہنا بھی یہی ہے؟" وہ مسکراتی ہوئی سوالیہ نظروں کے ساتھ اس کی طرف
دیکھنے لگی۔

"ہوں۔"

"پھر تو آپ کو اس کا سد باب کر لینا چاہیے۔"

"یقیناً!" وہ دھیمے سے انداز میں مسکرایا۔ تبھی عفاف اس کی صورت دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کچھ تھکے ہوئے سے لگ رہے ہیں خیریت۔"

ٹھیک ہوں۔" اس نے داہنے بازو کو کھڑکی میں جماتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا۔

وہ بہت اسموتھ اور سلو ڈرائیو کر رہا تھا۔

"اینی پرابلم.....؟" اسے جانے کیوں لگا کہ وہ شخص اور دنوں کی بہ نسبت پریشان ہے۔

"اوں.....ہوں.....ایوری تھنگ از آل رائٹ اینڈ انڈر کنٹرول' اور اس وقت جانے کیوں اس کی سمت دیکھتی جا رہی تھی۔ عزیر نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا' جیسے واقعی اسے یقین دلانا چاہ رہا ہو کہ اسے کوئی پرابلم نہیں' مگر عفاف تردد کرنا نہیں چاہتی تھی' نا ہی وہ کوئی ایسا حق محفوظ رکھتی تھی' مگر یہ ضرور تھا کہ باوجود ہر جواز کے وہ اسے اگنور نہ کر سکی تھی۔ وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

شاید غلطی اس کی تھی' یا پھر اس کو سٹروین والے کی' جو اپنی طرف سے اسے اوور ٹیک کرنے کی کوشش میں تھا' غلطی کسی کی بھی رہی ہو' مگر اس لمحے وہ کو سٹروین عزیر حسن آفندی کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ وہ اس لمحے دور سے کراہ کر رہ گیا تھا' یقیناً اس کی داہنی بازو پر شدید ضرب لگی تھی' کو سٹروین والا خوفزدہ ہو کر رکے بغیر انتہائی بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہوا وین بھگا لے گیا تھا۔ اس وقت گاڑی کو جھٹکا اتنی شدت سے لگا تھا' کہ اگر اس نے سیٹ بلٹ نہیں باندھا ہوتا' تو یقیناً اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا چکا ہوتا۔ وہ اس تمام صورت حال پر یقیناً حیران تھی۔ عزیر حسن آفندی نے اپنی تمام تر کیفیات پر قابو پاتے ہوئے گاڑی ایک طرف روکی تھی۔ اپنے داہنی بازو کو دوسرے ہاتھ سے سپورٹ دیتے ہوئے باہر نکل کر گاڑی کی داہنی طرف کا جائزہ لیا تھا۔ دروازے پر اور سائیڈ پر اچھی خاصی ضرب آئی تھی۔ عفاف بھی دوسری جانب کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ اردگرد کئی اور لوگ بھی ٹھہر گئے تھے۔

"خیریت صاحب!" کئی لوگوں نے دریافت کیا تھا' اور عزیر نے جواب میں اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟؟" اس کے چہرے کی متغیر کیفیت کو بھانپتے ہوئے عفاف نے دریافت کیا تھا۔ جس انداز سے اس نے داہنے بازو کو دوسرے ہاتھ سے سپورٹ کیا ہوا تھا۔ اس سے یہی ظاہر تھا کہ بازو کی ہڈی میں فریکچر ہو چکا تھا۔ عفاف نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہا تھا' اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

بہت اسموتھ ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے اس لمحے انتہائی فکر مندی سے عزیر حسن آفندی کی جانب دیکھا تھا' اور اس لمحے جس طرح وہ فکر مند انداز میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی' جانے کیوں وہ جیسے تمام درد کو فراموش کر کے اس کی جانب دیکھتا ہوا بہت دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

"ہنس کیوں رہے ہو.....شکر کیجیے.....!!"

عفاف نے مشورہ دیا۔

"وہ تو میں کرتا ہی رہتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "بہر حال اتنا نقصان نہیں ہوا.....بچ گیا ہوں' یہ خدا کا کرم ہی تو ہے۔"

"بچ گئے ہیں.....مگر خدانخواستہ اگر کچھ ہو جاتا تو؟" وہ فکر مندی سے بولی۔

"تو.....؟" وہ مسکراتا ہوا سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ جیسے پوچھ رہا ہو۔ "اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو کیا تمہیں کوئی فرق پڑتا؟" وہ اگرچہ کچھ بولا نہیں تھا' مگر اس کی بولتی نظروں سے مفہوم شاید عفاف سمجھ گئی تھی' تبھی مزید کچھ کہے بغیر خاموشی کے ساتھ ونڈ اسکرین کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

اسپتال میں ایکسرے کروانے سے پلاسٹر کروانے تک کا مرحلہ خاصا دشوار تھا۔ کم از کم عفاف کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ خصوصاً جب عزیر حسن آفندی کی بون کو فکس کرنے کے لیے.....ڈاکٹرز ہاتھ کی انگلیوں اور بازو کو کھینچ رہے تھے' تو اس تکلیف کے اس لمحے میں عزیر حسن آفندی نے جس طرح ہونٹ بھینچ کر اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت یکدم ہی مضبوط کر دی تھی' اور وہ اس لمحے اس کی تکلیف جیسے برداشت کرنے سے قاصر تھی' تبھی اپنا دوسرا ہاتھ اس نے عزیر حسن آفندی کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ اور جانے کب اور کیسے آنسو اس کی پلکوں

ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے' اور شاید سامنے کھڑے ڈاکٹر نے اسے اس کیفیت میں دیکھ لیا تھا۔ تبھی بولا تھا۔

''ارے آپ کے شوہر تو بہت بہادر ہیں' اور آپ رو رہی ہیں۔

اور عفاف اس شخص کو چونک کر یکدم حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ تبھی عزیر حسن آفندی نے یکدم اس کی جانب نگاہ کی تھی' اس کی نظروں میں یکدم ہی چمک سی آ گئی تھی۔ تکلیف کے لمحے کے باوجود وہ اس کی جانب دیکھ کر خفیف سے انداز میں مسکرا دیا تھا' اور عفاف یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر پلکوں کو پونچھتی ہوئی پلٹ کر چلتی ہوئی' کچھ دور جا رکی تھی۔

''ڈاکٹرز اب اسے پلاسٹر آف پیرس کی بینڈیج کر رہے تھے' وہ دور کھڑی بغور دیکھ رہی تھی۔ عزیر حسن آفندی اب کسی حد تک ریلیکس فیل کر رہا تھا' اس کے چہرے سے وہ بات جان پائی تھی کہ کم از کم وہ پہلے جتنی تکلیف میں نہیں۔

''ڈونٹ وری ہی از او کے' ناؤ یہ کچھ میڈیسن ہیں' جو ان کو دینا ہے۔'' ڈاکٹر نے بینڈیج سے فارغ ہونے کے بعد مختلف قسم کے ٹونکس اور دوائیوں کا پرچہ لکھ کر اس کی سمت بڑھایا تھا' اور ساتھ ہی شاید اس کے چہرے کے تاثرات کے باعث اس کا حوصلہ بھی بڑھایا تھا۔ ساتھ ہی دوائیں وقت پر دینے کی تلقین بھی کی تھی۔

''عفاف نے گلے میں بازو ڈالے اس شخص کو دیکھتے ہوئے پرچہ تھام لیا تھا۔ پھر میڈیکل اسٹور سے میڈیسن لینے کے بعد وہ اسے لے کر گھر کے لیے روانہ ہو گئی تھی' راستے میں وہ کچھ نہ بولی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا عزیر بھی خاموش تھا۔ راستے میں پڑنے والے ایک معروف ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے اس نے گاڑی روکی تھی۔

''میں آتی ہوں۔'' کہہ کر وہ اسٹور کے اندر داخل ہو گئی تھی' اور وہ وہیں سیٹ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا تھا' یہ لڑکی اسے بہت عزیز تھی' مگر اس کا رویہ ہمیشہ ہی نہ سمجھ میں آنے والا لگا تھا۔ بہت مشکل..... مگر آج جیسے وہ اسے لمحوں میں ہی پڑھ گیا تھا۔

جس طرح وہ اس کے لیے فکر مند تھی' اس کے لیے پریشان تھی' اس کے چہرے کے جو تاثرات تھے' وہ ایک ہی بات عیاں کر رہے تھے۔ ایک ہی اعلان کر رہے تھے۔

محبت ہے.....

محبت ہے.....

مگر وہ کسی خوش گمانی میں مبتلا ہونا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ یقیناً جو بات کرنے کے بعد کیفیت سامنے آتی' وہی درحقیقت اصل ہوتی..... ہو سکتا تھا اس کا قیاس جھوٹا ہوتا۔

محبت میں اظہار کے لیے ضرورت فقط بہت سے لفظوں کی ہی نہیں ہوتی' بعض اوقات چپ رہ کر بہت سے رویوں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ کوئی کسی کے لیے کس قدر حساسیت رکھتا ہے۔

جہاں تک عزیر حسن آفندی کا معاملہ' تھا وہ خردمند تھا سمجھنے سے قاصر نہ تھا' مگر ان تمام ان کہی کہانیوں کو اس کے چہرے پر پڑھنے کے باوجود اس نے عفاف فریدون خان کی نظروں سے ہویدا خوف بھی دیکھا تھا۔

اور تب وہ اسے فقط ایک ننھی منی سی بچی لگتی تھی۔

بے حد خوفزدہ' بہت حد تک سہمی ہوئی۔

اور وہ اس خوف کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔

بہر حال وہ اس سے محبت کرتا تھا' اور اس کی تمام پریشانیوں کو شیئر کرنا بھی چاہتا تھا' اور آج اگر وہ اس حادثے کا شکار ہوا تھا' تو اس میں بھی دخل اسی ذات شریف کو تھا کہ ممی اس کی شادی کرنے پر بضد تھیں' اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنے حلقہ احباب میں ایک لڑکی بھی دیکھ لی تھی' اور اس کے پاس اب قطعاً کوئی بہانہ نہ تھا' وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا' جاب اچھی تھی' اور وہ ایک طرح سے سیٹ تھا' وہ ممی کو منع کرتا بھی تو کیا کہہ کر۔

مگر یہ بھی تھا کہ وہ ممی کی پسند کی ہوئی لڑکی سے قطعی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا' اس کے دل میں عفاف فریدون خان آباد تھی' اور وہ اپنی زندگی بھی اسی کے ساتھ آباد کرنا چاہتا تھا' مگر ممی کو فی الحال وہ اس کے لیے تیار نہیں کر سکتا تھا' جب تک کہ وہ خود عفاف سے بات نہ کر لیتا۔

اسے صاف اور واضح جواب چاہیے تھا' جو کہ یقیناً اسے دریافت کرنے پر ہی مل سکتا تھا' آج وہ اگر کراچی آیا تھا' تو اس کی وجہ فقط یہی تھی' اور اسے آفس میں لینے کے لیے بھی وہ اسی لیے آیا تھا کہ کسی طرح اس سے آج کے دن ہی بات کر سکے' مگر وائے قسمت ایک اور مصیبت جان کو آ گئی تھی۔ اپنے پلاسٹر لگے بازو کو وہ دیکھتے ہوئے اسی سوچ میں گم تھا' کہ اگر اس لڑکی نے جواب میں ناں کر دی' تو اس کی زندگی کیا ہو گی؟''

اور اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں گیا تھا..... اسے گنوانا وہ کسی طور نہیں چاہتا تھا' مگر یہ بھی تھا کہ وہ زبردستی اس سے ''ہاں'' بھی نہیں کروا سکتا تھا' جو بھی تھا' بہر حال آج کے رونما ہونے والے واقعے نے کم از کم اس لڑکی کو اس کے سامنے کھول دیا تھا۔ وہ جو کبھی اس کی کیفیات کو سمجھ کر کوئی نام ہی نہ دے سکا تھا' تو آج کسی حد تک کامیاب ہو گیا تھا' اور کسی حد تک ایک سکون دل کے کسی کونے میں ابھر آیا تھا۔ عفاف کب آئی' اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

جب گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اس نے بہت سے پیکٹس ڈالے' تب وہ چونکا..... یقیناً وہ اس کے لیے بہت سی اقسام کے امپورٹڈ ڈبوں میں پیک جوسز اور دیگر کئی لوازمات لے کر آئی تھی' جو فوری طور پر جسم کو انرجی مہیا کرتے تھے' اور اس لمحے عزیر حسن آفندی اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ اسپتال میں بھی زبردستی اس سے قبل ہی پے منٹ خود کر دی تھی' اور اب بھی..... وہ جانے کتنا خرچ کر آئی تھی۔

بوا نے اسے اس طرح پلاسٹر لگا دیکھا تو دہل گئیں۔

''کیا ہو گیا میرے بچے؟''

''کچھ نہیں بوا..... معمولی فریکچر ہے۔ چند دنوں میں ٹھیک ہو جائیں گے' فکر کی کوئی بات نہیں۔'' اس سے قبل کہ عزیر کچھ کہتا' وہ تیزی سے بولتی ہوئی بوا کو جیسے سمجھانے لگی۔

''ہائے' تمہاری ممی کو کیا جواب دوں گی' وہ تو کہیں گی بوا کے ہاں گیا تھا۔'' بوا یہ سوچ کر ہی پریشان ہو چکی تھیں کہ بھاوج کے طعنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''تو اس میں آپ کی کیا غلطی ہے..... محترم ڈرائیونگ سیٹ پر بذات خود براجمان تھے' گواہ تو میں بھی ہوں' آپ تو وہاں پر تھی ہی نہیں۔'' عفاف نے پل بھر میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا۔ عزیر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کس قدر بہادری کے ساتھ وہ گویا تھی' انداز بہت مختلف قسم کا تھا۔ سفید کاٹن کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں لمبے سے دوپٹے سمیت وہ سارے دن کی تھکن کے باوجود بھی خاصی دلفریب لگ رہی تھی' دل تک میں اس کا عکس اتر رہا تھا۔ اس طرح کے رویئے میں جانے کیوں وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ پیاری لگی تھی۔

''آپ بیڈ روم میں جایئے اور دو چار روز کے لیے تو مکمل طور پر ہر طرح کی روٹین لائف کو بھول جایئے۔'' کیسا استحقاق بول رہا تھا' اس کے لہجے میں۔

''میں آپ کے لیے دلیہ وغیرہ بنا کر لاتی ہوں.....'' وہ اسے بیڈ روم میں چھوڑ کر کچن میں جانے کے لیے مڑی' پھر رک گئی' ''لیکن آپ کھائیں گے کیسے.....؟'' اس کے داہنے بازو کے پیش نظر وہ بولی۔ وہ اس لمحے ہنس دیا۔ دل چاہا فوراً کہہ دے۔ ''تم ہو نا۔'' مگر بوا کا خیال کر کے چپ رہ گیا مگر دلیہ کھانا اسے قطعی قبول نہ تھا' تبھی بولا۔

''عفاف..... فریکچر کی صورت میں کھانے میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی.....'' اس نے یقیناً اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا تھا۔ تبھی وہ کچھ لمحوں تک اس کی جانب دیکھنے کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

بوا کے ساتھ باتیں کرتا ہوا' وہ گھر کا نمبر پش کرنے لگا تھا۔

✦ ◈ ✦

''عفاف میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟'' جب وہ اسے میڈیسن دے رہی تھی' تبھی وہ اس کی جانب بغور دیکھتا ہوا بولا' اور عفاف فریدون خان اس لمحے سر اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہ رہی تھی۔ سینے میں موجود ننھا سا دل یکدم ہی بے تحاشا زور سے دھڑک کر اپنے ہونے کی گواہی دینے لگا تھا۔ تبھی وہ کہہ رہا تھا۔

''میں تم سے فقط اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تم زندگی کی راہوں میں میرا ساتھ دینا چاہو گی؟''

اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا' تو وہ سر اٹھا کر یکدم ہی اسے دیکھنے لگی تھی۔

پھر دوسرے ہی پل سر جھکا گئی تھی۔

''عزیر! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ موقع ان باتوں کا قطعی نہیں ہے' دوسرے ہم نے ابھی ایک دوسرے کو جانا ہی کتنا ہے' کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم ایک ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو اتنا سمجھ چکے ہیں..... جان چکے ہیں..... ہو سکتا ہے یہ فقط جلد بازی ہو اور جلد بازی کے فیصلے اتنے پائیدار نہیں ہوتے۔''

''عفاف! میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے لہجے میں یہ کون سے خدشے ہیں' یہ کیسا خوف بولتا ہے جو تمہارا اعتماد مجھ پر بحال نہیں ہونے دیتا؟''

اور کتنی ہی دیر تک وہ کچھ بول نہ پائی تھی۔ پلکیں یکدم ہی بوجھل ہونے لگی تھیں۔

"عزیر میں بہت مشکل میں ہوں..... تمہاری زندگی بھی میری وجہ سے بہت مشکل اور دشوار ہو جائے گی' اور میں ایسا قطعی نہیں چاہتی۔" اس کی پلکوں سے موتی ٹوٹے تھے' اور اس سے قبل کہ بے وقعت ہوتے کسی کی مہربان پوروں نے اسے تھام لیا تھا۔

"تم شاید ابھی عزیر حسن آفندی کو واقعی نہیں سمجھی ہو۔ بہت مضبوط قوت ارادی کا ہے یہ شخص ..... دوسرے لفظوں میں جسے بڑے آرام سے "ڈھیٹ" کہا جا سکتا ہے' تم اگر ساتھ دینے کا وعدہ کرو گی' تو یہ بہت برداشت کے ساتھ نہ صرف تمہیں قبول کرے گا' بلکہ ان مشکلات کو آسان بھی کرے گا..... جو راہوں میں آئیں گی' مگر شرط یہی ہے کہ "ہمقدم' تم ہو....." وہ مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا بولا' تو وہ سر اٹھا کر بھیگی پلکوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"برداشت کرو گے مجھے.....؟"

"اوں ہوں..... برداشت نہیں قبول۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے باور کرایا۔

"برداشت ہم فقط جبراً کرتے ہیں..... اور محبت میں برداشت نہیں' کسی بھی فرد کو یا اس سے وابستہ چیزوں یا عادتوں کو فقط قبول کیا جاتا ہے۔ محبت میں "برداشت" نہیں ہوتی فقط "قبولیت" ہوتی ہے جہاں "برداشت" آجائے وہاں "محبت" ختم ہو جاتی ہے۔

میں تمہیں اور تمہاری تمام عادتوں' خوبیوں اور خامیوں کو قبول کروں گا۔ تمہارے سمیت تم مجھے قبول کرتی ہو یا برداشت..... اس کا فیصلہ تم کرو گی۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولتے بولتے یکدم آخر میں مسکرا دیا تو..... وہ اس کی جانب دیکھتی رہ گئی' اس کے چہرے پر سوچوں کا اتنا ہی دبیز جال بچھا ہوا تھا۔ عزیر کے اتنے پختہ یقین کے باوجود۔"

وہ شاید اس کی کیفیت بھانپ گیا تھا' تبھی بولا تھا۔

"عفاف! اگر تم مجھ سے اپنی پرابلمز شیئر کرو گی' تو یقیناً مجھے خوشی ہو گی۔" اس نے جس یقین کے ساتھ اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔ اس سے اس کی وفاداری کا اندازہ ہو رہا تھا' اور تب اس نے اپنا سارا ماضی اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"میں اپنے اعتماد' اپنے یقین اپنے رشتوں کو پھر ٹوٹتا ہوا قطعی نہیں دیکھ سکتی' اگر ایسا ہوا تو یقیناً میں مر جاؤں گی۔" وہ بے تحاشا برستی آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

عزیر نے چند لمحوں تک اس نازک سی لڑکی کو دیکھا تھا' پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے تمام

اشک اپنی ہتھیلی پر سمیٹ لیے تھے۔

"سارے وسوسے دل سے نکال دو..... ہماری زندگی میں ایسا کوئی لمحہ نہیں آئے گا۔" وہ یقین دلاتے لہجے میں بولا تھا۔ "میں نے ممی اور ڈیڈی کو تمہارے متعلق انفارم کر دیا تھا۔ وہ لوگ آرہے ہیں' تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "پتہ نہیں ان کے بیٹے کی پسند انہیں بھی پسند آتی ہے کہ نہیں' وہ اس کے چہرے کو اوپر اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ "ویسے تو خاصی معقول ہو..... مجھے تو اچھی لگی ہو..... میرا خیال ہے ممی ڈیڈی بھی او کے کر دیں گے!" وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟" عزیر نے پوچھا' تو اس نے مسکراتے ہوئے سر جھکا دیا۔

عزیر کو اپنی پسند پر مکمل یقین تھا' اعتماد تھا' تبھی تو اس نے ممی ڈیڈی کو اتنے یقین سے اس کے متعلق آگاہ کیا تھا۔ ممی ڈیڈی کو بھی وہ بہت زیادہ پسند آئی تھی' شوبی اور ثومیہ اسے مسلسل چھیڑ رہے تھے' اور اس کے چہرے کا رنگ ان کی باتوں پر مسلسل گلال سا ہو رہا تھا۔ انتہائی بولڈ سی لڑکی جانے کیسے چھوئی موئی ہو گئی تھی' حتیٰ کہ عزیر کے ذکر پر ہی اس کا چہرہ بلش ہو جاتا۔ اس کی طرف سے آنٹی' انکل اور فاطمہ لوگ تھے۔ فاطمہ کو جب فون کیا' تو وہ بھی عجیب انداز میں خفا ہوئی۔

"شرم تو نہیں آتی..... سب کچھ کر کے اب آگاہ کر رہی ہو' جب مشورہ دیا تھا' تو کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھیں' اب اچانک ہی سارے مرحلے سر کر لیے' پہلے تو یہ بتاؤ یہ کایا پلٹی کیسے..... تم یعنی انتہائی خبطی قسم کی لڑکی محبت میں گرفتار ہوئی تو ہوئی کیسے..... اور وہ بھی اتنے معقول سے بندے کے ساتھ۔" وہ یقیناً ساری رام کہانی منٹوں میں سن لینا چاہتی تھی' اور جواب میں جب وہ بجائے چڑنے کے کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی' تو فاطمہ پر جیسے شادی مرگ' بلکہ شاید سکتے والی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"عفاف فریدون خان یہ تم ہی ہو نا..... کہیں لائن میں کوئی اور تو نہیں کود پڑا۔"

"فاطمہ..... زیادہ وقت نہیں ہے' طویل بات نہیں کر سکتی۔ بس آجاؤ انکل اور آنٹی کے ساتھ۔"

"اوہ..... سسرال کے آتے ہی اتنا بدل گیا لب و لہجہ..... تیور کیسے بدل گئے ہیں۔"

"تم آؤ تو سہی..... ساری باتیں کریں گے۔" اس نے مسکرا کر اسے ٹالا تھا' تمام بزرگ

حضرات بیٹھے تھے' اور ان کو ایک دوجے کے نام لکھنے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔

شادی کی ڈیٹ فکس کی گئی تھی' رسم کے طور پر دونوں نے فقط ایک دوسرے کو رنگز پہنا دی تھیں۔ فقط گھر کے افراد ہی جمع تھے..... مگر فاطمہ..... فہد..... شوبی اور ثومیہ کے باعث اتنا ہنگامہ برپا تھا' کہ وہ سو پر بھاری لگ رہے تھے۔

تمام پروگرام مرتب کرنے کے بعد عزیر کے ممی ڈیڈی نے جانے کا قصد کر لیا' مگر اس سے قبل عزیر کی ممی کراچی ہی میں مقیم اپنے بھائی سے اور بھاوج سے ملنے ضرور گئیں' پھر کے بعد وہ لوگ رخصت ہو گئے۔

''جلد آؤں گا۔'' وہ جاتے ہوئے کان کے قریب سرگوشی کر گیا۔

اور اس کے کانوں میں تادیر یہی بازگشت گونجتی رہی۔ کتنی حسین ہو گئی تھی یکدم ہی زن: بہت سے رنگوں سے سج کر اس نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھ کر باقاعدہ اپنی زندگی کی تاحیات برقراری کی دعا مانگی تھی۔

✦ ◈ ✖

شادی کارڈ بانٹ دیئے گئے تھے' اور اب شادی بہت ہی نزدیک آ گئی تھی۔ شادی کی شاپنگ عزیر نے عفاف کو خود کرائی تھی۔

''ماموں کو شادی کا کارڈ دینا ہے' صبح یہ ممکن نہ ہو گا' اگر تم مائنڈ نہ کرو تو ابھی چلیں؟

''شیور.....'' اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

''اور جواب میں عزیر حسن آفندی نے گاڑی یقیناً اپنے ماموں کے گھر کے راستوں پر ڈال دی تھی۔

ملازم نے جب انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا' تو وہ طائرانہ نظروں سے جائزہ لینے لگی' تبھی عزیر کی شاید ممانی آ گئیں..... کافی خندہ پیشانی سے ملیں۔

''تمہاری ہونے والی دلہن تو عزیر واقعی چاند کا ٹکڑا ہے۔'' انہوں نے انکشاف کیا' تو گویا وہ جواباً مسکرا دیا تھا۔

اِدھر اُدھر کی باتوں اور خاطر مدارت کے بعد عزیر نے اجازت چاہی تھی' مگر تبھی ممانی بولی تھیں۔

''تمہارے ماموں آ رہے ہیں' بیٹھو لو آ گئے۔'' وہ بولی تھیں اور تبھی عزیر کے ماموں کمرے میں داخل ہوئے۔ عزیر احتراماً اٹھ کھڑا ہوا تھا' اور عفاف فریدون جیسے لمحہ بھر کو ساکت ہو گئی تھی۔ عبداللہ بھی لمحہ بھر کو اسے سامنے دیکھ کر چونکے تھے۔

''اپنے عزیر کی ہونے والی دلہن ہے۔'' ممانی نے مسکراتے ہوئے تعارف کرایا تھا۔ عبداللہ صاحب نے سر ہلایا تھا۔ عزیر مسکراتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا تھا' مگر عفاف جیسے اس لمحے سر نہ اٹھا پا رہی تھی' نظروں کے سامنے جیسے اندھیرا سا چھا رہا تھا' اور تب اس نے اپنا یخ سا ہاتھ عزیر کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا' اور اس لمحے عزیر یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگا

تھا' اور پھر اس کی کیفیت کے پیش نظر فوراً ہی اسے لے کر باہر نکل آیا تھا۔ راستے بھر اس
کوئی بات نہ کی تھی۔ چپ چاپ سیٹ سے پشت لگائے آنکھیں موندے پڑی رہی تھی۔

"عفاف!" "آر یو آل رائٹ؟" اس نے وقفے وقفے سے کتنی ہی بار دریافت کیا تھا
اور اس نے کبھی سر ہلا دیا تھا' اور کبھی کوئی رسپانس نہ دیا تھا۔ عزیر یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی
طبیعت چونکہ پہلے سے خراب تھی' اور وہ اسے زبردستی لے آیا تھا' تو شاید اس کے باعث
کیفیت ہو گئی تھی' اصل حقیقت تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

"تم بھی عجیب ضدی لڑکے ہو..... بتا تو رہی تھی طبیعت خراب ہے' اس کے باوجود باز
نہیں آئے اور لے گئے۔" بوا نے اس کی حالت کے پیش نظر کہا تھا' مگر وہ کچھ کہے بغیر ان کا
نمبر ملانے لگا تھا۔

"عفاف..... عفاف....." بوا نے اسے بلایا تھا' مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکی تھی
نے گھبرا کر پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا' اور یکدم لگا تھا' جیسے برف پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"عزیر!"

"جی بوا.....!"

"جلدی گاڑی نکالو..... اسپتال چلو!" اور وہ گھبرا کر واپس مڑا تھا۔

"عفاف..... عفاف....." اس نے اس کی نبض کو فوراً دیکھا تھا' اور سانسوں کے مدھم
سے تسلسل پر پل بھر میں تیزی سے دھڑکنے والا دل قدرے معمول پر آ گیا تھا' اس نے بوا کی
جانب دیکھا تھا۔

عزیر کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ شام تک وہ بالکل خوش تھی' مطمئن تھی' اس کی باتوں پر
ہنس رہی تھی' سرشار ہو رہی تھی۔ گمان تک نہ تھا' ایسا کچھ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر نے اگرچہ اسے
اسے خطرے سے باہر قرار دے دیا تھا' مگر وہ ان لمحوں کو قطعی فراموش نہیں کر سکتا تھا' جب اس
تمام شب انتہائی نگہداشت کی یونٹ میں تھی' اس کا بی پی خطرناک حد تک لو تھا۔ ڈاکٹر نے وہ
کوئی ذہنی دباؤ بتائی تھی' مگر عزیر کو بہت کچھ سوچنے کے بعد بھی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اصل
معاملہ کیا ہو گا۔

گھر سے ممی کا بھی فون آیا تھا۔ عزیر نے عفاف کے متعلق آگاہ کیا' تو کوئی خاص جواب
نہ دیا' بلکہ اسے گھر پہنچنے کے لیے کہا' اس کا ذہن چونکہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا' اور مکمل طور پر تو

عفاف ہی کی جانب تھی' اس لیے وہ کچھ نہ تو محسوس کر سکا' نہ ہی اخذ۔ وہ عفاف کے پاس ہی
تھا' اسپتال میں بوا' فاطمہ بھی تھیں' مگر وہ سب کے باوجود وہاں سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

عفاف نے ہوش میں آتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو وہ سب کی پروا کیے بغیر اس پر
جھک گیا' اس کے نازک ہاتھ کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"بہت آگے معاملہ پہنچ چکا ہے' اب اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو تمہاری اور اپنی جان ایک
کر دوں گا۔" وہ مکمل استحقاق سے بولا' مگر اتنی محبت' اتنی چاہت کے باوجود عفاف کے چہرے
کے تاثرات میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی' نہ تو وہ مسکرا سکی' نہ ہی اس کو تسلی دینے کو
آنکھوں کو پلکے سے جنبش دے سکی۔ نہ سر اثبات میں ہلا' فقط دو پانی کے قطرے پلکوں سے
ٹوٹے اور بالوں میں جذب ہو گئے۔

"سن لو اس معاملے میں کوئی کوتاہی قبول نہیں کروں گا۔ تمہاری تمام سانسوں پر اب میرا
حق ہے..... یہ زندگی میری ہے' اور تم مجھ سے میری زندگی نہیں چھین سکتیں۔" بہت دھیمی آواز
تھی' لہجہ بے حد گمبھیر

"اب مزید مت ستانا مجھے۔" اس نے مضبوط ہاتھ سے اس کی پلکوں کے تمام موتی چن
لیے۔ عفاف نے پلکیں موند لیں۔

"عفاف....." اس نے ہولے سے پکارا..... تبھی ڈیوٹی پر موجود نرس ٹریٹ منٹ کے
لیے آ گئی۔

"انہیں سونے دیں..... دواؤں کے زیر اثر ہیں ابھی پلیز ڈسٹرب مت کیجیے۔"

اور تب وہ تمام لوگ باہر آ گئے۔

گھر پہنچے تو پاپا آئے ہوئے تھے۔

"کیسی ہے اب عفاف؟ تمہاری ممی کی کچھ طبیعت ٹھیک نہ تھی' اس لیے مجھے تنہا ہی آنا
پڑا۔"

"عفاف ٹھیک ہے۔ ممی کو کیا ہوا؟" وہ فکرمندی سے بولا۔

"یونہی موسم کا اثر ہے ذرا..... عفاف کو ہوا کیا تھا؟"

"پتہ نہیں ٹھیک ٹھاک تھی بالکل بس اچانک ہی....." وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔ حسن آفندی
نے بیٹے کو بغور دیکھا' پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا' تبھی جیسے عزیر بھی اتنا مضبوط سہارا پا

کر پگھلنے لگا' بہت آہستہ سے سر پاپا کے شانے پر ٹیک دیا۔

''پاپا! وہ میری زندگی ہے' میں اسے کھونا نہیں چاہتا!'' وہ جیسے یکدم بچہ بن گیا۔ بیٹے کے جذباتی انداز پر بہت ہولے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ! تم آرام کرو' بوا بتا رہی تھیں تم رات سے نہیں سوئے۔'' پاپا نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

تقریباً ایک ہفتے وہ اسپتال میں رہی' تیسرے چوتھے روز حالت قدرے سنبھلی تھی' تو اس نے تبھی سے گھر واپسی کے لیے ضد شروع کر دی تھی' جبکہ بوا اور عزیر کا خیال تھا کہ وہ مکمل طور پر ٹھیک ہو جائے۔ جس روز وہ گھر لوٹی اسی روز عزیر نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔

فاطمہ اس کے پاس بیٹھی تھی' وہ جانے سے قبل ملنے آیا تو فاطمہ اٹھ کر قصداً باہر نکل گئی۔

''اپنا خیال رکھنا میں جا رہا ہوں' مگر جلد واپس لوٹنے کے لیے!'' وہ دھیمے سے مسکراتا ہوا بولا۔

''اپنے نازک سے ہاتھ پر دھرا اس کا مضبوط ہاتھ وہ جیسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی' اندر کوئی ہلچل نہ مچی' کوئی نہ اٹھا کچھ ہی دنوں میں جیسے وہ صدیوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی' رنگت جیسے پیلی سرسوں ہو رہی تھی' خوبصورت چمکدار روشن آنکھوں میں چمک ناپید تھی' اردگرد سیاہ حلقے تھے۔

''میں فون کروں گا' کوئی فضول سوچ کو ذہن میں جگہ مت دینا۔ بہت سے اچھے دن ہمارے منتظر ہیں۔ ہم ایک خوش گوار زندگی کا آغاز بہت سی امنگوں اور تمناؤں کے ساتھ کریں گے۔ ہم نے ایک ساتھ چلنا ہے ہمیشہ..... ہمیشہ تک!'' وہ کچھ نہ بولی سر جھکا رہا۔ جانے کب پانیوں کے قطرے پلکوں سے ٹوٹتے گئے۔

''پگلی..... اتنی چھوٹی سی بیماری کے بعد اتنی بزدل ہو گئی ہو۔ رونے کی کیا بات ہے' خدانخواستہ میں ہمیشہ کے لیے تو نہیں جا رہا۔'' وہ مسکراتے ہوئے یقیناً اس کا دھیان بٹانا چاہ رہا تھا..... مگر عفاف نے جیسے ہار کر اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا' اور بے آواز رونے لگی تھی۔

عزیر اس کی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا' مگر بہت ہولے سے اس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار کھینچ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو ہولے ہولے تھپکنے لگا تھا' کتنی دیر تک وہ

اندر کا غبار آنسوؤں کی صورت اس کے شانے پر بہاتی رہی تھی۔

''اگر کہو تو نہ جاؤں؟ یہیں رہ کر سہرا باندھنے کی تیاری کر دوں۔'' وہ شرارتی ہو کر دریافت کرنے لگا' مگر وہ مسکرا نہ سکی' پیچھے ہو کر ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی' تبھی اس نے شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو دھیرے سے اوپر اٹھایا تھا۔ عفاف نے اسے کچھ لمحوں تک تکا تھا' پھر جیسے تھک کر نظریں جھکا گئی تھیں' تبھی وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''واپس آنے کے لیے جانا بہت ضروری ہے۔''

''عزیر.....'' اس نے ہولے سے پکارا۔

''کہو جان عزیر.....!!!'' وہ جیسے جی جان سے متوجہ ہو گیا۔

''میں سنجیدہ ہوں۔'' وہ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر بولی۔

''تو میں کب مذاق کر رہا ہوں کہو جی جان سے سن رہا ہوں کہو!''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے بہت!'' وہ خوفزدہ لہجے میں فقط یہی کہہ سکی تھی۔

''کس بات سے؟'' عزیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ سر جھکا گئی۔

''پتہ نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''پاگل.....'' وہ جیسے کچھ بولتے بولتے رک گئی۔

''کیا لگتا ہے.....'' مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''بولو؟'' عزیر نے اصرار کیا۔

''میں مر جاؤں گی۔'' اس کا تمام حوصلہ جیسے جواب دے گیا۔ عزیر نے فوراً اپنا مضبوط ہاتھ اس کے لبوں پر دھر دیا۔

''خدا نہ کرے۔'' عزیر نے اس کے ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لیا۔

''تم چاہتی ہو میں واپس نہ جاؤں؟''

مگر وہ سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگی' وہ اس کے معصوم سے انداز پر مسکرا دیا۔

''مسکراؤ اور مجھے خدا حافظ کہو۔''

مگر وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی' تبھی اس نے سنجیدہ ہو کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''ہم ایک دوسرے کے نام ہمیشہ کے لیے لکھ دیئے گئے ہیں۔ تمام خوف دل سے نکال

پھیکو بہت سے اچھے دن ہم نے ساتھ گزارنے ہیں.....سنگ سنگ جینا ہے۔سنگ سنگ چلنا ہے۔"

"ہے ناں.....!" کہنے کے ساتھ ہی اس کا اقرار بھی چاہا۔

"خدا حافظ.....!!" عفاف نے کہہ کر پشت پھیر لی تھی' تبھی وہ مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

عفاف کے دل میں اتنا خوف تھا' اتنے اندیشے تھے کہ عزیر کا اعتماد دلاتا لہجہ بھی جیسے ناکافی تھا۔اطمینان دلانے کے لیے جیسے سب کچھ ناکافی تھا۔

✦ ◈ ✖

مونا آپی واہ کینٹ سے آئی ہوئی تھیں' وہ کتنی ہی دیر تک ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا' ان کے گول مٹول سے زوہیب اور شرجیل سے کھیلتا رہا' مگر ذہن پھر بھی کسی حد تک عفاف کی جانب ہی لگا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے فریش نہیں لگ رہے ہو؟" مونا آپی بھی اس کی کھوئی کھوئی کیفیت محسوس کر گئی تھیں.....تبھی بولیں.....وہ پہلے چونکا پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا۔

"عفاف ٹھیک ہے اب۔" آپی نے دریافت کیا۔

"ہوں.....!" اس نے سر ہلایا۔

"آپ اچانک کیسے یہاں آگئیں؟" وہ موضوع کا رخ پھیرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرے اتنے پیارے سے بھائی کی شادی میں اتنے تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔کیا اب بھی میں نہ آتی؟" مونا آپی مسکرائیں۔وہ اثبات میں سر ہلانے لگا تو مونا آپی بولیں۔

"ممی نے بلوایا تھا۔"

"ہاں یہ تو مجھے معلوم ہے بلوائے بغیر آپ کبھی نہیں آئی۔" محترم جہانگیر بیگ صاحب!"

"وہ بھی آئیں گے.....فی الحال تو ملک سے باہر ہیں۔" آپی نے مسکرا کر جواب دیا۔تبھی شوبی اندر آیا۔آتے ہی زوہیب کے پھولے ہوئے گال کو پیار سے کھینچا' وہ پُر زور احتجاج کرتے ہوئے رونے لگا۔

"بدتمیز شخص کیسے ماموں ہو؟" مونا نے زوہیب کو فوراً ساتھ چمٹا لیا۔

"بس ایسے ہی ماموں ہیں۔" شوبی ہنسا۔

"ہاں جلدی میں ایسے ہی دستیاب تھے۔" عزیر بھی ہنسا۔تبھی شوبی اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"ممی بلا رہی تھیں آپ کو۔" عزیر کو اطلاع دی۔وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے بہت ہولے سے ممی کے کمرے کے دروازے پر دستک دی' پھر ان کی آواز آنے پر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔پاپا بھی وہیں موجود تھے۔قدرے پُرسوچ انداز میں ایک جانب دیکھے جا رہے تھے۔جبکہ ممی اس کے آنے پر اس کی جانب دیکھ رہی تھیں' وہ قدرے چونک گیا' جھگڑا تو ان میں کبھی ہوا نہ تھا' اتنے ایٹی کیٹس تو وہ رکھتے تھے کہ اپنے درمیان ہونے والی باتوں کو اور چھوٹے موٹے کرائسس کو خود ہی ہینڈل کر کے حل کر سکیں۔کم از کم بچوں کو کبھی کسی بات کی خبر نہیں ہوتی تھی۔عزیر کو بھی یہ دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ممی کبھی جاہل عورتوں کی طرح چیخ یا چلا رہی ہوں' یا پھر غصے میں برتن اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی ہوں' یا پھر کبھی گلدان پر اپنا غبار نکال رہی ہوں۔پاپا تو تھے ہی بہت پولائیڈ قسم کے انسان' غصہ جنہیں شاید آتا ہی نہ تھا' اور یا پھر اگر آتا بھی تھا' تو وہ اس پر قابو کرنا جانتے تھے' بہر حال جو بھی تھا عزیر نے اپنی ستائیس سالہ زندگی میں کبھی بھی انہیں روایتی میاں بیوی کی طرح لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا تھا۔یا پھر کسی اور الجھن میں مگر آج پاپا اور ممی دونوں کے چہرے متفکر تھے' سوچوں کے جال جہاں تنے ہوئے تھے۔

عزیر پہلے تو دروازے تک ہی رک گیا' پھر ممی نے بلایا تو آگے بڑھ آیا۔

"خیریت.....!" ممی بولیں' تو وہ ان کے سامنے والے کاؤچ پر ٹک گیا' اس کے بعد اگرچہ وہ منتظر تھا ان کی جانب سے کچھ کہنے کا' کچھ بتانے کا کم از کم یہاں بلانے کا جواز ہی جاننے کا۔مگر ممی پاپا دونوں ہی بہت خاموش تھے.....عزیر کا ذہن جیسے الجھنے لگا تھا۔اس سے قبل کہ وہ خود سے کچھ دریافت کرتا ممی اس کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔

"عفاف ٹھیک ہے اب؟" وہ جب سے آیا تھا' انہوں نے پہلی مرتبہ عفاف کے متعلق دریافت کیا تھا۔وہ چونک کر دیکھنے لگا' اس کی چھٹی حس یکدم ہی کسی خطرے کا الارم دینے لگی۔اس نے سر اثبات میں ہلا کر ممی کو جواب دیا' تبھی وہ بولیں۔

"عزیز بیٹا میرا خیال ہے بات کو زیادہ الجھایا نہ جائے تو بہتر ہوگا۔" انہوں نے کوئی تمہید باندھے بغیر کہا۔

"تمہارے ماموں کا فون آیا ہے' انہوں نے عفاف کے متعلق آگاہ کیا ہے کہ عفاف کچھ عرصہ قبل کسی ذہنی و دماغی بیماری کا شکار رہ چکی ہے۔" ممی نے آخر کار اپنی پریشانی کی وجہ ظاہر کر دی تھی' اور تب وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگا تھا۔

"ماموں نے..... مگر ماموں کو کیسے خبر ہوئی؟"

"تو کیا یہ واقعی سچ ہے؟" ممی نے اس کے انداز سے اخذ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ممی عفاف نے جو کچھ مجھے بتایا تھا' وہ میں سرسری طور پر آپ کو بتا چکا ہوں۔ وہ ماضی میں ذہنی خلفشار کا شکار رہی ہے' مگر وہ اس نہج کی نہیں تھی کہ خدانخواستہ۔"

"کہ پاگل پن کے زمرے میں آئے۔" ممی نے اس کی بات کو مکمل کیا' اور اس سے قبل وہ کچھ بولتا ممی چلتے ہوئے اس کے قریب آگئیں' اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا محبت اپنی جگہ' مگر ایک پاگل لڑکی سے کسی بھی قسم کا ناطہ جوڑنا یا تعلق استوار کرنا اپنے آئندہ آنے والوں کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکتا ہے' بات سوچ بچار کی ہے' موروثیت کے متعلق تو تم بھی جانتے ہو' ہم نہیں چاہتے کہ کل کو ہماری نسل میں کوئی ایب نارمل بچہ جنم لے۔ یہ سچ ہے کہ تم اکلوتے نہیں ہو' تاہی خاندان کی تمام تر ذمے داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ یقیناً شوبی بھی اس خاندان کا بچہ ہے' مگر بیٹا تم بڑے ہو..... تم سے چلنے والی نسل سے ہی ہماری شناخت ہوگی' یہ خدشہ نہیں ہے کوئی انس اے فیکٹ تم خود سمجھ دار ہو!" ممی نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے دیکھا تھا' اور وہ جیسے خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھتا چلا گیا تھا' ذہن میں جیسے ایک ہی لفظ کی گردان ہو رہی تھی۔

"پاگل لڑکی! پاگل لڑکی!" اور تبھی وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ "ممی وہ پاگل نہیں ہے۔"

"اوکے!" ممی نے اس کے کہنے پر سر ہلایا۔ تبھی وہ بولا۔

"ممی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اس لیے ایسا کہہ رہا ہوں ممی آپ نے خود اس سے بات کی ہے' ملی ہیں آپ اس سے' کیا وہ آپ کو پاگل لگتی ہے۔"

"بیٹا فی الحال تو وہ نارمل ہی لگ رہی ہے' مگر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ مستقبل میں بھی

ایسا ہی ہو' بات ایک جنریشن کی ہے بیٹا!"

"ممی ایک جنریشن کے لیے آپ چاہتی ہیں میں اس لڑکی کا اعتماد چکنا چور کر دوں' اور گارنٹی تو کسی بھی بات کی نہیں دی جا سکتی۔ کیا پتہ ابھی میں آپ سے بول رہا ہوں' بات کر رہا ہوں چند لمحوں میں میری ذہنی رو بہک جائے یا میں رہوں ہی نا۔"

"خدانخواستہ!" ممی کا دل فوراً ہی دہل گیا۔

"آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں نا' جس طرح آپ مجھے نہیں چھوڑ سکتیں' مجھے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتیں' اسی طرح میں بھی اس لڑکی کو ہرٹ نہیں کر سکتا۔ آپ خود سوچئے شادی میں کتنے تھوڑے سے دن باقی ہیں۔ کیا گزرے گی اس لڑکی کے دل پر جسے فقط یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ وہ کسی شخص کے غلط اور غیر انسانی رویے کے باعث فقط ذہنی خلفشار کا شکار رہی ہے' ممی وہ پیدائشی پاگل نہیں تھی' اگر وہ کچھ عرصہ تک ذہنی طور پر ڈسٹرب رہی' تو اس میں ہاتھ دوسرے لوگوں کا بھی تھا۔

"مگر بیٹا ہم کسی کے کیے کا ازالہ ادا نہیں کر سکتے۔" ممی نے اس قدر سرد لہجے میں کہا کہ وہ کئی لمحوں تک کچھ بول ہی نہ سکا۔ اس نے اس لمحے پاپا کی جانب دیکھا تھا' مگر وہ اس جانب متوجہ نہ تھے..... مسلسل جیسے کسی سوچ میں الجھے ہوئے تھے۔ تبھی وہ بولا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟ میں چھوڑ دوں اس لڑکی کو' اتنا آگے لا کر اس موڑ پر....." اور ماموں کو کیا الہام ہوا تھا وہ کس طرح جانتے ہیں عفاف کو؟" وہ بولا تھا' اور پھر لمحہ بھر کو اس کا ذہن اس جانب گیا تھا۔ عفاف کا یکدم ہی بیمار پڑ جانا' اور پھر بہت سے اندیشوں کا اس کی آنکھوں سے پانی کی صورت چھلکا۔

"میں مر جاؤں گی....." اس کا کانپتا ہوا وجود' اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں' آواز میں حد درجہ بے بسی اور وہ یکدم ہی جیسے ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔

"پاپا! کیا آپ کی بھی یہی مرضی ہے؟" وہ جانے کس خیال کے تحت پوچھنے لگا تھا' اور تب کب کے چپ چاپ سے بیٹھے حسن آفندی نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تمہارا جو دل کہہ رہا ہے وہی مان لو۔"

"زندگی تمہاری ہے بیٹے..... میرے خیال سے اسے آزادانہ طور پر گزارنے کا حق بھی تمہیں ہی حاصل ہونا چاہیے' ہم کوئی روایتی ماں باپ نہیں ہیں..... تمہاری ممی کے ذہن میں

بھی ایک خدشہ ہے جو کہ یقیناً تم سے محبت کے باعث ہے ضروری نہیں کہ ویسا درحقیقت بھی ہو..... مستقبل کے بارے میں کبھی کوئی پری ڈکٹ نہیں کر سکتا' اور پھر تمہارے عبداللہ ماموں کی رائے کوئی اتنی مستند بھی نہیں۔ سب سے بڑے خیر خواہ یقیناً ہم اپنے خود آپ ہوتے ہیں۔"

پاپا نے کہا تو وہ ممی کی جانب دیکھنے لگا' جواب رخ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھیں۔

اور تب وہ کچھ بھی کہے بغیر کمرے سے اٹھ کر باہر نکل آیا تھا۔

"ایک طرف جنت تھی' اور دوسری طرف محبت..... فیصلہ بہت مشکل تھا۔ اگر وہ عبداللہ ماموں کے متعلق ممی کو بتا بھی دیتا' تو ایک تو ماموں کا امیج خراب ہوتا' اور دوسرے شاید وہ اس بات کو قبول بھی نہ کر پاتیں' اور قبول تو وہ خود بھی نہ کر پا رہا تھا۔ ماموں کو ہمیشہ اسے نے بہت بلند مرتبے پر رکھ کر دیکھا تھا' مگر کس قدر مختلف نکلے تھے وہ! اس کا ذہن بہت الجھ گیا تھا۔

✦ ◈ ✦

ایک عجیب تناؤ کی کیفیت تھی' کتنے دن سے وہ سوچتا اور جیسے خود سے بھاگتا رہا تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے' اور گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرتا جا رہا تھا۔ رسموں کے دن قریب تھے' اور وہ فیصلہ سرے سے کر ہی نہ پایا تھا' اس نے بارہا سوچا تھا' اور جواب میں ہر بار عفاف کی افسردہ نگاہیں اس کے ذہن کی اسکرین پر نمودار ہو جاتی تھیں' جہاں وہ کوئی فیصلہ کرنے لگتا۔

وہاں جیسے پل بھر میں ہی دل مدمقابل آن کھڑا ہوتا۔

وہ ممی کو ہرٹ کرنا قطعی نہیں چاہتا تھا' مگر ان کی خوشی اور مرضی کے بغیر کوئی قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتا تھا' اس نے سنا تھا' جن تعلقات میں والدین کی مرضی اور رضامندی شامل نہیں ہوتی' وہ تعلقات اگر زبردستی استوار بھی کر لیے جائیں تو وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ شاید اس میں بزرگوں کی دعائیں شامل نہیں ہوتی ہوں گی' اس نے یہی قیاس کیا تھا' مگر بہرحال وہ کوئی بددعا لے کر اپنی نئی زندگی کا آغاز نہیں کر سکتا تھا۔ مائیں بددعائیں قطعی نہیں دیتیں' بلکہ ان کی بددعائیں دعاؤں کی مانند ہوتی ہیں' مگر وہ ماں کی رضامندی کے بغیر قطعی کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کتنے دن سے ممی نے اس سے بات نہ کی' ان کا رویہ بہت سرد تھا' جس دن عفاف کی مایوں تھی' اس سے ایک دن قبل ہی اس نے اسے فون کیا۔ اس کی کیفیت ویسی ہی تھی' کھوئی کھوئی' بے یقین' گم صم اور اس نے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ اس موقع پر کوئی شرارتی جملہ بھی نہیں کہا تھا' پیچھے ڈھولک کی آوازیں آ رہی تھیں' غالباً فاطمہ اور فہد اپنے دوستوں کے ساتھ جمع ہو کر ہلہ گلہ کر رہے تھے۔

لڑکیاں مایوں کی تقریب کے حوالے سے گیت گا رہی تھیں۔

اور دلہن بے انتہا چپ چاپ کان سے ریسیور لگائے کھڑی تھی' اور اس لمحے عزیر کے پاس بھی جیسے کوئی لفظ نہ تھے۔

نہ خوشی کے اظہار کے.....

نہ محبت کے.....

خاموشی سی خاموشی تھی' اور اس لمحے جیسے عفاف بھی اسی طرح پتھر ہو رہی تھی۔

"پیلا جوڑا پہنا ہے تم نے.....؟" اس نے جانے کیوں پوچھا تھا۔

"ہوں....." عفاف نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہو؟" عجیب سا سوال تھا..... عفاف کوئی جواب نہ دے سکی تھی' تبھی اس نے پکارا تھا۔

"عفاف.....!" لہجہ بے حد دھیما تھا۔

"ہوں....." عفاف کا دل جانے کیوں یکبارگی دھڑکا تھا۔

"کوئی بات کرو.....! کوئی میٹھی سی بات..... بہت کڑواہٹ سی ہے اندر تک؟"

"عزیر کیا آپ کو لگتا ہے کہ اب لفظوں کی ضرورت باقی بچ گئی ہے۔" وہ جیسے بتائے بغیر سب کچھ جان گئی تھی۔

"عزیر ہم بچے نہیں ہیں' نہ ہی ہمیں دنیا کی پروا کرنی ہے' جن راستوں پر چلنے کے لیے سمجھوتے معاہدے ہوں' ان پر نہ چلنا ہی بہتر ہے۔ ابھی ہم بہت آگے تک نہیں آئے' واپسی کے بہت سے راستے کھلے ہیں' ہم واپس پلٹ سکتے ہیں۔ ہمیں بنا کسی تردد کے واپس اپنی اپنی سمتوں کی جانب پلٹ جانا چاہیے۔ دنیا کیا کہے گی اس بات کو چھوڑو۔ ہم جانتے ہیں' وہ جیسے لہجے میں بولتی چلی گئی....." "ہم چپ ہیں یہ پہلی دلیل ہے اس بات کی' ہم اس سفر کا آغاز کیونکر

کریں' اس راستے پر کیوں چلیں' جہاں جا کر نہ ہمارے پاس چہرہ بچے اور نہ آنکھیں' وہ موڑ جہاں پر جا کر ہم رکیں' اور ایک دوسرے کو الزام دیتے ہوئے اندھی آنکھوں واپسی کے سفر اختیار کریں..... تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ابھی سے اس بات کا فیصلہ کر لیا جائے' اور ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہہ کر اس تمام سلسلے کو موقوف کر دیا جائے۔''

''عفاف!'' اس نے جیسے اسے کچھ مزید کہنے سے باز رکھا۔

''عزیر ہمیں خود کو مزید کوئی دھوکہ نہیں دینا..... پلیز کچھ مت کہو۔''

''جی لوگی میرے بغیر؟''

''ہوں.....'' اس نے کڑے ضبط سے کہا' اور اس سے قبل کے ضبط ٹوٹتا اس نے بڑے ضبط سے کہا۔

''اللہ حافظ عزیر حسن آفندی!'' اور پھر سارے رابطے جیسے ٹوٹ گئے..... سارے تعلق اس ایک جملے بعد اختتام پذیر ہو گئے۔

عزیر نے بہت لمحوں تک گم صم ریسیور کو تکا' پھر ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا' اور پھر بہت سست قدموں سے چلتا ہوا ممی کے کمرے میں آ گیا۔ وہ سامنے کاؤچ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

اس نے بہت تھکے تھکے قدموں سے ان تک کا سفر کیا' قریب جا کر ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا' اور پھر ان کی جانب کچھ لمحوں تک تکا' اور پھر سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا' کیسا انداز تھا شکست کا۔

ہار کا..... وہ لمبا چوڑا شخص' جیسے ٹوٹا بکھرا جا رہا تھا۔ ممی نے چند لمحوں کو اپنے ہونہار سپوت کو دیکھا تھا' پھر بہت دھیرے سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا پھر بولیں تھیں۔

''عبداللہ بھائی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا' کل رات ہی ان کے ہاں سے فون آیا' جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے' تب ہی اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی کا خیال آتا ہے' یقیناً مجھ سے بھی بہت بڑی کوتاہی ہونے جا رہی تھی۔'' ممی بولیں تو وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں بڑی بے یقینی تھی' تبھی ممی مسکرا دیں۔

''کوئی ماں اتنی ظالم نہیں ہو سکتی کہ اپنے بیٹے کا دل اجاڑ ڈالے۔'' ممی محبت سے لبریز لہجے میں بولیں تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''نہیں ممی..... مجھے شرمندہ مت کیجیے آپ میری جنت ہیں۔''

''تو اپنی اس جنت کے لیے محبت قربان کرنے جا رہا تھا۔'' ممی نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

''پگلے مجھے آگاہ کیوں نہیں کر دیا۔'' ممی کو لمحہ بھر میں اپنی تربیت پر رشک آیا' کتنا سعادت مند بیٹا تھا۔

''ممی! میں ماموں کا امیج خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ میرے بزرگ ہیں' حالانکہ یہ انکشاف خود میرے لیے بہت بڑا تھا' مگر ممی!'' ممی نے دریافت کیا۔

''اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے سرشار سا ہو کر دوبارہ بچوں کی طرح ممی کی گود میں سر رکھ دیا۔

''آئی لو یو ممی!'' وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولا' تو ممی مسکرا دیں۔

''کل میرے بیٹے کی رسم اینگیجمنٹ ہے۔'' ممی بولیں' تبھی اس کا دھیان لمحہ بھر میں عفاف کی جانب چلا گیا۔

''ممی آپ کی اجازت ہو تو آپ کی بہو کو منانے چلا جاؤں۔'' وہ سر اٹھائے مسکراتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ لمحہ بھر پہلے جب وہ کمرے میں داخل ہوا تھا' تو جیسے برسوں کی تھکن اس کے ساتھ تھی۔ جسم جیسے روح سے خالی تھا' اور اب لمحہ بھر میں کیسی زندگی دوڑ رہی تھی' اس کے چہرے پر ممی اس کا سرشار سا چہرہ دیکھ کر مسکرا دیں اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تھینک یو ممی.....!'' وہ بولا اور پھر اٹھ کر باہر نکل گیا' اور ممی سوچنے لگی ان کی ذرا سی کوتاہی ایک ہنستے بستے دل کو ہمیشہ کے لیے سناٹوں کی مہیب گہرائیوں میں دفن کرنے جا رہی تھی' اور اگر ویسا ہو جاتا تو!'' اور وہ یہ سوچ کر ہی دہل گئی تھیں۔

''خدایا شکر ہے تو نے مجھے ایک ناانصافی کرنے سے بچا لیا۔

شادی کا گھر جیسے ماتم کدہ تھا' وہ داخل ہوا تو سامنے ہی لاؤنج میں فاطمہ بیٹھی نظر آ گئی۔

''وہ کہاں ہے؟'' اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

''اپنے کمرے میں ہے۔'' وہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ ''پاگل لڑکی ہے۔ بالکل منہ سر لپیٹے اپنے کمرے میں پڑی ہے۔ میں نے آپ کے فون کے متعلق نہیں بتایا۔ اتنی اگریسو ہو رہی ہے' مجھے تو ڈر لگ رہا تھا جس طرح وہ کمرے کی اشیاء کو اٹھا پٹخ کر

رہی تھی' مجھے لگ رہا تھا جیسے ایک لمحے میں مجھے بھی اٹھا کر ایک طرف پھینک دے گی۔'' وہ مسکرائی۔'' جانے آپ کا کیا حال کرے گی۔'' وہ مسکرایا۔

''بے فکر رہو مجھے اسے ہینڈل کرنا آتا ہے۔ بوا کہاں ہیں؟''

''وہ بھی اپنے کمرے میں ہیں۔'' فاطمہ نے بتایا تو وہ سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''عزیر!'' فاطمہ نے پیچھے سے پکارا' وہ لمحہ بھر میں رک کر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔''

''بیسٹ آف لک.....!'' اس نے انگوٹھے کا نشان دکھانے کے ساتھ ہی [illegible] دوستانہ انداز میں کہا' تو وہ مسکرا دیا۔

''تھینک یو.....!''

اس نے بہت ہولے سے کمرے کا دروازہ کھولا' وہ بالکل سامنے ایزی چیئر پر آنکھیں موندیں بیٹھی تھی۔ پیلے جوڑے میں رنگت بھی بے حد پیلی ہو رہی تھی۔ اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کرنے کے بعد بھی اس کے نام کا جوڑا نہ اتارا تھا' محبت کا کتنا دلربا انداز تھا۔

''ایک طرف.....انکار.....اور دوسری طرف اسی آگ میں دہکنا۔

وہ لمحہ بھر کو مسکرایا' اور پھر ہولے قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ پھر لمحہ بھر تک اسے یونہی تکا' پھر آہستہ سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا' کچھ لمحوں تک اسے یونہی تکا پھر آہستہ سے اس پر جھک گیا۔

محبت نے دھیرے سے پیشانی پر دستک دی.....وہ جھٹ سے آنکھیں کھول کر [illegible] گئی' دیکھتی چلی گئی' جیسے سارا منظر خواب ہو' وہ بے یقین انداز میں سر نفی میں ہلانے لگی۔

''عزیر حسن آفندی پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرو۔

میں صرف جانا چاہتی ہوں تمہیں' پلیز مجھے یوں یاد مت آؤ پاگل ہو جاؤں گی۔'' وہ اسے خواب وخیال سمجھ کر مخاطب ہوئی۔

عزیر نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھاما۔

پاگل تو تم ہو میری دیوانی.....میری پگلی!''

وہ مسکرایا' وہ جیسے یکدم خواب سے جاگ گئی' فوراً اٹھ کھڑی ہوئی' اور اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ تکنے لگی' گویا وہ خواب نہیں واقعی حقیقت تھا۔ اس کی کیفیت پر جانے کیوں وہ [illegible] وہ جانے کیوں دو قدم دور جا رکی' عزیر نے مضبوط ہاتھ بڑھا کر اسے تھاما۔

''آئندہ مجھے بھولنے کی بات مت کرنا کوئی خواب وخیال نہیں ہوں۔ ایک حقیقت ہوں جیتی جاگتی.....تمہارے روبرو ہوں اور تمہارا ہوں.....سرتا پاؤں اپنی دیوانی کے سامنے.....یقین کرو۔'' وہ دھیمے لہجے میں جیسے سرگوشی کرتا ہوا شرارت سے مسکرایا تھا۔

اس کی کمر کے گرد اس کا بازو حمائل تھا۔ اس کے باوجود میں لمحہ بھر میں جیسے بجلی سی کوندنے لگی تھی۔ ہر قسم کی کیفیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی' سانسوں میں سنسناہٹ سی تھی۔

''تم.....آپ یہاں کیسے.....؟'' وہ یکدم بوکھلا گئی تھی' وہ اسے حواس باختہ دیکھ کر جیسے محظوظ ہوتے ہوئے ہنسا۔

''خود ہی تو جال بن کر قید کیا تھا.....اب اسیر کہاں تک بھاگتا' رہائی ممکن نہیں تھی۔'' اس کی خوبصورت زلفوں کو ہاتھوں سے چھوتے ہوئے جیسے مکمل استحقاق کے ساتھ شرارت کی۔

وہ لمحہ بھر میں الٹے قدموں چلتی ہوئی دیوار سے جا لگی' اس کی دیوانگی سمجھ سے بالاتر تھی۔ حواس خطا کیسے نہ ہوتے۔

''میں.....میں نے آپ سے کہا تھا.....''

''کیا.....؟.....محبت کا کوئی اظہار تو آج تک کان سننے سے محروم رہے' محبت کے دو لفظ بول تک تو تم نے کہے نہیں۔'' وہ مکمل طور پر غیر سنجیدہ تھا وہ زچ ہو گئی۔

''پلیز.....عزیر!'' آنکھیں یکدم ہی پانیوں سے بھر گئیں' تب وہ اسے دیکھتا ہوا دھیمے انداز میں مسکرایا۔ پھر اس کے سامنے جا رکا' اور ایک ہاتھ دیوار پر اور دوسرا ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''عفاف.....سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے۔ ہماری راہوں میں کہیں کوئی بند راستہ نہیں پڑتا۔ بلیوی.....!'' وہ اسے سنجیدہ ہوتے ہوئے یقین دلاتے ہوئے بولا' تو وہ اسے چونک کر دیکھنے لگی۔

''مگر.....!''

''اوں.....ہوں.....!'' ہاتھ شانے پر سے اٹھا کر اس کے لبوں پر رکھ دیا' اور کچھ مزید کہنے سے باز رکھا۔

''اپنی دلہن کو جی بھر کر دیکھنا چاہتا ہوں' مجھے تو معلوم ہی نہ تھا' ساجن کے نام لے جوڑے میں اتنے سادہ سے انداز کے باوجود حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔'' لہجہ اتنا گمبھیر تھا کہ اس کے چہرے پر یہاں سے وہاں کئی رنگ بکھرتے چلے گئے' اور اس سے قبل کہ وہ کچھ مزید کہتی وہ بولا۔

''زندگی ہار اور جیت نہیں ہے..... پیار بھی ہے' اور پیار میں اگر ارادے پکے اور یقین مستحکم ہو تو کامیابی ضرور ملتی ہے' ہو سکتا ہے ہمیشہ اور ہر ایک کے ساتھ ایسا نہ ہوتا ہو' مگر ہماری جیت' ہماری کامیابی' ہماری محبت کی ثابت قدمی کے باعث ہے..... ہم ساتھ تھے' ہم ساتھ ہیں' کچھ دیر کو راستے گجل ضرور ہوئے تھے' مگر اب ساری ڈور سلجھ چکی ہے' اب کوئی مشکل نہیں۔

''خوشبوؤں کا سفر ہمارا منتظر ہے کچھ مت سوچو مزید..... بس میری نظروں میں دیکھو..... دیکھو یہاں پیار ہے نا..... تم ہو نا۔''

وہ محبت لٹاتے لہجے میں بولا تھا۔

اور وہ اس لمحے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔

واقعی اس کی نظروں میں نا صرف اپنا عکس جھلملاتا نظر آ رہا تھا' بلکہ نظروں کی محبت بھری تپش' جیسے وجود کو اندر تک سلگا رہی تھی۔

وہ زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکی تھی۔

اور آنکھیں جانے کیوں اس گھڑی چھلکنے لگی تھیں۔

''اوں ہوں!'' عزیر حسن آفندی نے اس کی پلکوں کے سارے موتی محبت کی پوروں سے چن لیے تھے' اور تب اس کے پاس مزید کوئی جواز نہ بچا تھا' کوئی تردد باقی نہ رہا تھا۔

اس نے دل کی آواز کو بغور سنتے ہوئے بہت ہولے سے اس کے فراخ سینے پر سر رکھ دیا تھا' اور ایک اطمینان جیسے روح میں سرایت کرنے لگا تھا۔

جو شخص اپنی پوروں سے اس کی پلکوں کے سارے اشک چن سکتا تھا وہ مشکل راستوں کی تمام رکاوٹیں بھی یقیناً دور کر سکتا تھا۔

یہ اطمینان یہ یقین تمام عمر کے لیے کافی تھا۔

✦ ◈ ✖

میرے وائلن کے تاروں میں

ڈیوڈ برگنزا سے ملنے کے بعد وہ ''کراچی سکول آف میوزک'' سے نکل رہی تھی' جب ریناکبر چلتی ہوئی اس کے سامنے آ رکی۔

''تم.....؟'' وہ عجیب چونکنے والے انداز میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ فارینہ نے ہلکے سے مسکرا دی تھی۔

''تم شاید میری توقع نہیں کر رہی تھیں..... ہے نا؟''

نتالیہ کمال اسے کچھ دیر یونہی خاموشی سے تکتی رہی تھی' پھر سر نفی میں ہلاتی ہوئی اس کی طرف سے دھیان ہٹا گئی۔

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔'' بہت دھیمے لہجے میں کہہ کر وہ قدم اٹھانے لگی۔ فارینہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔ کتنے دنوں سے وہ اس سے کچھ کھنچی کھنچی سی تھی۔ کتنے دنوں سے صرف بھری سی رویوں میں در آئی تھی' اور ایسا نتالیہ کمال کی طرف سے زیادہ تھا۔ فارینہ کو یہ معلوم تھی' اور یہ اس کی غلط فہمی قطعی نہیں تھی' مگر وہ اسے جتانا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی اسی طرح سے اس سے بات چیت کر رہی تھی۔ اسے کسی بات کا احساس دلائے بغیر۔

''کیا عجیب عجیب شوق پال رکھے ہیں تم نے۔ اب بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔ تم ایک پر ریسرچ کر رہی ہو ہاؤ فنی۔'' فارینہ نے بہت دھیمے سے کہتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ نتالیہ کمال کے لئے نہ تو اس کا سوال نیا تھا' نہ ہی اس کا انداز۔ وہ چونکے بغیر بہت ملائمت سے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ تبھی فارینہ اکبر اسے بہت حیرت سے تکتی

ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"ایک بات کہوں؟"

"ہوں۔" وہ چہرے پر آئے بالوں کی لٹوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا' تم ان دنوں کچھ عجیب وغریب ہو رہی ہو؟" اس کا انکشاف اگر حیران کن تھا' مگر وہ چونکی نہیں تھی۔ رستے پر نگاہ جمائے یونہی چلتی رہی تھی۔ فارینہ اس کی خاموشی پر اسے دیکھتی ہوئی دوبارہ گویا ہوئی تھی۔

"گھر فون کیا تو بے بے سے پتہ چلا کہ تم یہاں ہو..... کیا واقعی تم ڈیوڈ برگنزا سے وائلن بجانا سیکھ رہی ہو؟" فارینہ کا لہجہ حیران کن تھا۔ نتالیہ کمال چہرے کا رخ پھیرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"تمہیں اعتراض زیادہ کس بات پر ہے' میوزک پر' ریسرچ کرنے پر' یا پھر ڈیوڈ برگنزا سے وائلن سیکھنے پر؟" فارینہ نے اسے دیکھا تھا' پھر ہنس دی تھی۔

"سچ کہوں..... دونوں باتوں پر..... ایسے تم کیا سمجھتی ہو' کیا یہ سودمند ہے۔ تمہیں ریسرچ ہی کرنا تھی' تو کسی مستند ٹاپک پر کی ہوتی۔ اس میوزک کی کیا لوجک ہے' اور وہ بھی پاپ میوزک..... اگر کسی ڈھنگ کے موضوع کا انتخاب کیا ہوتا تو باقاعدہ ایم فل کی ڈگری ملتی' پھر پی ایچ ڈی کے لئے راہ نکل آتی۔ کسی بین الاقوامی یونیورسٹی میں تمہارا تقرر ہو جاتا' اگر تم سمجھ رہی ہو کہ ان اوٹ پٹانگ چکروں میں خود کو کھپا کر تم کوئی معرکہ سر کر سکو گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اب تک کم از کم یہ مذہبی سرزمین' ایسی ریسرچز کے لئے قطعاً سودمند نہیں۔ سب یورپین لوگوں کے چونچلے ہیں۔ جنہیں نہ صرف حکومت سے اس سلسلے میں بھاری گرانٹ ملتی ہے' بلکہ داد وتحسین بھی۔ یہاں ایسا کرنے کا مطلب ہے' فقط وقت کا زیاں اور پیسے کا بے جا خرچ۔" فارینہ کا انداز ناصحانہ تھا' مگر نتالیہ کمال کے چہرے کا اطمینان بدستور برقرار تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے فارینہ کی طرف دیکھا تھا۔

"یہی تو بات ہے' میں مٹریلسٹک نہیں ہوں۔ اس لئے جو چاہتی ہوں' کرتی ہوں۔ بھابھی چھوڑو' کوئی کام تھا کیا؟" وہ دوسرے ہی پل بہت رسانیت سے دریافت کر رہی تھی۔ فارینہ اکبر اس کا چہرہ تکتی رہ گئی تھی۔ پھر جانے کیا سوچ کر قدرے توقف سے سرنفی میں ہلا

تھا۔

"کیا ہم کسی کام کے بغیر نہیں مل سکتے.....؟"

اور نتالیہ تب شاید مروتاً بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔ تبھی فارینہ اکبر اسے دیکھتے ہوئے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"تمہیں فقط ایک فرد واحد کے کئے کی سزا ساری دنیا کو نہیں دینی چاہئے۔ تم دن بدن خود کو تنہا کرتی چلی جا رہی ہو۔ تمہیں کیا لگتا ہے' کیا ایسا کر کے تم جی سکو گی؟"

"آئی ایم آل رائیٹ..... اسٹل آل رائیٹ!" وہ دھیمے انداز میں اپنے مخصوص پُراعتماد لہجے میں گویا تھی۔

"اپنا نہیں تو بے بے کا خیال کرو..... فیضی کا خیال کرو۔ آخر تم اتنی انتہا پسند کیوں ہو رہی ہو؟"

نتالیہ کمال نے اسے سرسری انداز میں دیکھا تھا' پھر حتمی انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"کیا یہی سب باور کرانے تم یہاں آئی تھیں؟"

"نتالیہ کمال!" فارینہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا' مگر وہ اسی سرد مہر انداز میں ایک جانب دیکھتی رہی تھی۔

"مت سزا دو خود کو' اس قدر نتالیہ کمال' اپنے گرد خول اتنا تنگ مت کرو کہ تم تنہا رہ جاؤ' پھر..... " فارینہ اکبر کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی' پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس پر ایک نگاہ ڈالتی ہوئی پلٹی تھی' اور اس سے دور نکلتی چلی گئی تھی۔

نتالیہ کمال نے بہت خاموشی سے اس منظر کو دیکھا تھا' پھر چہرے کا رخ پھیر کر بہت آہستگی کے ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔

✦ ◈ ✦

چلو کچھ دیر انتظار کریں!
شاید کہ اس کے دل سے بدگمانی کی برف پگھل جائے!
شاید کہ اس کی انا کا سورج ایک دن ڈھل جائے!
شاید کہ وہ بھی ہم سے ملنے کو مچل جائے!

چلو کچھ دیر انتظار کریں!
مقدر کی تاریک راتوں کے جانے کا!
اس بچھڑے دوست کے لوٹ آنے کا!
اس کو بھی خیال آئے ہمیں منانے کا!
چلو کچھ دیر انتظار کریں!

وہ آنکھیں میچے ایک بے خودی کے عالم میں وائلن کے سُر بکھیرے جا رہی تھی۔ کمرے میں بکھری دُھن نے پورے ماحول کو اپنے سنگ باندھ لیا تھا۔ بہت زیادہ اضطراب' جیسے اس پورے ماحول میں رقص کر رہا تھا۔ ایک عجب یاسیت تھی' سوگواری تھی' جو ماحول پر طاری تھی۔

ساز میں سوز تھا' کرب تھا۔

نتالیہ کمال کا اندر جیسے محوِ گفتگو تھا۔ اس کا دل جیسے بول رہا تھا۔ کیسی سرگوشیاں تھیں کہ پورے ماحول کو سوگوار کر رہی تھیں۔ کیسی باتیں تھیں کہ اضطراب بن کر ساری فضا کو اپنے سنگ باندھتی چلی جا رہی تھیں۔

پورا کمرہ جیسے اس اندر سے نکلنے والی دُھن کی لپیٹ میں تھا' اور وہ خود میں محو کومل لڑکی مسلسل وائلن کے تاروں سے کھیلتے ہوئے اپنے اندر کا بوجھ ہلکا کرتی جا رہی تھی۔

پچھلے دنوں جب وہ میوزک ریسرچ کے سلسلے میں ''کراچی سکول آف میوزک'' گئی تھی' تو اس کے علم میں نہ تھا کہ وہاں جا کر اسے اپنے ''اندر'' کو باہر لانے کا اس طرح بھی موقع ملے گا۔ وہ سب کچھ جو اس کے اندر تھا' اور وہ سب کچھ جو فرسٹریشن کا سبب تھا' جو ڈیپریشن پیدا کرتا تھا' اور وہ اندر ہی اندر کھلتی جا رہی تھی۔

''میوزک ایموشنز کا بہترین اظہار ہے' جو آپ کے اندر ہے' اسے باہر منتقل کر کے آپ کو ریلیف پہنچاتا ہے' ریلیکس کرتا ہے' اگر آپ کو خود سے باتیں کرنا ہیں' تو میوزک کا سہارا لیجئے' اگر آپ کو خاموشی مار رہی ہے' تو میوزک کے ذریعے گفتگو کرنا سیکھئے..... ساز سے اس خاموشی کو زبان دیجئے..... اگر بہت سے سوال آپ کو مسلسل درپیش ہوں' اور مسلسل آپ قتل ہو رہے ہوں' تو ان سوالوں کے جواب اس ساز کے ذریعے تلاش کیجئے۔ بہت سے قتل کرنے والے سوالات اس بولتی چپ سے آپ کو دم توڑتے محسوس ہوں گے۔ بجائے خود کو

ان سوالات میں دفن کرنے کے' ان کے جوابات تلاش کرنا آسان راہ ہے' اور یہ قطعاً مشکل نہیں۔ میوزک ایک مکمل زبان ہے' ایک مکمل اظہار ہے' بہت سے قتل کرنے والے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی ایک آسان راہ ہے۔''

ڈیوڈ برگنزا کی آواز پر اس کے قدم خود بخود تھم گئے تھے' اور وہ عجیب سی بے خودی کے انداز میں چلتی ہوئی ان کے قریب جا رکی تھی' اور تب وہ ایک فیصلے پر پہنچتی ہوئی بہت آہستگی سے ان سٹوڈنٹس کی فہرست میں شامل ہو گئی تھی۔ شاید اسے بھی ان بہت سے خاموشی سے قتل کر دینے والے سوالات کا سامنا تھا' جن کے جوابات اس کے پاس تاحال نہیں تھے' اور وہ خاموشی کے ساتھ اپنے وجود کو ان سوالات تلے خود کو دفن ہوتے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ تبھی وہ وائلن کے تاروں سے کھیلنے لگی تھی۔

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے' مرے وائلن کے تاروں میں

پہلے پہل جب اس نے وائلن کے تاروں کو چھوا تھا' تو وہ حیران ہوئی تھی۔

اس نے جب سُر چھیڑے تھے' تو جیسے اس کا سارا اندر بولنے لگا تھا۔ پہلے پہل اسے ان باتوں کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

زبان نافہم تھی' انداز دقیق تھا' اور وہ الجھتی ہوئی تاروں سے کھیلتی چلی گئی تھی' اور تب آہستہ آہستہ اسے ان خاموشیوں کی زبان سمجھ آنے لگی تھی۔

تب کیسے کیسے انکشافات ہوئے تھے' اس پر اور وہ اس بولتی چپ کو سنتی ہوئی ساکت سی رہ گئی تھی۔ وہ تو ابھی تک انہی منظروں میں قید تھی..... اسی ماحول کا حصہ تھی۔ اسی جادو کے زیر اثر تھی۔ اسی خیال کے سنگ ہاتھ تھامے بے خودی سی چل رہی تھی۔ بولنے کا قصد کیا تھا..... بھلانا بھی چاہا تھا۔ ہزار ہا کوششیں بھی کی تھیں' مگر کیسے بے سود رہا تھا سب کچھ.....

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے' مرے وائلن کے تاروں میں

دل کیسے چونکا تھا' لمحہ بھر میں..... تو کیا..... وہ اب بھی اس کے اندر تھا' اس کے سنگ سنگ تھا۔ اس کے ساتھ نہ ہو کر بھی..... ہاتھ چھڑا لینے کے بعد بھی۔ کیا اب بھی..... سارے خیال اسی کے سنگ بندھے ہوئے تھے۔ اسی کے باعث اندر اتنا ہجوم سا تھا۔

اور تب اس نے وائلن اٹھا کر ایک طرف اچھال دیا تھا' اور کتنے مزید طریقوں سے خود اپنے آپ کی نفی کرنے لگی تھی۔

کتنی..... کتنی کوششیں ''رائیگاں'' گئی تھیں۔

کتنے ''عمل'' بے عمل ٹھہرے تھے' اور تب اس پر کھلا تھا کہ سب بے سود ہے' اور ساری کوششیں رائیگاں ہیں۔

کمرے میں ایک کونے میں پڑا وائلن گرد سے اٹ گیا تھا' اور وہ بھاگتے بھاگتے تھک گئی تھی۔ اندر چیختے چلاتے سوال اسے دن بدن قتل کرتے جا رہے تھے' کیونکہ اس کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا' اور وہ بہت چپکے سے اپنے وجود کو ان سوالات تلے دفن ہوتا دیکھ رہی تھی۔

کتنے دن اسی کیفیت میں گزر گئے تھے' اور تب جب وہ اس سارے عمل سے تھک گئی تھی' تب اس نے ایک روز چپکے سے وائلن کو اٹھا لیا تھا' اور اسے ملائم نرم ہاتھوں سے اس پر جمی گرد کو ہولے ہولے پونچھنے لگی تھی' اس کے پرتپش ملائم ہاتھوں کا لمس پاتے ہی جیسے وائلن کے سارے سوئے سُر جاگ اُٹھے تھے۔ سارے راگ جیسے زندہ ہو گئے تھے۔

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے

وہ بس رہا ہے' مرے وائلن کے تاروں میں

مگر اب وہ بھاگنا نہیں چاہتی تھی' جان گئی تھی کہ یہ سب بے سود ہو گا۔ اس کے اندر کی بولتی چپ اسے چپکے چپکے مارتی چلی جائے گی' اور وہ اس ''خاموشی'' کے ہاتھوں دن بدن موت تلے دفن ہوتی چلی جائے گی۔ تبھی وہ رک گئی تھی' اور اپنے اندر کی تمام تر خود اعتمادی کو جمع کرتے ہوئے اپنی منقسم ذات کو پھر سے یکجا کرنے لگی تھی۔ مجھے تم سے محبت نہیں ہے آہن التمش۔

ہاں نہیں ہے مجھے تم سے محبت!

تمہیں میں اندر سے باہر نکال دینا چاہتی ہوں۔

اپنے وجود کو خالی کر دینا چاہتی ہوں..... ہر احساس سے!

میں ان تمام سوالات کے جواب پانا چاہتی ہوں' جو چپکے چپکے مجھے قتل کر رہے ہیں۔

میں تمہیں بھول جانا چاہتی ہوں آہن التمش!

مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔

وہ اپنی پوری طاقت سے چیختی چلی گئی تھی' اور کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ رخساروں کو بھگوتے ہوئے اس کی نفی کرتے چلے گئے تھے۔

✦ ◈ ✖

بے بے نے شیشوں کے آگے سے پردے سرکائے تھے' اور سورج کی روشنی شیشوں سے چھن کر آتی ہوئی ڈائریکٹ اس کے چہرے پر تھی۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ بے بے نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''آج یونیورسٹی نہیں جانا تجھے؟'' اس پر جھک کر بہت محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ مکمل طور پر جاگتی ہوئی انہیں دیکھنے لگی تھی۔ تبھی بے بے گویا ہوئی تھیں۔

''فیض کہہ رہا تھا' اگر تم چاہو تو یونیورسٹی کے بعد کا وقت تم اس کے ساتھ بزنس پریکٹس کرتے ہوئے گزار سکتی ہو۔ یوں بھی ایم بی اے کر کے تمہیں گھر تو بیٹھنا نہیں ہے۔ اسی بہانے اِدھر اُدھر کی سوچوں سے بچ جاؤ گی۔ تمہارا فیجر مارکیٹنگ ہے نا' بتا رہا تھا اچھا خاصا سکوپ ہے اس کا۔ بس تم کل سے فیض کی طرف چلی جانا۔ سگا ماموں نہ سہی..... تمہاری ماں کا فرسٹ کزن ہے۔ ماموں ہی ہے۔ تمہارا بھلا ہی سوچے گا۔'' بے بے نے کہہ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کمبل ایک طرف ہٹاتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل سے ہیئر کیچ اٹھاتے ہوئے بالوں کو مقید کیا تھا' پھر سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''آپ بشیر سے کہہ کر ناشتہ تیار کروا دیجئے۔ میں تیار ہو کر پہنچ رہی ہوں۔''

بے بے نے اسے بغور دیکھا تھا۔ چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ تھکن کے آثار واضح ترین تھے۔

''کیا حشر کر لیا ہے اپنا تم نے..... کسی ایک مرکز پر جم کر رہو تو یہ حال تو نہ ہو۔ ایک وقت میں ہزار کام نمٹانے کی ٹھان رکھی ہے۔ اس پر ایسا تو ہو گا ہی۔ صحت دیکھو کیسے گر رہی ہے دن بدن' اور چہرہ پھیکا شلجم جیسا لگ رہا ہے' کچھ وقت اپنے لئے بھی نکال لو۔''

بے بے نے ہمیشہ کی طرح اس کی صحت کے متعلق پریشانی میں مبتلا ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا' اور وہ سنی اَن سنی کرتی ہوئی دوسرے ہی پل واش روم میں گھس گئی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ فیض انکل کے پاس اسے بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔ بات مصروفیت یا روزگار کی قطعاً نہ تھی۔ گرین وچ سے نکلنے کے بعد اسے جاب تو کہیں نہ کہیں مل ہی جانا تھی۔

مصروفیت بھی کم نہ تھی۔ اس نے اس ہدایت نامے سے قبل ہی خود کو کئی خانوں میں بانٹ رکھا تھا' کئی حصوں میں منقسم کر رکھا تھا۔ بات ایسی کچھ نہ تھی..... بات ساری یہ تھی کہ اس کی پیاری نانی اماں یعنی بے بے عام ماؤں کی طرح اس کے مستقبل کا ہمسفر ڈھونڈنے میں سرگرداں تھیں اور فیض انکل ایک عدد قدرے لائق قسم کے فرزند کے والد محترم تھے' سو وہاں بھیجنے کا جواز معقول ترین تھا۔

بے بے کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

جب وہ ناشتہ کر رہی تھی' تب بھی شاید اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ تبھی شاید بے بے نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے؟ کس بات پر مسکرا رہی ہو مسلسل تم؟'' نتالیہ چونکی تھی' پھر لب بھینچے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پھر جاؤ گی نا تم فیض کی طرف؟''

''جی' سوچوں گی۔'' اس نے سر ہلایا تھا۔

''میں چاہتی ہوں' تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ میری حیثیت تو چراغ سحری کی مانند ہے' اب بجھا کہ تب..... میں اپنی زندگی ہی میں تمہیں کسی مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ فیضی تو ابھی چھوٹا ہے' اس کی بات بھی مختلف ہے۔ لڑکا ہے..... جیسے تیسے دنیا کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ جینا سیکھ ہی لے گا بات تمہاری ہے..... میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد.....''

''بے بے!'' ان کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی نتالیہ نے تنبیہی انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ ''خدا کے لئے ایسی باتیں مت کریں۔ آپ جانتی ہیں' آپ میری قوت ہیں' اور بہت سا جینا ہے آپ کو ابھی..... ایسی بری بری باتیں منہ سے مت نکالیں۔''

''تو پھر جاؤ گی نا تم فیض کی طرف؟''

''آپ کی خاطر جانا پڑے گا' ورنہ آپ اتنی جذباتی قسم کی باتیں کر کر کے میری جان دہلاتی رہیں گی۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔ بے بے سے خاصا دوستانہ ماحول تھا' تبھی جواباً وہ بھی مسکرا دی تھیں۔

''مگر وہاں جانے کا مقصد' فقط بزنس پریکٹس ہی ہو گا' کچھ اور نہیں ہاں۔'' باور کراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔ بے بے نے ناچار سر ہلایا تھا۔ وہ ان کے ارادوں سے واقفیت

رکھتی تھی' تبھی اس گھڑی مسکرا دی تھی۔

''اوکے..... آج یونیورسٹی کے بعد فیض انکل کی طرف نکل جاؤں گی' مگر یہ بات طے ہے' آپ کچھ غلط سلط مت سوچئے گا' اس حدید کے بچے کی دل میں قطعاً نہیں گلنے دوں گی۔''

چیئر دھکیل کر اٹھتے ہوئے اس نے بیگ کاندھے پر ڈالتے ہوئے فائل تھامی تھی' اور نانی اماں نے ناچار سر ہلا دیا تھا۔

✦ ◈ ✖

کتنا مشکل ہے' فقط دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے اپنی ذات کی نفی کرنا' مگر وہ مسلسل کر رہی تھی۔ کتنے بہت سے خول چڑھا لئے تھے اس نے خود پر..... مگر جانے کیوں پھر بھی اسے لگتا تھا کہ ہر نگاہ اسے دیکھ رہی ہو' اسے کھوج رہی ہو' اسے پڑھ رہی ہو۔

اور تب وہ خود میں اور بھی سمٹنے لگتی تھی' اور بھی کٹنے لگتی تھی۔ اردگرد کے ماحول سے اور بھی دامن بچانے لگتی تھی' وہ اس تمام صورتحال میں اور بھی الجھنے لگتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کوئی اسے پڑھے' اسے سمجھے' وہ خود کو کھلی کتاب کی مانند نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ عام فہم نہیں بننا چاہتی تھی۔ شاید تبھی اپنے گرد تنے خول کو مزید تنگ کرتی چلی جا رہی تھی۔

مگر اس کے باوجود جانے کیوں اسے بے بے کی نظریں کھوجتی ہوئی نظر آتیں' اور تب وہ تمام کیفیت کو بدلنے کے لئے کبھی چہرے کا رخ پھیر لیتی' کبھی بے وجہ کھلکھلا کر ہنسنے لگتی' اور کبھی یونہی بات کا رخ بدل دیتی۔ اس کے باوجود اسے لگتا' بے بے اسے بغور تک رہی ہیں' اور تب وہ کسی بہانے سے وہ مقام ہی چھوڑ دیتی۔

بے بے نے ممی کے بعد اسے ماں بن کر پالا تھا' اور ماں کی نگاہ بے حد گہری ہوتی ہے۔ پتہ نہیں واقعی وہ اس کے اندر کے انتشار پر چونکی تھیں کہ نہیں' مگر نتالیہ کمال کی حتی الامکان کوشش تھی کہ اس تمام سانحے کی خبر نہ ہو۔ انہیں پتہ نہ چلے کہ کوئی داستان اس کی آنکھوں میں رقم ہے۔ کسی کی بے وفائی اور کج ادائی' اس کے چہرے پر درج ہے' کسی ہرجائی کی یاد اس کی سرخ آنکھوں میں مسلسل ایک موسم بن کر ٹھہر گئی ہے' اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ''فریب'' کے حصار سے نکل نہیں پا رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بے بے کو کم از کم پتہ چلے کہ وہ ہار گئی ہے۔

یہی سب اسباب تھے' جو اسے مسلسل فرار پر مائل کر رہے تھے' اور وہ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ فقط اس صورت حال سے بچنے کے لئے اس نے گھر میں کم سے کم وقت گزارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس وقت سے خوفزدہ تھی' جب بے بے اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے اس کیفیت کے متعلق دریافت کرتیں..... اور وہ..... شاید گنگ رہ جاتی' کوئی جواب دے ہی نہ پاتی۔

اور انہی لمحات سے وہ خوفزدہ تھی۔ تبھی فرار کے تمام راستے اس کے قدموں میں تھے' اور وہ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ اس روز وہ فیضی کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھی' جب بے بے نے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''وہ تمہاری دوست فارینہ بہت دنوں سے غائب ہے..... خیریت تو ہے؟''

اور وہ اگرچہ ان تمام باتوں کے لئے تیار تھی' مگر اس کے باوجود اس لمحے اس چہرے کو یکدم نمودار ہو جانے والے تاثر سے بچا نہ سکی تھی۔ ایک لمحے میں اس کے ہاتھ ساکت ہوئے تھے' اور وہ بت سی بن گئی تھی۔ تبھی بے بے نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔

''کہیں ناراضگی وغیرہ تو نہیں ہو گئی کوئی۔ وہ تو تمہارے بغیر رہ نہیں سکتی' نہ تم کو اس سے ملے بغیر چین آتا ہے۔ پھر.....؟'' بے بے کا سوال ایک بار پھر اس کی مشکلات بڑھا گیا تھا۔ وہ ان تمام کیفیات سے بچنا چاہتی تھی۔ اٹھ کر فوراً بھاگ جانا چاہتی تھی' مگر فرار کی ہر راہ اس گھڑی مسدود تھی' اور وہ مکمل طور پر بے بس تھی۔ تبھی بہت آہستگی سے سر اٹھاتے ہوئے بے بے کو دیکھنے لگی تھی۔

''وہ بے بے مصروفیت بہت ہے نا' سٹڈی ہی اتنی لمبی ہے۔ سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں' پھر میں مصروف بھی تو بہت ہو گئی ہوں۔ گھر میں کتنی ہی کہاں ہوں' جو وہ آئے اور ملے۔ اس روز بھی غالباً اس نے آپ سے فون کر کے کنفرم کیا تھا' اور مجھ سے ملنے ''کراچی سکول آف میوزک'' پہنچ گئی تھی۔ آپ جانتی ہیں' دیکھ تو رہی ہیں کس قدر مصروف ہو گئی ہوں میں۔ صحیح معنوں میں میں نے آپ کی باتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ آپ ہی تو ہمیشہ کہتی تھیں' وقت کی قدر کرو' وقت زر جیسا ہوتا ہے' سو میں وہی کر رہی ہوں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے بے بے۔ اب میں نے اپنے وقت کو دولت سمجھ کر خرچ کرنا شروع کر دیا ہے۔'' وہ بہت سی وضاحتیں ایک ساتھ دیتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔

بے بے نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا' اور اسے ان کی چپ مار گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔

وہ بہت بدل گئی تھی۔ مسلسل بدل رہی تھی۔ بے بے کیا سمجھ نہ پاتیں؟ جہاندیدہ تھیں' عمر رسیدہ تھیں' کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ تغیرات کس طور رونما ہوتے ہیں؟

نتالیہ کمال کو دوبارہ خود کو پُراعتماد کرنا مقصود تھا' تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''اس روز بھی ملی تھی' تو بہت کھری کھری سنا رہی تھی۔ میرے میوزک ریسرچ کرنے پر' اور وائلن سیکھنے پر منفی تنقید کرتے ہوئے مجھے مکمل طور پر جھٹلا رہی تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے خود کو حتی الامکان حد تک معمول کے مطابق ظاہر کرنا چاہ رہی تھی' اور بے بے اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔ تبھی وہ اٹھی تھی' اور بے بے کے سامنے جا بیٹھی تھی۔ کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے بیٹھی رہی تھی' پھر بہت آہستگی سے بے بے کی گود میں سر دھر دیا تھا۔

بے بے نے اسے اسی طور خاموشی سے تکا تھا' پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا' اور نتالیہ کمال کے اندر کا غبار مزید بڑھنے لگا تھا۔

''بے بے چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔'' وہ اپنے اندر کی تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''کہاں.....؟'' بے بے نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ تبھی اس نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''لونگ ڈرائیو پر۔''

''نہ بابا نہ' مجھے نہیں پسند یہ خرافات' موا بندہ بیٹھے بیٹھے اکڑ جائے۔ نہ ڈھنگ کا سفر..... نہ کوئی نشانِ منزل..... یہ شوق بے وقوفی کے زمرے میں آتے ہیں سراسر۔'' بے بے نے فوراً مسترد کیا تھا۔ وہ زبردستی لب پھیلائے مسکراتی ہوئی ان کی جانب تکتی رہی تھی۔

''تو پھر گھر میں ہی ڈانس پارٹی ہو جائے۔'' اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا' وہ یقیناً اپنے موڈ کو بحال کرنا چاہ رہی تھی۔ اپنا دھیان بٹانا چاہ رہی تھی۔ بے بے مسکرا دی تھیں' تبھی وہ بولی تھی۔

''ویک اینڈ کو بوریت سے بچانا ہے تو ایسا تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''تو اس عمر میں اپاہج کرے گی مجھے..... میری تو ہڈیاں بھی نہیں جڑیں گی۔'' بے بے

نے کہا' تو وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''چل' کہیں باہر کھانا کھاتے ہیں۔ واپسی پر وہیں سے کہیں نکل جائیں گے۔''

بے بے نے بروقت کہا تھا' اور وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اوکے' میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' وہ پلٹی تھی' اور اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی تھی' مگر ایک تھکن اس کے وجود کا حصار کرتی چلی گئی تھی۔۔

یہ سب کچھ آسان تو نہ تھا۔

آپ ٹوٹتے رہیں' اور چاہیں کہ اس انتشار کی خبر بھی کسی کو نہ ہو۔

ہارتے رہیں اور چاہیں کہ کوئی اس شکست کو دیکھے بھی نہیں' جانے بھی نہیں۔ ایسا ممکن کہاں ہے؟ مگر وہ ممکن کرنا چاہ رہی تھی۔ دل نیم جاں ہو رہا تھا۔

مگر آزمائش ابھی مزید درپیش تھی۔

✦◈✦

وہ دن بھر کی تھکی ماندی لوٹی تھی' جب اچانک ہی حدید آ گیا تھا۔ بے بے نے اسے بشیر کے ساتھ اس کے کمرے میں بھجوا دیا تھا' اور وہ جو اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی' ناچار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''خیریت.....؟ یہ اچانک کیسے.....؟'' اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے حدید کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی عادت سے واقف تھا' تبھی قطعاً بُرا مانے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''آج آفس آمد نہیں ہوئی' پرسنل سیل پر کال کیا تو سیل آف ملا۔ میں نے سوچا' نصیب دشمناں کی کچھ خبر تو ہو..... خیریت درپیش ہے یا کہ نہیں۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

نتالیہ کمال نے اسے ایک نظر دیکھا تھا' پھر بکھرے ہوئے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی ہوئی جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی تھی۔

''ہاں' بس آج مصروفیت بہت رہی' پھر آج دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔''

''دل تو تمہارا کبھی بھی نہیں چاہتا ہے' وہ تو تم بے بے کے کہنے پر آ جاتی ہو۔''

وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ نتالیہ کمال اس کے سچ پر چونکی نہیں تھی' نہ ہی حیران ہوئی تھی' بلکہ بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''ہاں ورنہ تمہیں برداشت کرنا ایک مشکل فعل ہے۔''

''اور تم سے یہ فعل روز سرزد ہوتا ہے۔'' حدید کا قہقہہ بے ساختہ تھا' وہ بھی مسکرا دی تھی۔

''سرزد ہوتا نہیں ہے' میں بذاتِ خود سرانجام دیتی ہوں۔''

''اور اگر بے بے کی مرضی کے عین مطابق تمام عمر جھیلنا پڑ گیا تو؟'' وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے اس کی جانب بغور تکنے لگا تھا۔ نتالیہ کمال نے اسے بھرپور خفگی سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ ہنس دیا تھا۔

''یقین جانو' اس سارے معاملے میں' میں تم سے زیادہ مظلوم ہوں۔ اگر مجھے بذات خود فیصلے کا اختیار ملے تو یقین جانو' میں خود تم جیسی کٹ کھنی بلی سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لوں' خوامخواہ کی سزائیں بھگتنے کا شوق مجھے بھی نہیں ہے۔'' وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔

''تم میرے لئے کس قدر بے ضرر ہو..... تبھی تو بے بے کے کہنے پر آفس آنے کی ہامی بھر لی تھی۔''

''تمہیں مزید ایسا کرتے رہنا چاہئے۔'' اس کا انداز ذومعنی تھا۔ آنکھوں سے صاف شرارت ہویدا تھی۔ نتالیہ کمال نے اسے کشن کھینچ مارا تھا۔ وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی بشیر چائے لے کر آ گیا تھا۔ وہ ٹرے وہیں اپنے سامنے رکھ کر اس کیلئے چائے بنانے لگی تھی۔ وہ سائیڈ پر دھری اس کی وائلن کو اٹھا کر بغور تکنے لگا تھا۔

''شکر کتنی لو گے تم؟''

''تم نہ بھی ملاؤ تو شربتی تب بھی سوا ہو گی۔'' وہ قطعاً سنجیدہ نہ تھا۔ وہ چونکہ عادی تھی' تبھی مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ بجانا بھی آتا ہے یا فقط وقت ضائع کر رہی ہو؟'' وہ وائلن کو بغور تکتے ہوئے بولا تھا۔

''جانتے ہو' کوئی بھی ساز سیکھنا قطعاً مشکل نہیں' کیونکہ یہ سارے ساز ہمارے اندر ہوتے ہیں۔ اس وائلن کو دیکھو' اس کے تار دل کے تار سے کس قدر مشابہ ہیں۔ جس طرح دل کے تاروں پر سُر ابھرتے ہیں' رنگ بنتے ہیں' موڈ بنتے ہیں' اسی طرح وائلن سے اس کے تمام تار بھی ٹھیک اسی طرح عمل کرتے ہیں۔ بالکل دل والی بات ہے اس کی۔'' اس کا انداز

مدھم اور کھویا کھویا سا تھا۔

''مگر اس کے تمام تار تو ٹوٹے ہوئے ہیں۔'' تبھی یکدم حدید نے اسے باور کرایا تھا' اور وہ بہت چونکتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگی تھی' پھر کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

''دل کے تار بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔'' انداز کسی قدر سرگوشی جیسا تھا۔ حدید اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''میں تو تم سے کوئی دھن سننے آیا تھا' سوچا تھا میوزیشن صاحبہ کے جوہر دیکھنے کا موقع ملے گا' اور ہم بھی کوئی کلاسک دھن سننے سے فیض یاب ہو سکیں گے' مگر تم تو.....'' اس نے جانے کیا سوچ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

نتالیہ کمال نے تب اس کی جانب قطعاً نہیں دیکھا تھا' پھر قدرے توقف سے سر اٹھاتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

''چلو پھر کبھی سہی' ابھی تو یوں بھی میرا موڈ نہیں تھا۔ بہت تھک گئی ہوں۔'' حدید واٹلن ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''چائے لو نا۔'' اس نے کپ کی جانب اشارہ کیا تھا' پھر شاید گفتگو جاری رکھنے کو بولی تھی۔

''تم بے بے سے ملے ہو یا سیدھے یہیں آئے ہو؟''

''ان سے مل کر ہی اس طرف آیا ہوں۔ ویسے ایک بات برملا کہوں گا' تم سے زیادہ اچھی بے بے کی کمپنی ہے۔ بندہ قطعاً بور نہیں ہوتا ہے۔''

وہ ہنس دی تھی۔

''یقیناً وہ میری بے بے ہیں۔ جب ہی تو اتنی اچھی ہیں۔''

''تم تو ان پر قطعاً نہیں پڑی ہو۔''

''ہاں میں زیادہ تر ممی جیسی ہوں۔ بے بے بتاتی ہیں' وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ جب وہ میری عمر کی تھیں تو ایسی ہی لاپروا اور لاابالی تھیں۔ انہیں بھی گھومنے کا کریز تھا' اور نت نئے شوق پالنے کا جنون تھا۔ ہم نے تو جب ہوش سنبھالا اور انہیں دیکھا' تو وہ خاصی مختلف لگیں۔ طبیعت اور مزاج میں خاصا ٹھہراؤ آ چکا تھا۔'' وہ ایک پل میں اس وقت کی گرفت میں تھی۔

''بڑی ہو کر تم بھی ان جیسی ہو جاؤ گی۔'' وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''میں اب بھی انہی جیسی ہوں۔'' اس نے سر اٹھا کر باور کرایا تھا۔

''شاید تمہیں یاد نہ ہو' اگلے ہفتے میری برتھ ڈے ہے۔''

''اوہ آئی سی' پھر تو تم میرا خاصا خرچ کراؤ گے۔ سنو انکل سے کہہ کر سیلری ایڈونس میں دلوا دینا۔'' وہ مکمل طور پر غیر سنجیدہ تھی۔

''سب فرینڈز کے ساتھ مل کر فارم ہاؤس پر جانے کا پروگرام بنا ہے' تم بھی چلنا۔''

''اس دور؟ بے بے تو اجازت نہیں دیں گی۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''میں نے بات کر لی ہے۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے۔'' حدید نے پل بھر میں اس کے تمام اردوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ تبھی وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''سوچ لو شاید کوئی بہانہ ڈھونڈنے سے مل ہی جائے۔''

''ایکسکیوزمی' میں بہانے باز نہیں ہوں۔'' وہ احتجاج کرتی ہوئی بولی تھی۔

''پھر لینے آ جاؤں۔''

''ابھی تو پورا ہفتہ باقی پڑا ہے۔'' وہ مسکرائی تھی۔ تبھی حدید اسے بغور تکنے لگا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''ایک بات پوچھوں؟'' بہت آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔ نتالیہ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''تمہیں مرض کیا لاحق ہے؟'' اس شخص کے کریدنے کا انداز ذرا مختلف تھا' اور وہ کسی پر بھی کھلنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی بہت نارمل انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے ہولے سے مسکرائی تھی۔

''تم کب جاؤ گے؟''

''کیوں.....؟'' وہ چونکا تھا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''نتالیہ کمال.....تم جیسی بداخلاق لڑکی اس روئے زمین پر نہیں۔'' حدید فیض الحق نے حتمی طور پر کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

✦◈✦

وہ خواب تھا یا حقیقت مجھے نہیں معلوم
ہوئی تھی کیسے محبت مجھے نہیں معلوم

کتنی کوششیں کرتی تھی وہ خود کو مخفی رکھنے کی' مسلسل اپنے اندر کے شور سے بھاگتے رہنے کی' مگر پھر بھی جانے کیسے بہت سے ''گرفت'' میں لینے والے لمحے اسے اپنے حصار میں لے ہی لیتے تھے۔ وہ سارے دروازے بند کر کے سوتی تھی' مگر پھر جانے کیسے اور کن دروازوں سے اس کا خیال اندر در آتا تھا' اور وہ اس گھڑی جیسے بے بس ہو جاتی تھی۔

''کتنا جھٹکنا چاہا تھا اس نے' مگر ایک لمحے میں وہ چہرہ اس کے تصور میں ابھرتا چلا گیا تھا۔ وہ ساحر آنکھیں..... وہ گرفت میں لیتی آنکھیں' ایک پل میں دل کو اپنی گرفت میں لیتی چلی گئی تھیں' اور وہ ایک پل میں بے بس تھی۔

سرخ آنکھوں میں یکدم ہی کوئی یاد بھر آئی تھی' اور ان آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی تھی۔

وہ جیسے ہر شے سے بچنے کے لئے آنکھیں میچ گئی تھی۔

وہ مکمل طور پر اپنے اندر کی یورشوں کی زد میں تھی اور جانے کب تک اسی کیفیت میں مبتلا رہتی کہ بے بے نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

''نتالیہ! دیکھو کون آیا ہے؟'' ان کی آواز پر اس نے ایک پل میں آنکھیں کھولیں۔ بے بے کی پشت سے فارینہ اکبر اسے تک رہی تھی۔ وہ فوراً سیدھی ہوتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی' اور تمام کیفیات کو پل بھر میں جھٹکتے ہوئے دوسرے ہی پل مسکرائی تھی۔ یہ دھیمی سی مسکراہٹ..... یہ لبوں پر کھیلتا تبسم ''مروّت'' کے سوا اور کچھ نہ تھا' مگر بے بے یہ بات قطعاً نہیں جانتی تھیں۔ تبھی فارینہ اکبر کو پکڑ کر اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''فارینہ آئی ہے۔ چلو اٹھو فوراً فریش ہو کر باہر آؤ۔ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی..... ایگزیم ہیں تو اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ سر جھاڑ منہ پہاڑ پڑی رہو۔ فارینہ تم ہی سمجھاؤ اسے کچھ..... آج کل تو یہ لڑکی بالکل بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ عادتیں تو اس کی ساری ہی ایسی ہی ہیں شروع سے' مگر آج کل تو بالکل ہی پٹڑی سے اتر گئی ہے۔'' بے بے نے شکایات کی پٹاری کھولتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اور وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''بے بے آپ تو بس' کبھی ماں کی نظر سے ہٹ کر بھی دیکھ لیا کریں۔ ٹھیک تو ہوں'

میں۔'' اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی تھی۔

''یہ تو فارینہ تم سے دریافت کرے گی۔'' بے بے مسکرائی تھیں۔ فارینہ اندر بڑھ آئی تھی۔ نتالیہ نے ایک نگاہ سرسری انداز میں اس پر ڈالی تھی' پھر بے بے سے گویا ہوئی تھی۔

''بے بے! پلیز بشیر سے کہہ کر چائے بھجوا دیجئے گا۔''

''اچھا۔'' بے بے کہہ کر واپس پلٹ گئی تھیں۔ تبھی نتالیہ جو ایک لمحے قبل ایک ''مروت'' کے تحت مسلسل ایک مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی۔ اس پل یکدم ہی اپنے لب بھینچ گئی تھی۔

''فارینہ اکبر نے اس کے پل میں رنگ بدلتے رویے کو دیکھا تھا' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''کیسی ہو تم.....؟'' اس کے لب دھیمے تبسم سے سجے تھے۔

نتالیہ کمال نے بہت آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر دونوں کے درمیان ایک طویل خاموشی چھا گئی تھی۔

فارینہ اکبر کچھ دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی' پھر سر اٹھا کر بہت آہستگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہاری یہ چپ میرے لئے بہت بڑی سزا ہے' تم کیوں مار رہی ہو مجھے اپنی اس سرد مہری سے۔ اگر اجنبیت برتنا ہے تو پوری طرح اجنبی ہو جاؤ' یوں سرد مہر انداز میں مجھے قتل مت کرو۔'' اس کا لہجہ مکمل طور پر اس کے اندر کا ترجمان تھا۔ آنکھوں میں ایک سمندر ٹھہرا ہوا تھا۔

''بلیوی' میں مجرم نہیں ہوں۔ میں نے دانستہ کوئی نقصان نہیں کیا ہے تمہارا۔ یقین کرو' میں خیر خواہ تھی تمہاری' پھر تمہارے نقصان کے متعلق کیسے سوچ سکتی ہوں۔ مجھے تم عزیز تر تھیں۔ میں کیسے تمہاری ان آنکھوں میں یہ تیرتا ہوا درد دیکھ سکتی تھی۔ ہم تو ہنستے بھی اکٹھے تھے' اور روتے بھی اکٹھے تھے۔ کتنے سکھ دکھ ہم نے ساتھ ساتھ بانٹے تھے۔ کتنے موسم ہم نے ایک ساتھ مل کر دیکھے تھے' پھر تمہیں کیسے لگا کہ میں تمہارا کوئی نقصان بھی کر سکتی ہوں۔ تم سے کچھ چھین بھی سکتی ہوں۔ ہم تو اچھے دوست تھے۔ ''شیئر اور کیئر'' کے سدا قائل رہے تھے' پھر تم نے کیسے سمجھا کہ میں تم سے تمہاری متاع حیات چھین سکتی ہوں' جو بھی ہوا ہے' محض غلط فہمی ہے۔ مس انڈر سٹینڈنگ ہے' بلیوی۔'' فارینہ اکبر بہت مدھم سے لہجے میں کہتی ہوئی اس کی

طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا نازک سا ہاتھ نتالیہ کمال کے ہاتھ پر تھا۔ مگر نتالیہ کمال کے لبوں پر ساکت جامد چپ تھی۔

فارینہ اکبر اسے دیکھتی رہی تھی' پھر بہت زچ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"نتالیہ کمال' پلیز مت چپ رہو' کچھ تو بولو۔ مجھ پر چیخو چلاؤ' مجھے کوسو' مگر اپنا اندر خالی کر دو..... نکال دو سارا غبار باہر..... یہ کشاکشیں تمہارے اندر رہ کر تمہیں بہت بوجھل کر رہی ہیں' پلیز' کوئی الزام ہی دو' دھوکہ دہی' فریب کا' مکاری کا' کوئی جرم ہی تھوپ دو میرے سر' مگر پلیز اپنے اردگرد بنایا ہوا یہ خول توڑ دو۔ تمہیں اس کیفیت میں نہیں دیکھ سکتی ہوں میں۔ مجھے تمہاری سرخ بوجھل آنکھیں سونے نہیں دیتی ہیں۔ میں کچھ بھی کروں مگر میرا دھیان تمہارے خیال سے بندھا رہتا ہے۔"

اس کی سیاہ آنکھیں بہت سے پانی سے بھر کر چھلک پڑی تھیں' مگر نتالیہ کمال تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

فارینہ کچھ دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی' پھر ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھی تھی' اور اسی طرح چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ نتالیہ کمال تب بھی یونہی ساکت بیٹھی رہی تھی۔

✦ ◈ ✦

اک کسک سی ہے میرے دل میں کہ معلوم تو ہو
چھوڑ کر مجھ کو وہ کس حال میں رہتا ہو گا!

اور اس روز اگرچہ ویک اینڈ تھا' مگر منڈے کو اس کا پیپر تھا۔ اس لئے وہ جانا نہیں چاہتی تھی' مگر جب حدید فیض الحق اسے لینے آ پہنچا تو وہ انکار قطعاً نہیں کر سکی۔ بے بے بھی پیش پیش رہیں اور اسے جاتے ہی بنی۔

"کتنے فضول شخص ہو تم' میرا رزلٹ خراب رہا تو سارے کے سارے ذمے دار تم ہو گے۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"ازالے کے طور پر جاب قبل از وقت دے چکا ہوں۔ ایم بی اے کمپلیٹ کرنے کے بعد بھی تمہیں ایک عدد جاب ہی کرنا ہے۔ وہ تم آل ریڈی کر رہی ہو۔" وہ مکمل طور پر مطمئن تھا۔ "اپنا واٹس لیا کہ نہیں۔ مجھے تم سے بہت کچھ سننا ہے۔ سب سے تعریف تعارف کرواؤں

گا۔ آخر کو مستقبل کی گریٹ میوزیشن ہو۔ میرے کیریئر یا میں تو کوئی طلبہ تک نہیں بجا سکتا۔"

وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

نتالیہ مسکرا دی تھی۔ سفر خاصا طویل تھا۔ وہ جب پہنچے تو شام گہری ہو چکی تھی۔ وہ اپنے ہی دھیان میں اتر کر گاڑی کا دروازہ بند کر رہی تھی' جب ایک جانی پہچانی آواز پر سماعتیں ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں متوجہ ہوئی تھیں۔ حدید فیض الحق تو جانے کب کا چلتا ہوا اس سے دور جا نکلا تھا۔

"کمال شخص ہو یار! خود آنے میں اتنی دیر کر دی۔ ہمیں تو تم نے سرشام ہی بلوا لیا تھا۔ اس ویرانے میں بیٹھے بیٹھے اچھا خاصا جی اوب گیا۔ پہلے تو تم بڑے پنکچوئیل ہوا کرتے تھے۔" کوئی مسلسل حدید فیض الحق سے شکوہ کناں تھا۔

اور وہ اس آواز پر مڑی تھی' تو اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ حدید مسکرا رہا تھا۔

"دیر میری وجہ سے نہیں ان میری عزیز ترین محترمہ کی وجہ سے واقع ہوئی۔ پولوشی از دی گریٹ میوزیشن..... ایسے لوگ کچھ نخریلے تو واقع ہوتے ہی ہیں۔"

وہ شخص حدید فیض الحق کے متوجہ کرنے پر اس جانب متوجہ ہوا تھا' اور اپنی جگہ وہ بھی ساکت رہ گیا تھا۔ حدید نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کم آن یار! اب آ بھی جاؤ۔ کیا وہیں ٹھہرے رہنے کا پروگرام ہے۔ سامان کی فکر مت کرو۔ ملازم نکال لے گا۔ ہاں اپنے واٹس کو چاہو تو نکال لو۔"

نتالیہ کمال اسی طرح ساکت تھی۔ حدید فیض الحق کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی' مگر قدم جیسے زمین چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔

آہ!

اس گھڑی کے متعلق تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو اس شخص کی یاد بلا دینا چاہتی تھی۔ اس سے ملنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی' مگر جیسے وہ اس گھڑی مکمل طور پر بے بس تھی۔

وہ پلٹنا چاہتی تھی' بھاگتے ہوئے اس سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ ان تمام لمحوں سے فرار چاہتی تھی' مگر جیسے سب کچھ ناممکن تھا۔

کتنی جلد وقت نے اسے اسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا' اس نے تو کبھی نہ ملنے کا قصد کیا تھا۔

اس شخص کو کبھی نہ دیکھنے کا سوچا تھا۔

کیسی بے بسی اس کے قدموں سے آن لپٹی تھی۔

"نتالیہ کمال!" حدید نے اسے پھر پکارا تھا' اور تب اس کے قدم میکانکی انداز میں اٹھنے لگے تھے۔ وہ چلتی ہوئی اس کے قریب جا رکی تھی۔

"شی از نتالیہ کمال' وی گریٹ میوزیشن اسٹڈی ہابائے اکنامکس ایڈم اسمتھ کی پیروی میں کر رہی ہیں۔ یعنی ٹوٹلی اپوزٹ سائیڈ آف ایموشن اینڈ میوزک۔ محترمہ بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رہی ہیں' مگر بی سائیڈ اسٹڈی میوزک ان کی ہابی ہے۔ موصوفہ کا خیال ہے' میوزک کے تار..... خصوصاً وائلن کے تار دل کے تاروں کی مانند ہوتے ہیں اور اس کی ساری دھنیں دل کی کیفیات کی مکمل عکاس ہوتی ہیں۔ آئی ایم رائٹ.....؟" اس کا جامع تعارف کراتے ہوئے حدید مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا' مگر وہ سوائے اسے خاموشی سے دیکھنے کچھ نہیں بولی تھی۔

وہ شخص بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ نتالیہ چہرے کا رخ پھیرے قطعاً اجنبی تھی۔

"یہ موصوف آہن التمش ہیں اور یار اپنی فیانسی کو نہیں لائے تم.....؟" حدید نے اس کا مختصر تعارف کرانے کے بعد اس سے دریافت کیا تھا' تو وہ چونکا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں آئی ہیں وہ بھی..... اندر ہیں۔" آہن التمش گویا ہوا تھا' تبھی حدید نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"نتالیہ تم بھی اندر چلو۔ میں آتا ہوں ابھی..... اور سامان کی فکر مت کرنا' اوکے....."

وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا' مگر وہ مسکرائی قطعاً نہیں تھی۔ اس لمحے جیسے یہ حکم اس کے لئے غنیمت تھا۔ وہ آہستگی سے قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ایک ایک قدم ایک ایک من کا تھا' مگر سفر شرط تھا۔

ابھی وہ ایک دریا سے پار اترنے کی تدبیر سوچ رہی تھی' اور ایک مزید دریا اس کے روبرو تھا۔

"اب! اس نے تو ہر بات سے فرار چاہا تھا' بھاگنا چاہا تھا' پھر کیسے یہ سارے راستے اس کے قدموں میں آن پڑے تھے۔ وہ تو ہر بات سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ ان سارے

منظروں سے نگاہ پھیر لینا چاہتی تھی۔

وہ وہیں دہلیز میں ساکت سی رک گئی تھی۔ جب فارینہ اکبر چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

"نتالیہ تم؟" فارینہ اکبر قدرے حیران سی تھی' مگر وہ ساکت انداز میں اس کی طرف دیکھے گئی تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو تم؟ کل شام ہی بے بے سے میری بات ہوئی تھی' تم اس وقت سو رہی تھیں۔ بے بے نے تو مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا کہ تم یہاں آنے والی ہو۔" اس نے اپنے تمام حواس مجتمع کرتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ اسے یقیناً کمزور نہیں پڑنا تھا' کمزور نظر نہیں آنا تھا۔ وہ کمزور نہیں تھی۔ وہ کمزور نظر آ کر کسی دوسرے کو قطعاً کسی طرح کی تسکین فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لمحے تک منتشر کر دینے والے تھے' مگر اسے اپنے ضبط کو سمیٹنا تھا۔ خود کو ٹوٹنے سے بچانا تھا' اور خود کو مضبوط ثابت کرنا تھا۔ تبھی وہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"تم نے مجھ سے پوچھا ہوتا تو ضرور تم جان جاتیں۔ بہرحال خوشی ہوئی تمہیں یہاں دیکھ کر' کیا تم بھی حدید کی مہمان ہو....." وہ عجیب رسمی انداز میں گویا تھی۔

فارینہ اکبر اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی تھی' پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"ہاں..... اور تم....."

"میں..... میں تو اس کی مہمانِ خاص ہوں۔" وہ ایک تفاخر سے مسکرائی تھی۔ "ویسے کیا عجیب حسن اتفاق ہے۔" وہ یقیناً خود کو محظوظ ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ "وقت بہت جلد چکر کاٹنے لگا ہے۔" نتالیہ کمال اس کی جانب بغور دیکھتی ہوئی مکمل پُراعتماد انداز میں گویا تھی اور فارینہ اکبر اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

نتالیہ کمال کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"بے بے بھی آئی ہیں؟" فارینہ شاید بول کر اس اجنبی تاثر کو کسی طرح مندمل کرنا چاہتی تھی۔ اس کا سوال شاید بہت عجیب تھا' تبھی نتالیہ کمال مسکرا دی تھی۔

"بے بے نے اپنی جگہ مجھے بھیج دیا ہے نا۔"

تبھی ملازم اس کے قریب آن رکا تھا۔

"بی بی صاحب! آیئے ہم آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دیں۔ حدید صاحب کہتے ہیں فریش ہو جایئے' تب تک اور مہمان بھی تشریف لے آئیں گے۔" ملازم مؤدب انداز میں گویا تھا۔ تبھی نتالیہ کمال سر ہلاتی ہوئی اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی' اور فارینہ اکبر اس کی پشت کو کتنی دیر کھڑی تکتی رہی تھی۔

✦ ◈ ✦

تو نے جو درد کے پودے لگائے تھے
آ کے دیکھ اس میں کتنے پھول آئے ہیں

ان باتوں کے باوجود دل کی کیفیت عجیب ترین تھی' اور وہ کیسے بند باندھتی اس طوفان پر تھا بھی تو سب ناممکن..... وقت اسے کیسی آزمائشوں میں مبتلا کر رہا تھا' اور دل!

کیا کرتی وہ اس کا دل جو اپنے غیر آباد ہونے پر سراسر پرُ احتجاج تھا۔ جو "دھوکہ دہی" پر پرُ ملال تھا' اور اپنے "مجروح" کئے جانے پر تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔

وہ اسی طرح ساکت سی آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے عکس کو ساکت نظروں سے تکے جا رہی تھی' جب حدید نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"عجیب لڑکی ہو تم..... ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہو' حالانکہ تمہاری تیاری ہمیشہ پانچ دس منٹ سے زیادہ کی نہیں ہوتی مگر....." اسے ساکت دیکھ کر وہ آگے بڑھ آیا تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا' پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔

"نتالیہ کمال! مسئلہ کیا ہے؟" اور وہ ایک نگاہ اسے دیکھتے ہوئے نگاہ پھیر کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" تبھی وہ قدرے جھک کر اسے بغور تکنے لگا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟" اس کا انداز دوستانہ تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ نتالیہ کمال اسے ہاتھ سے دھکیلتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"جاؤ تم..... آ رہی ہوں میں۔"

وہ پلٹا تھا' مگر دروازے پر جا کر رک کر مڑا تھا۔

"وہ اپنا وائلن لائی ہو نا۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائی تھی۔ "مگر میں سب کے سامنے قطعاً نہیں پلے کروں گی۔"

"کیوں؟ کیا تم اتنا برا بجاتی ہو؟" وہ یقیناً مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔"

"مگر آج تو تمہیں جیسا بھی بجانا آتا ہے' بجانا پڑے گا۔ میری برتھ ڈے ہے' کیا کوئی دھن بھی پیش نہیں کرو گی مجھے؟"

"ٹھیک ہے پھر دوسرا گفٹ' جو میں تمہیں دینے والی تھی' اسے اٹھا کر رکھ دیتی ہوں۔"

"کنجوس کہیں کی۔" وہ بولا تھا' اور وہ ہنس دی تھی۔ حدید پلٹ گیا تھا' مگر وہ پھر ایک بار ساکت سی اپنی شبیہ کو آئینے میں تکنے لگی تھی۔

"کتنے رنگ بچھڑ گئے تھے اس سے۔"

وہ دانستہ نہیں آئی تھی' وہ یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھی' مگر قدرت کو جیسے اس کی آزمائش مقصود تھی۔

شفون کے سفید آنچل کو شانوں پر پھیلا کر اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تھا' پھر پرفیوم کی بوتل اٹھا کر خود پر سپرے کرنے لگی تھی۔

اس نے ایک بار پھر اپنے حوصلوں کو مجتمع کیا تھا' اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ اس ہنگامہ خیز زندگی میں اس کا حصہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

وہ وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی ماحول کا حصہ نہ تھی۔ اس کے اردگرد ہجوم تھا' مگر اس کی نظریں ایک نقطے پر ساکت ہو گئی تھیں۔ آہن التمش فارینہ اکبر کے ساتھ کھڑا جانے کس بات پر مسکرا رہا تھا۔

اس گھڑی ڈانسنگ فلور پر فارینہ اکبر اس کی قربت میں تھی۔ آہن التمش کتنے گلاب لمحوں کے زیر تھا۔ وہ شاید کتنی دیر ساکت سی اسی طور تکتی جاتی کہ حدید نے اس کی نظروں کے سامنے چٹکی بجا کر اسے متوجہ کیا تھا۔ وہ تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے پل میں مسکرائی تھی۔

"کیا بڈھی روح کی طرح ایک کونے میں گھسی بیٹھی ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔" حدید نے اس کا ہاتھ تھام کر کھینچا تھا۔ وہ کوئی مزاحمت تک نہ کر سکی تھی۔ حالانکہ وہ انکار کرنا چاہتی تھی' مگر حدید اسے کھینچتا ہوا ڈانسنگ فلور کی طرف لئے جا رہا تھا۔

"حدید! تم جانتے ہو' مجھے ایسے شوق نہیں ہیں حدید....." وہ یکدم توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ لڑکھڑائی تھی..... تبھی حدید پلٹا تھا' اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے اپنا

سر اس کے سینے پر لٹکا دیا تھا' اور گہری گہری سانسیں خارج کرنے لگی تھی۔

آہن التمش کی نظریں اس گھڑی پل میں ساکت ہوئی تھیں۔ اس نے یہ اقدام دانستہ نہیں کیا تھا' مگر سر اٹھانے پر پہلی نگاہ اسی شخص سے ٹکرائی تھی۔ اس کی آنکھوں کے رنگ دیکھ کر جانے کیوں نتالیہ کو ڈھیروں تسکین ملی تھی۔ وہ حدید فیض الحق کے قریب تھی' اور ایسا دانستہ نہیں ہوا تھا' مگر اس گھڑی وہ دانستہ حدید فیض الحق کی جانب دیکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ نہ تو اس نے اپنا نازک ہاتھ اس کے شانے سے ہٹایا تھا' نہ ہی اس سے دور ہٹی تھی۔

"عجیب لڑکی ہو..... تم نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا۔" وہ مکمل خفگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔ ایک نگاہ اس دور کھڑے شخص پر ڈالی تھی' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"حالانکہ اتنی حسین لڑکی کی قربت میں تمہیں پھول کر کپا ہو جانا چاہئے تھا۔"

"یہ خوبصورت لڑکی میں نے پہلی بار نہیں دیکھی۔ گزشتہ بائیس برس سے دیکھ دیکھ کر بور ہو چکا ہوں۔" وہ بے تاثر انداز میں بولتے ہوئے مسکرایا تھا۔ "کہو اب توازن برقرار ہے تو چلیں فلور پر۔"

"تم جانتے ہو' میں یہ سب بالکل نہیں کر سکتی۔"

"پھر جو کر سکتی ہو وہ کر دو۔" وہ مسکرایا تھا۔

"کیا.....؟" وہ چونکی۔

"ایک میٹھی سی دھن سنا دو۔"

"اوکے.....!" وہ مسکراتی ہوئی سنبھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ "تمہیں بے بے کو انوائٹ کرنا چاہئے تھا۔ تمہاری ڈانسنگ فلور پر جانے کی خواہش پوری ہو جاتی۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے مسکرائی تھی۔ نگاہ پھر اس طرف اٹھی تھی۔ کوئی متوجہ تھا' متواتر دیکھ رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر تسکین اور کیا ہوتی' وہ جو چاہتی تھی' وہی ہو رہا تھا' اور وہ کمزور ہرگز نہیں لگ رہی تھی۔

ملازم حدید کے کہنے پر اس کا وائلن لے آیا تھا' اور حدید نے اسے تھما دیا تھا۔ پھر سب کو متوجہ کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹل مین..... میری ڈیئرسٹ کزن..... دی گریٹ میوزیشن ابھی آپ کے سامنے وائلن بجانے جا رہی ہیں' اور یہ دھن میرے لئے تحفہ خاص ہے۔ متوجہ ہو جائیں'

آپ لوگوں کے سامنے تشریف لا رہی ہیں نتالیہ کمال۔"

نتالیہ کمال وائلن تھامے اس تمام ہجوم کے درمیان بیٹھی اس گھڑی جیسے صحرا میں کوئی آہو تھی۔ کتنی اجنبی نظروں سے وہ اس ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن اس گھڑی جیسے "بلینک" تھا۔ تبھی اس کی نگاہ فارینہ کے پہلو میں بیٹھے اس شخص پر ٹھہر گئی تھی۔ آہن التمش اس گھڑی اسے بغور تک رہا تھا۔ دونوں کی نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی' تبھی وہ اجنبی ہو کر وائلن کو ایک اینگل پر فکس کرتے ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔

میں راگ چھیڑوں تو وہ مجھ سے بات کرتا ہے
وہ بس رہا ہے "میرے وائلن کے تاروں میں"
وہ بس رہا ہے "میرے وائلن کے تاروں میں"

دل کیسے چیختا چلا گیا تھا۔

اندر کا سارا موسم خون رنگ ہو گیا تھا۔ سارے منظر سرخ رنگوں میں رنگ گئے تھے' مگر وہ بے خودی سی وائلن کے تاروں سے کھیلتی چلی گئی تھی۔

تار بجے تھے تو سارا ماحول جیسے سکوت سے بھر گیا تھا۔ فقط گونج باقی تھی' اس پری رخ کے وائلن سے بکھرتے سروں کی..... ان سازوں کی جو دل کے اندر سے پھوٹ رہے تھے۔

دھن دلکش ترین تھی' سوز اور ساز کا عجیب سنگم تھا' اور وہ بجاتی چلی جا رہی تھی۔ دل کی پکار بڑھتی چلی گئی تھی۔

وہ آنکھیں میچے بیٹھی' وائلن بجاتی لڑکی..... اس تمام ہجوم کی نگاہ کا مرکز تھی..... اس گھڑی ہر سننے والے پر زور تالیاں بجا کر اس خواب رنگ لڑکی کو داد دے رہے تھے' اور آہن التمش یک ٹک اس وجود کو تکے جا رہا تھا۔

کتنی بدل گئی تھی وہ..... کتنی اجنبی ہو گئی تھی۔

وقت نے کیسے لکیر کھینچ دی تھی ان کے درمیان۔

کتنی صدیوں کی دوری پر آن رکے تھے دونوں۔

دل کیسی بے قراریوں سے بھر گیا تھا۔ نگاہ کیسے بے خود ہو گئی تھی۔ اس وجود کو دیکھتے ہی کیسے دل بے قابو ہو گیا تھا۔ سب کچھ آج بھی جیسے اس نگاہ کے زیر اثر تھا۔ دل آج بھی اس کی گرفت میں تھا۔

وہ اپنا داہلین تھامے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی' جب وہ بہت آہستگی سے وہاں سے ہٹا تھا۔ وہ راہداری سے گزر رہی تھی' جب وہ یکدم اس کے سامنے جا رکا تھا۔

نتالیہ کمال ساکت سی رہ گئی تھی۔

مگر آہن اتش اسے متواتر تکتا چلا گیا تھا۔ نتالیہ کمال چہرے کا رخ پھیر کر متواتر دوسری سمت دیکھ رہی تھی۔ چہرہ کسی بھی طرح کے تاثر سے عاری تھا۔ جیسے وہ اپنے تمام محسوسات پر مکمل طور پر کنٹرول رکھتی ہو۔

آہن اتش نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''وہی آنکھیں' وہی عارض' وہی ہونٹ' مگر وقت..... یہ وقت بھی کتنا ظالم ہے' کتنی صدیوں کی دوری لا دھری ہے میرے تمہارے مابین۔'' کتنی مدھم سی سرگوشی تھی۔ اس نیم تاریک ماحول میں جیسے کوئی خواب کی باتیں کر رہا تھا۔

نتالیہ کمال کی دھڑکنوں میں پل بھر کو ارتعاش ہوا تھا۔ حالانکہ کتنے بندھ باندھے بیٹھی تھی وہ۔ سوچ رکھا تھا کہ نہیں ملنا..... نہیں تکنا..... نہیں دیکھنا..... مگر دل کیسے خودسر ہو کر سرپٹ دوڑتا چلا گیا تھا' اور وہ کوئی تعرض نہ کر سکی تھی۔

''اجنبی ہو تو نہیں' پھر اجنبی بن کر مل کیوں رہی ہو؟'' کیا ان آنکھوں سے اس آشنائی کی یہ پرچھائیں مٹا سکو گی..... کہہ سکو گی کہ دھڑکنوں میں کوئی ارتعاش نہیں..... نگاہ میں کوئی فسانہ نہیں۔''

دھیمے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ نتالیہ کمال کی جان پوری طرح سے مشکل میں مبتلا کر چکا تھا۔

''اوں ہوں۔ نہیں ہے' اعتبار مجھے ان آنکھوں پر..... فریب ہے سب..... جھوٹ' صاف جھوٹ..... تمہاری سکھائی ہوئی زبان بولنے لگی ہیں یہ آنکھیں..... مگر یہ نگاہ اب بھی وہ ''مضمون خاص'' پڑھ سکتی ہے' کہو کہ اب بھی دل مشکل میں ہے۔ کہو کہ بھلا کر جینا دشوار رہا ہے' کہو کہ دھڑکنیں ہمیشہ ہار رہی ہیں' کہو..... کہو کہ ہم اجنبی نہیں ہیں۔'' دھیما لہجہ کس قدر پُراثر تھا۔ نتالیہ کمال کے پورے وجود میں جیسے ایک لمحے میں قیامت برپا ہو چکی تھی۔ وہ شخص آج بھی اسی قدر دیوانہ تھا۔ اس کا لہجہ آج بھی اسی قدر ساحر تھا۔ آج بھی اتنا ہی جادو تھا اس کی باتوں میں' مگر نتالیہ کمال اس کی طرف پھر بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

کہو' کہو کہ ہم اجنبی نہیں ہیں' کہو کہ دل آج بھی ایک ہی آہنگ میں دھڑک رہے ہیں' کہو کہ محبت آج بھی موجود ہے' کہو کہ محبت ہے۔'' کتنے دھیمے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بہت ہولے سے اس کے چہرے کو اپنی سمت موڑا تھا' اور تب نتالیہ کمال خود کو اس کی جانب دیکھنے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔

نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی' کتنے قریب تھا وہ' مگر جیسے پھر بھی سراب تھا..... فریب تھا۔

وہ آواز' وہ تاثر' وہ انداز جھٹلائے جانے کے قابل نہ تھا' مگر نتالیہ کمال کے اندر قیامتوں نے ہلچل سی مچا دی تھی۔ آنکھوں میں باوجود کوشش کے' کتنے سمندر آن ٹھہرے تھے' اور وہ ساکت سی اس کی طرف تکتی چلی گئی تھی۔

آہن اتش اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔

تبھی اس نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک دیا تھا' اور اس سے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے سرنفی میں ہلاتی چلی گئی تھی۔

''فریب ہو تم..... فقط دھوکہ..... نفرت ہے مجھے تم سے..... شدید ترین نفرت۔''

آہن اتش نے اسے دیکھا تھا' اور اس کی تمام تر شدتیں اس کی بھوری آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔

''ایسا تم سمجھتی ہو..... ایسا تم نے فرض کر رکھا ہے' کچھ بھی دھوکہ نہیں ہے' نہ ہی کوئی فریب ہے' اگر فریب ہوتا تو تم مجھ سے یوں دانستہ نگاہ نہ چرا رہی ہوتیں۔ تمہاری آنکھوں میں یہ سمندر نہ آ ٹھہرے ہوتے' اور تم مجھ سے یوں دور نہ بھاگ رہی ہوتیں۔ سچ ہے سب..... سب کچھ سچ ہے..... تبھی تو تم فرار چاہتی ہو..... مجھ سے دور ہٹنا چاہتی ہو۔ اس تعلق کو تائید تازہ کی ضرورت نہیں۔ وہ اقرار میں تمہاری آنکھوں میں آج بھی دیکھ سکتا ہوں۔ اب بھی پڑھ سکتا ہوں۔ دوری کہتی ہے کہ قربتوں کی وہ کہانی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ تمہارے قدموں کی لغزش..... یہ تمہارے وجود کا ارتعاش' یہ پلکوں کی لرزش بے معنی نہیں ہے۔''

آہن اتش کا مدھم لہجہ بہت کچھ باور کراتا رہا تھا' اور نتالیہ کمال بھیگی آنکھوں سرنفی میں ہلاتی چلی گئی تھی۔ ساتھ ہی الٹے قدموں چلتی ہوئی مزید دور ہٹتی چلی گئی تھی' پھر یکدم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

آہن اتش کتنی دیر کھڑا اس تاریک ماحول میں اس جانب تکتا چلا گیا تھا۔

✦ ◈ ✦

تری آنکھوں کے سرد خانے میں!
منجمد ہو گئے ہیں خواب مرے!

اور کتنا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس ماحول سے دور نکل جائے۔ دوبارہ وہ عکس نہ دیکھے' وہ نقش نہ دیکھے' مگر سب جیسے ناممکن تھا' شب تھی کہ کاٹے نہ کٹ رہی تھی' اور بے خوابی آنکھوں میں آن سمٹی تھی۔ وہ ایک پل بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی' وہ کیا کہتی حدید سے' کیا جواز دیتی' واپسی کا کیا بہانہ کرتی؟ کچھ بھی تو سمجھ میں نہ آ رہا تھا' اور رات تھی کہ بیتی چلی جا رہی تھی۔ اندر کی اضطرابی بڑھ گئی' اور کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا' تو وہ کمرے کا دروازہ کھول کر بالکنی میں آ گئی۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آسمان کی سمت نگاہ کی۔ کتنی دیر تک کھڑی وہ یونہی آسمان کو تکتی رہی۔ تبھی یکدم اسے کسی احساس نے اس کی حسیات کو اپنی جانب مائل کیا۔ اس کا دھیان ایک لمحے میں ایک خیال سے بندھ گیا' اور وہ بلا ارادہ ہی نگاہ اٹھا کر نیچے لان میں دیکھنے لگی۔ مولسری کے پیڑ سے لگا نہ جانے وہ کب سے اسے بے خود سا تکے جا رہا تھا۔

رات کے اس پہر' تاریکی جب سارے ماحول کو اپنے اسم میں باندھ چکی تھی' جب ایک بے کلی نے چار سو اپنے پنکھ پھیلا دیئے تھے۔ جب وہ اضطراب سے بے بس ہو کر آدھی رات کو اٹھ کر ایک بے خودی میں یہاں آن رکی تھی۔ تبھی کسی بے خودی نے کسی اور کی جان بھی مشکل میں ڈال دی تھی۔ اس اضطراب نے کسی اور کو بھی مضطرب کر دیا تھا۔

نتالیہ کمال اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔ وہ بھی اردگرد سے جیسے بیگانہ تھا۔ سرخ آنکھوں میں اتنی ان کہی' ان سنی کہانیاں تیر رہی تھیں۔

رات کے اس پہر کیسی دیوانگی غالب تھی اس پر کہ اردگرد کا کچھ ہوش نہ تھا اسے..... کسی کی مطلق پروا نہ تھی۔ خردمندی کا کہیں دور تک نام و نشان تک نہ تھا۔

کیا کوئی واقعی اس قدر پاگل تھا؟

آہن التمش چاپ چاپ نگاہ اٹھائے اس کی جانب تکتا چلا جا رہا تھا۔ اسے واقعی اس وقت دنیا کا کوئی ہوش تھا' نہ وقت کا کچھ دھیان۔

کتنی تپش تھی اس کی آنکھوں میں۔ نتالیہ کمال کو ایک پل میں اپنا سارا وجود سلگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ یکدم پلٹی تھی' اور مڑ کر اندر کی جانب بڑھتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

آہن التمش کی نگاہیں تب بھی اسی بے قراری سے اس جانب اٹھ رہی تھیں۔ وہ بے خودی تب بھی غالب رہی تھی اس پر۔

✦ ◈ ✦

کیسی بے قراریوں نے لپیٹ میں لے لیا تھا اسے۔ کیسا بے خود سا ہو گیا تھا وہ شخص۔ وہ سامنے تھی' اور اجنبی تھی۔

شناسائی کی کوئی ہلکی سی بھی تو لکیر نہ تھی اس کی آنکھوں میں۔

وقت کیسی وسیع خلیج کھینچ گیا تھا فاصلوں کی۔ دلوں کے درمیان دیوار اٹھی تھی تو آنکھیں ایک دوجے سے اجنبیت برتنے لگی تھیں۔

کیا خطا تھی اس کی؟ کیا جرم تھا؟

وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی اس سرد مہری کو جھیل رہا تھا۔ اس اجنبیت کو برداشت کر رہا تھا۔ دل پر ایک بار سا تھا' جسم و جاں پر قیامتیں گزر رہی تھیں۔

وہ اس سے کہنا چاہتا تھا..... بہت کچھ..... مگر وہ اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ یہ بھی نہیں کہ وہ بے وفا نہیں' یہ بھی نہیں کہ وہ دغا باز اور دھوکے باز نہیں' یہ بھی نہیں کہ اس کی محبت میں کوئی کھوٹ نہیں۔

یہ بھی نہیں کہ وقت نے اس کے قدم باندھ دیئے' اور وہ بے بس ہو گیا۔

کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

نہ محبت کا کوئی میٹھا بول' نہ اپنے حق میں حرف سچائی۔

نہ کوئی حرف صفائی..... نہ کوئی وضاحت۔

حدید فیض الحق سے اس کی اچھی دوستی تھی۔ دونوں نے لندن سکول آف کامرس سے ایک ساتھ ایم بی اے کیا تھا' مگر وہ قطعاً نہیں جانتا تھا کہ حدید اس کا کزن بھی ہے۔

حدید نے جب اسے اپنے فارم ہاؤس پر انوائٹ کیا تھا' تب بھی اسے گمان نہ تھا کہ یہاں وہ بھی اسے مل سکتی ہے' جب وہ حدید کی آمد پر کھڑا اس سے بات کر رہا تھا' تب بھی وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے سنگ نتالیہ کمال بھی آئی ہے۔

کس قدر حیران سا رہ گیا تھا وہ' جب وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی' اور حدید اس کا تعارف کرانے لگا تھا۔

کیسی مشکل میں تھی جان اس لمحے.....

اس نے دانستہ راہ نہیں بدلی تھی..... دانستہ ہجر مول نہیں لیا تھا۔

اس نے بے وفائی بھی نہیں کرنا چاہی تھی۔

مگر وقت نے اسے اپنا پابند کرلیا تھا' اور وہ بے بس ہوگیا تھا۔

شب بے خوابی کی نذر ہوگئی تھی..... صبح واپس لوٹ جانا تھا' مگر کیسی قیامتیں گزر رہی تھیں دل و جاں پر۔

اس کا قصور کچھ نہ تھا' مگر وہ کسی طرح بھی خود کو بے خطا ثابت نہیں کرسکتا تھا۔

فارینہ اکبر اس کے ہمراہ بیٹھی تھی' اور وہ چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کئے جا رہا تھا۔

فارینہ اکبر نے اسے ایک نظر خاموشی سے تکا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا' مگر وہ جانتی تھی' اس کے اندر ایک سمندر موجزن تھا۔ اس کے چہرے سے اس کے محسوسات ظاہر نہ سہی' وہ اس کے اندر کے سارے بھید جان سکتی تھی' کیونکہ وہ واحد فریق تھی' جو ان دونوں کے قریب تھی' اور دونوں کی کیفیات سے درحقیقت واقف تھی۔ فارینہ اکبر نے اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکا تھا' پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

آہن التمش نے بہت ہولے سے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی' اور ایک دھیما سا تبسم ایک لمحے میں اس کے لبوں کو اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ وہ وضع دار شخص تھا۔ اسے مروت برتنا بھی آتی تھی۔ اپنے قول' کا پاس کرنا بھی آتا تھا۔ تعلق باندھ کر نبھانے کا گر بھی وہ جانتا تھا۔ زبردستی کا ہی سہی مگر تعلق تو تھا مابین.....

فارینہ اکبر نے اسے دیکھا تھا' پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"مت کیا کرو خود پر یہ جبر' یہ دکھاوے کی مسکراہٹ' یہ لگاؤ' یہ لگاوٹ۔"

آہن التمش نے اسے ایک نظر دیکھا تھا' پھر اپنے لب بھینچ لئے تھے۔ اور پھر کچھ بولے بغیر دوبارہ ونڈ سکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا' تبھی فارینہ اکبر گویا ہوئی تھی۔

"میں جانتی ہوں' تمہارے لئے یہ بہت مشکل ہے۔ بے حد مشکل' مجھے تم سے ہمدردی ہے..... ایک اچھا مخلصانہ مشورہ دوں گی پلیز..... مجھے چھوڑ دو۔" ہر بندھن توڑ دو..... جو "جبر" کے زمرے میں آتا ہو' مجھ سے تمہاری یہ کیفیت..... یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ مت دیکھو دنیا داری کو' مت دیکھو مجھے اور خود کو' بہہ جاؤ اس ریلے میں۔ محبت بے اختیاری ہے' پھر

کیوں باندھ رہے ہو خود کو ان جبری تقاضوں میں' یہ زنجیریں تمہارے اندر کی رونقوں کو نگل رہی ہیں' اور مجھ سے تمہارا یہ روپ دیکھا نہیں جاتا۔" اس کا لہجہ دھیما تھا' مگر آہن التمش نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"مخلص ہوں تمہاری..... دوست ہوں' تم دونوں کی' کہو میں کیا کرسکتی ہوں تمہارے واسطے؟" وہ کہہ کر اس کی جانب تکنے لگی تھی۔

آہن التمش بے تاثر چہرے کے ساتھ ونڈ سکرین کو گھورتا رہا تھا' کچھ بھی تو ظاہر نہ تھا' اس کے انداز سے..... کیسا اختیار تھا اسے خود پر..... کتنی گرفت مضبوط تھی اس کی۔ اندر کے تمام موسم کیسے بھید بھرے تھے۔

کیسی گہری چپ تھی باہر..... کچھ بھی تو منکشف نہ تھا۔ وہ کچھ نہ بولا تھا اور فارینہ اکبر جیسے زچ ہوگئی تھی۔

"فار گاڈ سیک آہن التمش' تم تو مجھے اس چپ کی نذر مت کرو..... میں تو پہلے ہی ایک چپ کے ہاتھوں نیم جان ہوں۔ آخر میرا قصور کیا ہے؟ کہاں گناہ گار ہوں میں' میری خطا کیا ہے؟ آخر میں تم دونوں کے درمیان کیوں پس رہی ہوں؟ مجھے بتاؤ آہن التمش' میں کیا کروں؟ کیسے بچاؤں' اس دو طرفہ سرد مہری سے خود کو' کیا قصور ہے میرا' یہ کہ اس تعلق کے متعلق کوئی رائے زنی نہ کرسکی یا پھر یہ کہ میں بھی تم دونوں کی طرح بے خبر رہی۔ مجھے بتاؤ..... اگر گھر والوں نے میرا بندھن میری مرضی جانے بغیر تم سنگ جوڑ دیا' تو میں کیا کروں..... اگر میں اس تعلق کو توڑ نہیں سکتی تو کیا کروں؟ اگر میں تم سے ناواقف تھی' تو کیا خطا ہے میری۔ کیا یہ گناہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی اتنی کڑی سزا میں جھیلوں۔"

فارینہ اکبر کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئی تھیں' مگر آہن التمش تب بھی کچھ نہیں بولا تھا' اور فارینہ اسے دیکھتی ہوئی اپنا رخ کھڑکی کی سمت پھیر گئی تھی۔

✦ ◈ ✦

اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' خود کو بے بے کے ہاں ہی دیکھا تھا۔ ممی کی سرد آنکھوں کو خاموشی سے تکتے ہوئے اس میں کبھی یہ ہمت ہی نہ ہوئی تھی کہ ان سے اس بابت کچھ دریافت کرتی..... ہاں بے بے سے اس نے ایک بار یہ ضرور پوچھا تھا کہ وہ اپنے دیگر دوستوں کی طرح اپنے گھر میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتی..... تب انہوں نے

فقط ایک بات کہی تھی۔

"اس لئے کہ تمہارے ڈیڈی ایسا نہیں چاہتے۔"

اور تب وہ اس مبہم جملے سے کچھ بھی اخذ نہ کر سکی تھی۔ کوئی معنی اس پر نہ کھلے تھے' مگر پھر اس کے بعد اس نے اس بابت کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہاں جیسے جیسے ہوش سنبھالا تھا' تب جیسے خود بخود شعور کے در وا ہوتے چلے گئے تھے۔

ڈیڈی کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا..... ہاں ایک بار ان کی فقط تصویر دیکھی تھی' ممی کے کمرے میں' وہ بھی تب جب ممی کمرے میں نہیں تھی' اور وہ فیفی سے کھیلنے کے لئے ادھر آ گئی تھی۔ تب ممی کے تکیئے تلے اس نے ان کو پہلی بار دیکھا تھا' اور جب ممی نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا' تو وہ اپنی جگہ مجرم سی ہو گئی تھی۔

"سوری ممی.....!" ممی اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتی رہی تھیں' پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

"تمہارے ڈیڈی ہیں یہ..... کچھ چھپانا نہیں چاہتی میں تم سے..... نہ ہی دانستہ تم کو ان سے دور رکھنا چاہتی ہوں' مگر ایسا فقط وہ چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے دور رہیں۔ تم بہت چھوٹی ہو' کچھ بھی نہیں سمجھ سکتیں' کیا بتاؤں میں تمہیں؟" انہوں نے تاسف سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے ان کے سامنے بیٹھی رہی تھی' تبھی انہوں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"کیا کہوں تم سے..... کیا بتاؤں..... بس یہ جان لو جان' یہ شادی مکمل طور پر مس میچ تھی۔" وہ واقعی اس جملے کی حقیقت نہ جان سکی تھی' مگر اب سارے بھید منکشف تھے اس پر۔

وہ جان سکتی تھی کہ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ رشتے بے حسی کی نیند بھی سو سکتے ہیں' اور محبت فنا بھی ہو سکتی ہے۔

وقت گزرتا چلا گیا تھا' اور وہ لگی بندھی روٹین پر جیتی رہی تھی۔ ممی نے اس سفر سے تھک کر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا' اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لی تھیں۔ تب اسے پہلی بار لگا تھا کہ وہ تنہا رہ گئی ہے' اور اب کہیں کوئی اپنا نہیں' کتنی دیر تک وہ بے بی کی گود میں سر دھرے چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھی۔ وہ جانتی تھی' ممی کینسر سے نہیں مری تھی' انہیں بے وفائی نے مار دیا تھا' کسی کی سرد مہری اور بے حسی نے مار دیا تھا' اور تب اسے پہلی بار لگا تھا کہ

محبت کہیں نہیں ہے۔

غرض ہے ہر طرف۔

پتہ نہیں وہ کب تک اپنی اس "دلیل" پر کاربند سرپٹ دوڑتی چلی جاتی کہ یکدم آہن التمش اس کے سامنے آن رکا..... اور وہ جو سرپٹ دوڑتی چلی جا رہی تھی' یکدم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"بے حد حسین' دلربا' فینٹین' کہیں تم محبت تو نہیں۔"

کتنے مدھم انداز میں اس لمبے چوڑے شخص نے اسے بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا' اور وہ کتنے ثانیوں تک ساکت سی اسے تکتی رہی تھی۔

اس شخص کے لبوں پر دھیما سا تبسم ٹھہرا ہوا تھا۔ کیسی حدت سی پھوٹ رہی تھی اس کی آنکھوں سے..... ایک لمحے میں اسے لگا تھا' اگر وہ کچھ دیر بھی مزید رکی رہی تو جیسے جل جائے گی۔ اس نے مڑ کر راہ فرار ڈھونڈنا چاہی تھی' مگر جانے کیسے اس شخص نے ہمت کر کے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا' اور وہ اس کی گستاخی پر اسے تکنے لگی تھی۔ تبھی شاید اس شخص کو بھی احساس ہو گیا تھا۔ بہت آہستگی سے اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت ڈھیلی کی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ جیسے اپنی بے خودی پر شرمندہ سا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی..... تبھی ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔

"پتہ نہیں مجھے کہنا چاہئے کہ نہیں' مگر میں واقعی بے خود ہو چکا ہوں تم شاید یقین نہ کرو..... مگر مجھے لگ رہا ہے' جیسے تم سے ملنے کے بعد کچھ کھو گیا ہے' شاید میرا چین..... شاید سکون..... شاید.....

وہ عجیب جنوں خیز انداز میں بے بسی سے رک کر اسے تکنے لگا تھا' اور تب وہ اپنی نگاہ اس پر سے ہٹاتی ہوئی یکدم ہی پلٹی تھی اور پھر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اسے اعتبار نہ تھا' اسے یقین نہ تھا' مگر جانے کیوں اس شخص کے ادھورے جملے شب بھر اس کی سماعتوں سے گونجتے رہے تھے' اور اس کی آواز کی بازگشت اسے اپنے پورے وجود کے علاقے میں سنائی دیتی رہی تھی۔ "کہیں تم محبت تو نہیں؟" کتنا مدھم لہجہ تھا' وہ پہلی شب بے خوابی کی نذر ہوئی تھی' پہلی بار ایک اضطرابی نے در دل پر دستک دی تھی' مگر اس نے جیسے ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینا چاہی تھیں' لیکن ایک مدھم لہجہ بازگشت بن کے اس کے اردگرد

گونجتا چلا گیا تھا۔

''کہیں تم محبت تو نہیں!!''

اور وہ اردگرد سے بے نیاز نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ یہ تم نفی میں سر کیوں ہلائے جا رہی ہو؟''

فارینہ جانے کب آ کر اس کے سامنے آن بیٹھی تھی' اور وہ اس کی آواز پر یکدم چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟''

فارینہ نے اس کی صورت کو بغور تکتے ہوئے تشویش سے دوبارہ دریافت کیا تھا' اور تب وہ یکدم خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی' پھر دوسرے ہی پل نفی میں ہولے سے گردن ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم کب آئیں؟''

''تبھی جب تم عجیب خبطی انداز میں سر نفی میں ہلائے چلی جا رہی تھیں۔'' فارینہ نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا' مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی معنی خیز انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''ہائے دی وے' مسئلہ کیا ہے؟ رخ مہرتاباں بہت الجھا الجھا اور کچھ سلگا سلگا سا ہے؟''

متالیہ کمال نے اسے دیکھا تھا' اور اس گھڑی اس کی ایسی حالت تھی' جیسی کسی چور کی اور فارینہ اکبر اسے دیکھتے ہوئے یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

اسے بھی لگ ہی گئی شہر محبت کی ہوا امجد
سنا ہے بہت دنوں سے وہ بھی ہے پریشان بہت

اور وہ واقعی اس وقت کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ساکت سی اس کی جانب تکتی چلی گئی تھی اور تبھی فارینہ اس کی سمت جھکتی ہوئی بہت شرارتی انداز میں تکتے ہوئے بولی تھی۔

''کون ہے وہ؟ کہاں ملاقات ہوئی؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

متالیہ کمال پر ایک ساتھ بہت سے سوالوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی' اور وہ سوائے اسے خالی خالی آنکھوں سے تکنے کے اور کچھ نہ کر سکی تھی' اور فارینہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' پرسوں ترسوں تک ایسی کوئی صورت حال نہ تھی' کہیں یہ

حادثہ کل مرینہ کلب میں ہونے والے کنسرٹ میں تو پیش نہیں آیا' جہاں تم نے اپنے یونیورسٹی بیچ کے ساتھ شرکت کی تھی؟''

''نہیں.....؟''

اس نے فوراً کہا تھا' پھر یکدم احساس ہونے پر چپ سادھ گئی تھی۔ ساتھ ہی سر بھی جھکا گئی تھی۔

''کوئی بکواس مزید نہیں سنوں گی' چپ رہو اب.....''

بہت کمزور انداز میں خود کو ڈی فینڈ کیا تھا' مگر فارینہ ہنس دی تھی۔ یقیناً وہ اس کی کیفیت سے جی بھر کر محظوظ ہو رہی تھی۔

''یہ بات تم سر اٹھا کر بھی تو کہہ سکتی ہو۔''

متالیہ نے خجالت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا' پھر کشن اٹھا کر اسے کھینچ مارا تھا' مگر فارینہ ہنستی چلی گئی تھی۔ پہلی بار وہ اسے نادانستہ ملی تھی' نادانستگی میں ٹکرائی تھی' مگر پھر وہ دانستہ اس کی راہ میں آنے لگا تھا' دانستہ مواقع ڈھونڈنے لگا تھا۔

اس روز بھی جب ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی' اور وہ کیمپس سے نکلتی ہوئی بے اختیار ہی اپنی فائل اپنے سر پر دھرے چلنے لگی تھی' تب اس شخص نے بہت آہستگی سے اپنی گاڑی اس کے قریب روک دی تھی اور وہ جو اپنی ہی دھن میں چلی جا رہی تھی' یکدم رک کر چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں شناسائی کی بہت گہری چھاپ تھی۔ اس کی جانب تکتے ہوئے اس نے بہت ہولے سے گاڑی کا دروازہ وا کر دیا تھا' اور وہ شاید اعتبار کا کوئی ایک لمحہ تھا' جو دی کی صورت دل میں اترا تھا' تبھی وہ بھی بہت آہستگی سے اس کے برابر بیٹھ گئی تھی۔ بہت دیر تک ماحول پر سکوت چھایا رہا تھا' پھر آہن التش بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''بارہا سوچا میں نے..... بارہا غور کیا..... تم میں ایسا کیا ہے..... تمہارے چہرے میں ایسی کیا بات خاص ہے..... جس نے مجھے بے بس کر دیا..... میں جو ایک دنیا گھوم چکا ہوں' دنیا دیکھ چکا ہوں آخر اس مقام پر کیوں ہارا..... چہرے تو بہت سے تھے اور.....'' وہ کہتے کہتے یکدم رک گیا پھر اس کی طرف تکتے ہوئے مسکرا دیا۔

''میں کس قدر احمق ہوں' بات شاید چہروں کی نہیں ہوتی..... شاید ناموں کی بھی نہیں

ہوتی..... یہ بات کچھ اور ہے..... میں سمجھ نہیں پا رہا..... مگر کچھ ہے جو بہت دھیما اور حلاوت آمیز تھا' اور نتالیہ کمال کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر اپنی شامت کو آواز دے چکی ہے۔

''شاید نہیں..... یقیناً یہ محبت ہی ہے۔'' تبھی وہ حتمی نتیجے پر پہنچا تھا۔

''میں تو تمہارے نام سے بھی واقف نہیں' میں نے سوچا تو ایسی کوئی قابل ذکر بات میرے ذہن میں نہیں آئی' بس..... بس مجھے شاید تمہاری یہ بے نیازی مار گئی' یہ لیا دیا انداز' یہ سرد مہری' یہ چپ۔'' اور شاید یہ برفیلی آنکھیں..... یہ سرد خانے جیسی..... بس وہ ایک لمحہ تھا اور میرے اندر ایک آتش بھڑک اٹھی تھی' اور تب سے اب تک اسی کیفیت میں ہوں' کہیں تم محبت تو نہیں.....؟''

وہ مسکراتا ہوا ایک بار پھر اس کی طرف دیکھ رہا تھا' اور تب وہ دھیان اس کی طرف سے پھیر گئی تھی اور اس رم جھم برستی پھوار کو بغور تکنے لگی تھی۔

تب آہن التمش نے بہت ملائمت سے اس کی جانب نگاہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بہت ہولے سے اپنا پرتپش ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی' ایک طمانیت کا احساس رگ و پے میں دوڑ گیا تھا اور اسے پہلی بار لگا تھا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

✦ ◈ ✦

محبت ایک بے اختیاری شے ہے' اور آہن التمش کو ایک بے اختیاری ہی نتالیہ کمال کے قریب کھینچ کر لائی تھی۔ سچ ہے' وہ اس سے نادانستہ ٹکرایا تھا' کہیں کوئی پری پلان گیم نہیں تھا' کہیں اس نے منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ کہیں کوئی حکمت عملی پہلے سے طے شدہ نہیں تھی' کہیں اس کا مقصد اسے دھوکہ دینا نہ تھا' کہیں بھی اس کا مقصد اسے فریب سے دوچار کرنا نہ تھا' وہ اعتبار لے کر اس کی سمت بڑھا تھا۔ محبت اس کے قدموں میں دھری تھی۔ اپنی شدتیں اسے سونپی تھیں' اور محبت دے کر اسے محبت سے جیت لیا تھا۔

ٹھیک ہے..... اس سے ملنے کے بعد وہ اس کے متعلق جان گیا تھا کہ وہ کون ہے' مگر اس سے قبل اس پر ایسی کوئی حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس کے قریب کوئی غیر مرئی قوت ہی لے کر گئی تھی۔ وہ تو اس سے آشنا تک نہ تھا' پھر کیسے دھڑلے سے جا رکا تھا' اس کے سامنے۔

یہ محبت ہی تو تھی کہ وہ اسے پہلی نگاہ میں اپنی' بہت اپنی لگی تھی۔ لگتا تھا' جیسے صدیوں کی کوئی پہچان ہو' اور یہ شاید اس باعث بھی تھا کہ ان میں ایک ہی خاندان کا خون تھا۔ وہ اس کی چچازاد تھی۔ چھوٹے چچا کمال التمش کی بیٹی' مگر تب وہ جانتا تک نہ تھا' مگر جانا تھا تو دانستہ اس کی سمت قدم بڑھائے تھے۔ وہ اس خاندان کے فریقین کے مابین اجنبیت کی وہ فضا ختم کرنا چاہتا تھا' تمام نفرتوں کی فضاؤں کو محبتوں سے دھونا چاہتا تھا۔ اس کا اقدام مثبت نوعیت کا تھا' مگر اس کے بدلے اسے بہت سے منفی ردّیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ کمال چچا سے یقیناً بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوئی تھیں' مگر وہ اپنی زندگی میں اب بنا کسی پچھتاوے کے قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ ان کی فیملی تھی' گھر تھا' بچے تھے' ہر طرح کا سکھ تھا' مگر نتالیہ کمال کے ساتھ ہونے والی کسی ناانصافی کا ادراک اسے قطعاً نہ تھا۔

اس کا مقصد کمال چچا کے دل میں کسی احساس کو بیدار کرنا نہیں تھا' نہ ہی وہ انہیں شرمندہ کر کے کسی ''معافی'' کا حصول چاہتا تھا' مگر وہ چاہتا تھا' جو کچھ نتالیہ کے ساتھ ہوا ہے' کم از کم اس کا کوئی تدارک ضرور ہو سکے۔ وہ نتالیہ کی پلکوں پر جھومتی سوئیاں نکال دینا چاہتا تھا۔ اس کے دل پر اپنے محبت کے پھاہے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر عمر بھر کی رفاقت طے کرنا چاہتا تھا' مگر سب سے پہلی مخالفت اس کے اپنے گھر سے ہوئی تھی۔ اماں نے اسے مکمل اختیار دے رکھا تھا' ہر بات کے لئے حتیٰ کہ وہ اپنی مرضی کی لڑکی بھی چوز کر سکتا تھا' مگر جب اس نے انہیں نتالیہ کے متعلق آگاہ کیا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

وہ نتالیہ کمال سے کچھ بھی مخفی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس تعلق کو بھی جو اس کے اور نتالیہ کے مابین تھا' مگر وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ اماں کو ہر طور پر راضی کرنا چاہتا تھا' مگر اماں جو ہمیشہ محبت کرنے والی ماں ثابت ہوئی تھیں' اس لمحے سفاکی کی حد کر گئی تھیں۔

''اگر اس لڑکی سے شادی کرنی ہے تو پھر میرا مرا ہوا منہ دیکھنے کے لئے بھی تیار رہنا۔''

وہ اس گھڑی کیسا ساکت سا انہیں تکتا چلا گیا تھا۔

''میں نے تمہارے لئے لڑکی دیکھ لی ہے۔ تمہاری شادی وہیں ہو گی' جہاں میں چاہوں گی' میں نہیں چاہتی کوئی ناانفاقی ہمارے گھر میں پھر سے جنم لے اور گھر سے سکون اٹھ جائے۔''

وہ نہیں جانتا تھا' اس حکم کے پس پردہ مخالفتیں کیا تھیں' مگر وہ ان کے حکم نامے پر بہت

دیر تک انہیں ساکت سا تکتا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ گویا ہوئی تھیں۔

''تمہارے کمال چچا کی بھی محبت کی شادی تھی' مگر وہ عورت اس کے ساتھ نباہ نہ کر سکی۔ منحوس ثابت ہوئی' جس رات اس دہلیز پر قدم دھرا' اسی رات کمال سے چھوٹا وقار حادثے میں لقمۂ اجل بن گیا۔ شادی کے ایک ہفتے بعد تمہارے دادا ابا چل بسے۔ اماں کو تو پہلے ہی اس شادی سے اختلاف تھا۔ ان حادثات نے ثابت کر دیا کہ وہ عورت منحوس ہے۔ اماں نے کمال کو اسے فوراً چھوڑنے کا حکم دیا' مگر وہ انکاری رہا۔ اس کے بعد بھی پے در پے آفتیں اس خاندان پر نازل ہوتی رہیں' یہ تو ہم پرستی نہیں ہے' ہم نے آزمایا ہے..... اور آپ دیکھا..... اس عورت کے گھر میں قدم دھرتے ہی ساری خوشیاں رخصت ہو گئیں' اور سکون نے دم توڑ دیا۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کہانی پھر سے میرے گھر میں دہرائی جائے۔ میرا چھوٹا سا گھر ہے' میں اس میں سکون و چین دیکھنا چاہتی ہوں۔''

کیسی کیسی توہم پرستیاں تھیں' کیسے بے سبب خدشات تھے' اور سچائی کیا تھی؟

وہ کیسے سمجھاتا' انہیں کیسے بتاتا کہ یہ تمام باتیں رد کئے جانے کے لائق ہیں' کیونکہ ان کی سچائی کچھ نہیں' مگر وہ ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا' اور وقت نے اسے اپنا پابند کر لیا تھا۔ بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ایک طرف دل تھا' اور دوسری طرف قدموں کی جنت' اور اس نے جنت کو فوقیت دی تھی۔ ماں کو چن لیا تھا' اور دل کو صحراؤں کی خاک چھاننے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

فارینہ کے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے بھی وہ ہر تاثر سے خالی تھا۔ فارینہ دلکش ترین لگ رہی تھی' مگر وہ جیسے بے خبر بنا بیٹھا تھا۔ ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالی تھی پر اس' جانے وہ کن جہانوں کا اسیر تھا۔ چونکا تب تھا جب نتالیہ کمال پر نظر پڑی تھی۔ وہ فارینہ کے پاس سے اٹھ کر دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا' جب وہ فارینہ کی سمت بڑھتی دکھائی دی تھی اور آہن التمش کی نگاہ جیسے اس وجود سے بندھ گئی تھی۔

''ہائے فارینہ..... سوری' آئی ایم لیٹ' گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ خیر یہ بتاؤ' تمہارے ہونے والے دولہا میاں کہاں ہیں؟ اتنی جلدی اٹھ کر بھاگ گئے۔''

وہ مسکرا رہی تھی۔ تبھی فارینہ نے مسکراتے ہوئے آہن التمش کی طرف اشارہ کیا تھا' اور نتالیہ کمال اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی' پھر الٹے قدموں پلٹی تھی اور بھاگتی چلی گئی تھی۔

آہن التمش اپنے حق میں کوئی صفائی نہ پیش کر سکا تھا' اور غلط فہمیاں بڑھتی چلی گئی تھیں' اور فاصلے بھی بڑھتے چلے گئے تھے۔

اس نے کتنی بار نتالیہ سے رابطہ کرنا چاہا تھا' مگر وہ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔

''ہم میں تم میں جو کچھ بھی تھا' وہ اب ختم ہو چکا ہے۔ میں تم جیسے دھوکے باز سے کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتی۔''

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا' اور وہ جواباً ساکت رہ گیا تھا۔ وقت کے ہاتھوں تعلقات کی ڈور الجھی تھی تو سلجھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ قدم چلتے رہے تھے' اور فاصلے بڑھتے رہے تھے۔ نتالیہ کمال نے سب کچھ اپنے طور پر اخذ کر لیا تھا۔

وہ یقیناً یہی سمجھ رہی تھی کہ آہن التمش نے جانتے بوجھتے قدم اس کی طرف بڑھائے اور اسے دھوکا دیا۔ اسے اپنے دام الفت کا اسیر کیا' اور دانستہ شکست دی۔ اس کے غرور کا سر کچلا' اس کی انا کو قدموں تلے روند دیا۔ فقط اس لئے کہ وہ کمال التمش کے خاندان سے خائف تھی' اور نفرت کرتی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ یہ کوئی ''پری پلان گیم'' تھا' جسے بہت مہارت سے کھیلا گیا۔ اسے جال بنا کر پھانسا گیا تا کہ اسے سبق دیا جا سکے۔ اس کے غرور کو کچلا جا سکے۔

یہ سارے معنی اس نے اپنے طور پر اخذ کئے تھے' مگر وہ اس سے کسی بات کی وضاحت نہ کر سکا تھا' کچھ کہنے سننے کو بچا بھی کیا تھا۔

✦ ◈ ✦

ایگزیم ختم ہونے کے بعد وہ کتنے دن تک اپنے کمرے میں بند رہی تھی' اور تب حدید نے اسے آ لیا تھا۔ وہ سر تک کمبل اوڑھے پڑی تھی۔ اس کے ڈسٹرب کرنے پر بہت خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

''لڑکی! مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ' جب سے ہم فارم ہاؤس سے لوٹے ہیں' تب سے تو تم اور بھی الجھ گئی ہو' معاملہ کیا ہے؟'' حدید اس کا اچھا دوست تھا' مگر وہ اندر کی کیفیت کسی سے بھی شیئر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی بہت خاموشی کے ساتھ سر جھکا گئی تھی۔

تبھی حدید نے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا۔

''اپنا خیال نہیں تو بے بے کا ہی کچھ خیال کر لو' فیضی کے متعلق ہی سوچ لو۔'' حدید نے بہت لئے دیئے لفظوں میں اس کی پکڑ کی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ وہ سب سے خود کو

مخفی رکھنے کے عمل میں مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔ ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ تبھی تو حدید فیض الحق اس گھڑی اسے بغور دیکھ رہا تھا' اور اسے لگ رہا تھا' اس کا سارا احوال چہرے پر درج ہو..... اور.....

وہ اسی طور پر سر جھکائے ایک جانب تکے جا رہی تھی' جب حدید نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''الجھنیں شیئر کرنے سے کم ہوتی ہیں' اگر تمہیں کوئی الجھن مسلسل پریشان کر رہی ہے تو اسے نکال دو باہر..... کہہ دو۔'' مگر وہ تب بھی کچھ نہیں بولی تھی' یونہی ساکت سی بیٹھی رہی تھی' اور وہ جو اس کا اچھا دوست ہونے کا دعویدار تھا' اس لمحے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''اچھا اٹھو فوراً۔''

''کہاں.....؟'' وہ اس کے انداز پر بے ارادہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''اس کا فیصلہ ساتھ بیٹھ کر کر لیں گے۔'' وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا' تبھی شرارت سے گویا تھا' اور نتالیہ اس کی بات پر واقعی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

پھر جب وہ سی وی کی طرف جا رہے تھے' تبھی اسے کوئی اہم کال موصول ہو گئی تھی۔

''اوہ سوری یار! میں بھول گیا تھا۔ اچھا کیا تم نے فون کر لیا..... کیا کروں؟ تم آؤ گے میری طرف یا..... اوکے..... اوکے..... میں آ جاتا ہوں۔ گھر پر ہی ہونا..... نہیں ڈسٹرب نہیں کیا..... میں ڈیٹ پر نہیں تھا۔'' باقاعدہ قہقہہ لگایا۔

''جن موصوفہ کے ساتھ ہوں' ان کا مزاج اگر تم بھانپ لو تو تمہیں بھی لو لگ جائے..... دو ہاتھ کہنیوں تک جوڑ کر فوراً اپنی راہ لو..... بڑی ٹیڑھی کھیر ہیں۔ ان کی سنگت میں ڈیٹ فقط نوش کی جا سکتی ہے۔ ہاہاہا۔'' پتہ نہیں' وہ کس سے اس کے متعلق عظیم قسم کے انکشافات کر رہا تھا۔ وہ فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔ فون بند کر کے بھی وہ مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ڈیٹ اور تمہارے ساتھ؟'' وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

''حشر اتنی جلد دیکھنے کا میرا قطعاً کوئی موڈ نہیں۔ ابھی تو بہت کچھ دیکھنا ہے مجھے دنیا

میں۔'' وہ مکمل طور غیر سنجیدہ تھا' وہ بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''تمہیں جلدی تو نہیں ہے؟''

''اوہ ہوں.....'' اس نے گہری ہوتی شام کی خنک ہواؤں کو محسوس کرتے ہوئے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا۔

''اوکے..... مجھے ذرا کام ہے۔ تھوڑی دیر لگ جائے گی۔ ان حضرت نے بھی بے وقت پکڑا ہے۔ موصوف خود تو بیماری میں بھی فائلوں میں الجھے بیٹھے ہیں۔ دوسروں کو فراغت کے چند لمحوں میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔ کوشش کروں گا زیادہ دیر نہ لگے' تم بور تو نہیں ہو گی نا؟'' نتالیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے بلا تامل سر نفی میں ہلا دیا۔

''گڈ..... واپسی میں لال قلعہ میں ڈنر پکا۔'' وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھی رہی۔ چونکی تب جب حدید نے گاڑی ایک وسیع و عریض گھر کے سامنے روکی۔

''ہری اپ..... اترو۔'' وہ بادل نخواستہ اتر کر اس کی سنگت میں گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھنے لگی۔ چونکی تب' جب گلاس ڈور کھول کر ایک آشنا چہرے نے استقبالیہ دیا۔

''بڑی جلد پہنچ گئے تم۔ میں تو سمجھا تھا۔'' آہن التمش نے روانی سے بولنا چاہا تھا' مگر وہ بھی اسے اس گھڑی سامنے پا کر ساکت سا رہ گیا تھا۔

''سوری میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟'' وائٹ سوٹ پر سیاہ شال اوڑھے سرما کی اس خنک شام میں وہ ملول آنکھوں اور پُرخیال انداز اختیار کئے وہ لڑکی' بڑی بھلی سی لگی۔ وسیع و عریض' پُرآرائش ڈرائنگ روم میں پُرحدت ماحول میں بیٹھ کر خالصتاً کاروباری نوعیت کی فائلز پر ڈسکشن کرتے ہوئے بھی وہ اپنی نگاہوں کو اس کے چہرے کی جانب مائل ہونے سے روک نہ سکا۔ وہ کھوئی کھوئی سی لڑکی ذات کی کوئی گم گشتہ کڑی لگی۔ بظاہر اجنبی' مگر سارے جزو کل سے واقفیت رکھنے والی۔

کیسی بے قرار سی ہو گئی جان!

کیسی ہلچل سی مچ گئی تھی سارے وجود میں!

کیسے پل میں دل اس بے خبر کے سنگ چلنے لگا تھا۔ ایک لمحے میں [illegible] حد سے سوا

ہو گیا تھا۔

آہن التمش بظاہر حدید کے ساتھ بیٹھا تھا' مگر درحقیقت وہ کہیں اپنے اندر ہی گم تھا' جب حدید نے اسے اچانک مخاطب کیا۔

''گھر میں بڑا سناٹا ہے خیریت؟''

''سب ایک تقریب میں گئے ہوئے ہیں۔'' وہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

ملازم کافی لے آیا تھا' مگر نتالیہ کمال جوں کی توں بیٹھی رہی تھی۔ تبھی اس نے حق میزبانی نباہنے کو اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

''آپ کافی لیجئے نا۔''

نتالیہ نے عجیب چونکنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا' لمحہ بھر کو نگاہ ملی تھی' مگر نتالیہ کی نگاہ خالی خالی سی تھی۔ دوسری جانب اگر کوئی گرمئ شوق تھا بھی تو وہ اس سرد مہری کے یخ بستہ تاثر کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی جانب سے دھیان ہٹاتے ہوئے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا' تبھی آہن التمش بھی اس کی جانب سے بہ مشکل نگاہ پھیرتے ہوئے حدید کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔

حدید نے اگرچہ حتی الامکان کوشش کی تھی کہ زیادہ وقت نہ لگے' مگر وہ جتنی بھی دیر وہاں رہی تھی' اسے وہ لمحے صدیوں پر محیط لگے تھے۔

شام تک اس نے خود کو ہر تاثر' ہر خیال سے بچا کر کسی نئی راہ پر لگانا چاہا تھا' مگر اب یہاں سے واپسی پر وہ ایک بار پھر اسی خیال کے حصار میں تھی۔

اس نے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل طور پر گریز برتا تھا' خود کو اس ہر تاثر سے بے نیاز ظاہر کیا تھا' مگر دل تھا کہ پھر بھی الجھتا چلا گیا تھا۔

وہ جانتی تھی' بے بے اس کی کیفیت پر بہت پریشان تھیں' مگر دانستہ اسے براہ راست کچھ کہنے سے یا دریافت کرنے سے اجتناب برت رہی تھیں۔

حدید بھی اسے کھوج رہا تھا اور وہ..... وہ بھی شاید خود کو سمیٹنے میں مگن تھی۔

مگر اس رات جیسے وہ خود سے الجھتے الجھتے اور خود کو سمیٹتے سمیٹتے تھک گئی تھی۔ تبھی بے بے کی گود میں سر دھرتے ہوئے اپنا سارا درد بہا دیا تھا' اور ایسا کرنے سے جانے کیوں ایک طمانیت سی اندر اترتی چلی گئی تھی۔ ایک عرصے کی اضطرابی کیفیت سی تھمنے لگی تھی۔

بے بے کتنی دیر تک چپ چاپ اس کے بالوں میں ملائمت سے اپنا ہاتھ پھیرتی رہی تھی' تبھی وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری بے بے میں نے آپ سے سب کچھ مخفی رکھا' مگر میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے مجھے بہت اعتماد دیا ہے۔ مجھے جینا سکھایا ہے۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ میرے لئے ممی جیسی ہیں' مگر اس سے قبل کہ میں آپ کو مطلع کرتی..... یہ خواب سہانا ٹوٹ گیا' اور کہنے سننے کو کچھ باقی ہی نہ رہا۔'' اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔

بے بے ہولے ہولے اس کا سر تھپکتی رہیں' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''تم آرام کرو اب..... رات بہت گزر گئی ہے۔'' ان کا لہجہ بہت حلیم تھا۔ نتالیہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی۔ تبھی بے بے نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔

''اب پریشان نہیں ہونا..... زندگی ایک سفر ہے اور سفر کے دوران راستوں میں بہت سے سنگ میل آتے ہیں۔ انہیں غیر اہم اور سفر کا حصہ سمجھ کر بھلا دینا چاہئے۔ یہ مت سوچو کہ کسی نے تمہارے ساتھ کیا کیا..... یہ سوچو کہ اب تمہیں کیا کرنا ہے۔ زندگی پر اور خوشیوں پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے' جتنا کہ دوسروں کا..... دوسروں کے منفی رویوں کو بھول جاؤ اور اپنی آئندہ کی زندگی پر غور کرو۔'' اس نے فقط ان کی طرف دیکھا تھا' پھر پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اور پھر اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ مڑ کر پیچھے نہیں دیکھے گی۔ چلے گی اور نئی راہیں تلاشے گی۔ راہوں پر پڑنے والے سنگ میل اس کی نگاہ میں نہ ہوں گے بلکہ وہ منزل کی طرف اپنی نظر رکھے گی۔

اس نے سوچا تھا' اور پھر خود کو ایک بار پھر مصروف کر لیا تھا۔ اس نے قصد کیا تھا کہ ہر طرح کی سوچ اس سے دور رہے..... اور وہ گزری ہر بات فراموش کر دے' مگر وقت جیسے اس کے مخالف تھا۔

آہن التمش راہ بدل بدل کر اس کی سمت پلٹنے لگا تھا۔

''میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔'' جانے کیسے اس نے نتالیہ کمال کا پرسنل سیل فائنڈ آؤٹ کر لیا تھا۔

"نہیں..... نہیں جی سکتا میں تمہارے بغیر..... بہت چلا میں..... بہت بہت دور گیا تم سے' مگر اتنی دوری پر..... اتنے فاصلے طے کر لینے کے بعد بھی یہی کھلا کہ بہت مشکل ہے یہ..... یہ بے حد مشکل ہے' میں جتن کر کر کے ہار گیا' کتنی تدبیریں رائیگاں گئیں' کتنے حیلے بہانے رد کئے' مگر دل بہت عجیب ہے..... مانتا ہی نہیں' کیا کروں؟ تم کہو کچھ۔" اس کا لہجہ حدتوں سے پُر تھا۔

اور نتالیہ کمال کو لگا تھا اس کی سماعتیں سلگ اٹھی ہوں' پورا وجود بھونچال کے زیر اثر تھا' جیسے پل بھر میں کتنے قصد کئے تھے' کتنے جتن' کتنے بندھ اور کیسے ایک پل میں باطل رہا تھا سب کچھ۔

وہ آیا تھا..... اور جان مشکل میں کر دی تھی۔

آج بھی..... سب باتوں کے باوجود آج بھی جیسے وہ تمام اختیارات رکھتا تھا۔ اندر کے سب موسموں پر اس کا پہرہ تھا۔ وہ جو چاہتا..... روا رکھتا..... وہ اب بھی "مختار کل" تھا۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی۔ نتالیہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی' کچھ بھی نہیں' مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکی تھی۔ ایک ساکت سی بت بن گئی تھی۔ کیسا جادو تھا اس کے لہجے میں' کہ وہ ایک پل میں اس کا معمول بن گئی تھی۔

نہ کوئی جتن کام آیا تھا' نہ کوئی بندھ اور پل بھر میں وجود کا پورا علاقہ ایک اضطراب کے زیر اثر تھا۔ وہ اسی طرح ساکت تھی' اور اس کا دھیما مدھم لہجہ اس کے گرد اپنا حصار باندھتا چلا جا رہا تھا۔

"دل نہیں مانتا' کچھ بھی نہیں' کیا کروں۔ کوئی حل ہے' تمہارے پاس؟ تم کیسے اجنبی ہو جاتی ہو..... کیسے نگاہ سے شناسائی کو زائل کر دیتی ہو' کیسے؟ نہ تم سے دور نکل سکا' نہ تمہیں فراموش کر سکا' دل میں جھانکوں تو اب بھی تمہی تم ہر طرف ہو' یقین بھی' گمان بھی' میرے تو سارے زمانے اب بھی تم سے وابستہ ہیں۔ تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا..... کیوں نگاہ بدل لی؟ کیوں اجنبی ہو گئیں؟ کیا اس طرح جینا ممکن ہے تمہارے لئے؟"

اس نے رک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی' اور برسوں کی تھکن نے اس کی ساری ہمتوں کو جیسے زیر کر دیا تھا۔ وہ جب بولا تھا تو تھکن بے حد غالب تھی۔

"کچھ بھی ممکن نہیں ہے..... کچھ بھی نہیں۔ نہ ہمارے واسطے..... نہ تمہارے واسطے

حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں حیلہ باز ہیں..... جھوٹ بولتے ہیں۔" اس کے انداز میں کتنی شدت تھی' کتنی حدت تھی اور وہ ساکت سی اپنی جگہ پر تھی۔

"تم کچھ نہیں بولو گی' تم کچھ نہیں بول سکتیں' نتالیہ کمال کیونکہ تم بھی ایک حیلہ باز ہو' دیکھتے ہوئے بھی آنکھیں بند کر لینا جس کا معمول ہے اور سنتے ہوئے بھی نہ سننا جس کا وتیرہ ہے' مگر اس لاحاصل سفر سے آخر ہمیں کیا ملے گا؟ ہم کیوں بے سود منزلوں کی سمت گامزن رہیں گے۔"

نتالیہ کمال کا ضبط جیسے ٹوٹنے لگا تھا۔ کتنے طوفان سمندر بن کر آنکھوں میں آن رکے تھے اور وہ جیسے ہمت ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ خود سے' بے بے سے کیا گیا عہد اسے عزیز ترین تھا۔ تبھی اس نے بنا کچھ کہے سیل فون کو کان سے ہٹایا تھا' اور آف کر دیا تھا اور سر کو میز پر ٹکاتے ہوئے اس لمحے وہ واقعی خود سے ہار چکی تھی۔

✦ ◈ ✦

اور اس روز بہت دنوں بعد اس کی انگلیاں وائلن سے کھیل رہی تھیں۔ بہت مگن سی وہ ایک مخصوص دھن بجائے جا رہی تھی۔ جب حدید جانے کب اس کے سامنے آن بیٹھا۔ وہ اتنی مگن تھی کہ قطعاً متوجہ نہ ہوئی۔ جب بہت دیر بعد اس نے تھک کر آنکھیں کھولیں تو اسے سامنے بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔

"تم کب آئے؟" وہ بہت ہولے سے مسکرایا۔

"کافی دیر ہو گئی۔ تم تو خاصی ایکسپرٹ ہو گئی ہو۔ اتنا چھپا کر کیوں رکھ رہی ہو اپنے ٹیلنٹ کو۔ تمہیں تو ورلڈ وائیڈ متعارف ہونے کی ضرورت ہے۔ کیا کمال پلے کرتی ہو تم۔" حدید نے اس کی تعریف کی تو وہ بہت ہولے سے مسکرا دی۔

"تھینک یو۔ ڈیوڈ برگنزا بھی یہی کہتے ہیں' مگر میں نے یہ سب کسی ستائش کے لئے نہیں سیکھا۔ مجھے شوق ہوا تھا سو سیکھ لیا۔ پلے کر کے تسکین ملتی ہے' سو بجا لیتی ہوں۔ یہ سب میری اپنی ذات کے لئے ہے۔" اس نے وائلن ایک طرف رکھا۔

"مگر یہ تو ناانصافی ہوئی' تمہاری صلاحیتوں کے ساتھ بھی اور اچھی سماعتیں رکھنے والوں کے ساتھ بھی۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر فوراً بولی۔ "تم کہو کیسے آنا ہوا؟"

"ثنا کی شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی ہے۔ امی نے کہا ہے' تمہیں لے آؤں۔ گھر میں کوئی اور لڑکی تو ہے نہیں..... ہو تو تم بھی خاصی نکمی' مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔ قرب و جوار میں فقط تمہی ہو' ثنا کو شاپنگ کے لئے بھی ہیلپ درکار ہے۔ سو تم سے استفادہ کرنا مجبور ہے۔ دوسرے کام بھی ہیں' جن کے متعلق امی تمہیں آگاہ کر دیں گی' طے یہ ہوا ہے کہ رخصتی تک تم وہیں رہو گی۔ آئی مین ثنا کی رخصتی تک۔" آخر میں وہ شرارت سے وضاحت دیتے ہوئے مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"شیڈول تو خاصا ٹف ہے۔ بات تمہاری ہوتی تو شاید میں انکار کر بھی دیتی' مگر آنٹی اور ثنا کو میں قطعاً منع نہیں کر سکتی۔ چنانچہ جانا ہی پڑے گا۔"

وہ مسکرا دیا تھا' پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم ضروری پیکنگ کر لو' مگر ذرا جلدی' او کے۔"

"او کے۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا حالانکہ وہ کہیں جانے کے موڈ میں نہ تھی' مگر یہ سفر بھی ناگزیر تھا جیسے....."

✦ ◈ ✦

کچھ بھی ممکن نہیں ہے' اور جنوں ہے کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ وحشت ہے کہ تھمنے میں نہیں آ رہی ہے۔ اس کا لہجہ دھیما مگر انداز پُر وحشت تھا۔ اس کے اندر کی تمام شدتیں اس کے لہجے میں آن سمٹی تھیں۔ حدید اسے خاموشی سے تکتا رہا تھا۔

وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر عجیب پُر وحشت انداز میں سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"اس سے ملنا ممکن نہیں' اس کے بغیر' اس سے جدا ہو کر جینا ممکن نہیں' اس کو بھولنے کی کوشش کرتے رہنا اور لاکھ جتن کر کے بھی نہ بھول سکنے کی بے بسی سہنا' بھول جانا بھی جب ممکن نہیں تو پھر جینا کس طرح ممکن کروں۔ جب کچھ بھی ممکن نہیں تو پھر یہ عمر بھی کیوں ہے؟ یہاں تو پل دو پل جینا محال ہے۔ عمر کس طرح بسر کروں گا۔" اس کے پُر شدت لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔

حدید فیض الحق اسے کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے تکتا رہا تھا' پھر بہت ہولے سے بولا تھا۔

"محبت اضطراب کے سوا کچھ نہیں' محبت کی ہے تو اس مسلسل جنوں خیز بے قراری اور

اضطرابی کو بھی جھیلو....." پھر قدرے توقف سے گویا ہوا۔ "جو کچھ بھی ہوا ہے' اس میں اگرچہ تمہاری کوئی غلطی نہیں مگر نتالیہ کمال کا عظیم نقصان ہوا ہے' تم نہیں جانتے' میں نے دیکھا ہے اسے' بہت مشکل میں ہے وہ لڑکی' اس کی ہمت ہے کہ اپنے اردگرد ایک خول بنا کر اپنے اندر کو سب سے مخفی رکھے ہوئے ہے اور جیئے جا رہی ہے۔ رئیلی مجھے کبھی اندازہ نہیں ہو پایا' اس کی کیفیت کا..... اسے پریشان دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تیرتی اضطرابی دیکھ کر میں یہی سمجھا تھا' اسے کوئی معمولی اور عام سی مشکل درپیش ہوگی' کوئی اس طرح کی صورت حال ہوگی' میرے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔" وہ واقعی حیران تھا۔

آہن التمش سر اٹھا کر اسے چپ چاپ دیکھنے لگا تھا۔ حدید فیض الحق جیسے اس کی آنکھوں میں تیرتے سوال پا گیا تھا' تبھی بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"اب کیا چاہتے ہو تم.....؟ جبکہ تم خود کہہ رہے ہو اور جانتے ہو کہ کچھ ممکن نہیں تو پھر یہ جنوں خیزی کیوں؟ یہ اضطراب کیوں؟ بھول جاؤ سب کچھ اور سمجھوتا کر لو' جیسے ناٹنی نائن پرسن کرتے ہیں۔

اگر تم میں ہے ہمت تو بغاوت کر دو!

ورنہ جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لو

حدید محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا تھا۔

آہن التمش نے اسے فقط خاموشی سے تکا تھا' پھر دھیان بھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے جیسے خود کلامی کی تھی۔

"یہ جنوں نہیں تھمے گا۔ یہ شدت یونہی جان سلگاتی رہے گی اور....."

"اور تم گریباں چاک کر کے مجنوں میاں بن کے صحراؤں کی خاک چھاننے نکل جاؤ گے' او بھائی اب ایسا نہیں ہوتا۔ اکیسویں صدی ہے۔ فقط ایک ہاتھ کی جنبش سے دنیا زیر و زبر ہو جاتی ہے۔ اب مجنوں پیدا نہیں ہوتے۔" حدید مسکرا رہا تھا۔ آہن نے اسے گھورا تھا۔

"تم تیل ڈالنے کے لئے یہاں بیٹھے ہو؟"

"نہیں مٹی ڈالنے کے لئے۔" حدید کا قہقہہ بے ساختہ تھا' پھر اس کی کیفیت اور صورتحال کی سنجیدگی کا احساس ہوا تو لب بھینچ لئے' پھر اسی قدر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"صورتحال بہت پیچیدہ ہے۔ نمبر ایک' تم نتالیہ کی ددھیال سے تعلق رکھتے ہو' نمبر ..

نتالیہ اپنی دوھیال سے خطرناک حد تک بدظن ہے' اور شدید ترین نفرت کرتی ہے' نمبر تین اس کی دوھیال کا رویہ بھی کچھ قابل ستائش نہیں' نمبر چار نتالیہ کا والد' اس سے انتہائی حد تک لاتعلق رہا اور یہ صورتحال اب تک قائم ہے۔ نمبر پانچ تم خیر سے منگنی شدہ ہو چکے ہو' اور اس بات کو ایک سال ہو چکا ہے۔ تم نتالیہ کو کوئی بھی وضاحت دیئے بغیر چپ چاپ چھوڑ چکے ہو' دور سے لفظوں میں نئی راہ اختیار کر چکے ہو۔ پھر اس سب کے باوجود یہ سلگنا' یہ تڑپنا' سراسر بے معنی ہے۔ کوئی معجزہ ہی تمہیں نتالیہ سے ملا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔'' حدید نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر یکدم بولا۔ ''تم آنٹی سے بات کر کے کیوں نہیں دیکھتے۔''

''کیا بات کروں ان سے؟'' آہن التمش اس کی جانب سوالیہ نظروں سے تکنے لگا۔

''یہی کہ تم فارینہ اکبر سے شادی نہیں کرنا چاہتے' اور تم فارینہ اکبر سے کیوں بات نہیں کرتے۔'' وہ یکدم چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگا' مگر آہن التمش نے بہت پرسکون انداز میں سر نفی میں ہلا دیا۔

''اس سے کچھ نہیں..... لڑکی میرے لئے کیا کرے گی۔ میں مرد ہو کر بے بس ہوں..... لاچار ہوں..... بے اختیار ہوں..... پھر اس سے کیا امید رکھوں۔ میں اپنے لئے کسی صنف نازک کو کم از کم آلۂ کار نہیں بنا سکتا۔''

''پھر تو تم ہی وہ واحد ہستی ہو' جو بااختیار بھی ہو اور بے اختیار بھی۔ تم خود کیوں کوئی سٹینڈ نہیں لے لیتے؟''

آہن التمش اس کی طرف دیکھتا چلا گیا تھا' تبھی وہ ہنس دیا تھا۔

''سچ کہا ہے کسی نے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے!

حدید یقیناً اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا' مگر آہن التمش کا انداز ہنوز اسی کیفیت کا آغاز تھا۔ بہت سی بے قراری اس کی آنکھوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ جان جیسے واقعی مشکل میں تھی۔

✦ ◈ ✖

کتنے دنوں سے کتنی ڈھیر ساری مصروفیت رہی تھی۔ اسے تو خود کی طرف دیکھنے کا بھی موقع نہ ملا تھا' کجا کسی اور کو سوچنا' مگر اس روز جب ہال کمرے میں سب لڑکیاں ڈھولک کی تھاپ پر بیٹھی خوشی کے گیت گا رہی تھیں' تبھی حدید نے اسے مطلع کیا تھا کہ بے بے آئی ہیں اور قدسیہ آنٹی کے پاس بیٹھی ہیں۔ اس نے کتنے دنوں سے بے بے اور فیضی کو نہ دیکھا تھا۔ اطلاع ملی تو فوراً دل مچل اٹھا اور وہ فوراً اٹھتی ہوئی قدسیہ آنٹی کے کمرے کی جانب بڑھنے لگی' مگر جانے کیسے یکدم ہی وہ اس کے سامنے آن رکا..... اس نے بہ مشکل قدم روک کر خود کو اس سے ٹکرانے سے باز رکھا تھا۔ اس کے باوجود قربت حد درجہ تھی۔ دھڑکنیں ایک لمحے میں اپنے معمول سے ہٹی تھیں۔ اس نے سنبھلتے ہوئے بے ارادہ ہی دو قدم بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی نازک کلائی کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔

نتالیہ کمال نے بہت چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ مگر اس کی نگاہوں کی حدت نے دوسرے ہی پل اسے نگاہ جھکانے پر مجبور کر دیا۔

آہن التمش اردگرد سے بے نیاز اسے بغور تکتا چلا گیا تھا۔

تو کیا تمہیں میں کبھی یاد بھی نہیں آیا!
کسی گلاب کو ٹہنی سے توڑ کر بھی نہیں!
سبک کلائی میں گجرے کبھی پہنتے ہوئے!
گلاب ہاتھوں میں مہندی کبھی لگاتے ہوئے
سفید دودھیا آنچل کو زرد رنگتے ہوئے
گلال ملتے ہوئے چوڑیاں پہنتے ہوئے
چمکتے ماتھے پہ بندیا کبھی سجاتے ہوئے
سنور کے دیر تلک آئینے کو تکتے ہوئے
تو کیا تمہیں میں کبھی یاد بھی نہ آیا

اس کا لہجہ..... انداز حدتوں سے پُر تھا..... نتالیہ کا سارا وجود پل میں سلگنے لگا تھا۔

کیسے شکوے تھے اس کے لبوں پر' کیسی حسرتیں بول رہی تھیں اس کی آواز میں؟ کیسی بے قراری تھی اس کے لہجے میں؟

سارا ماحول مہیز ہوتا چلا گیا تھا۔ چار سو جیسے کوئی جادو سا بکھرتا چلا گیا تھا۔ نتالیہ کمال

بھاگنے کے ہزار جتن کرتے ہوئے بھی' سو راہیں فرار کی ڈھونڈتے ہوئے بھی اس گھڑی جیسے بے بس تھی۔ کتنی باتیں تھیں' اس شخص کے لبوں پہ..... کتنے لفظ تھے۔

مگر وہ بہت سے انسان نہیں ہوئی تھی۔ تبھی آہن التمش بہت پرشکوہ انداز میں اس کی سمت سلگنے لگا تھا۔

''کیا رائیگاں رہے گا' سب کچھ کیا یونہی اجنبی رہیں گے ہم' سارے موسم یونہی بے ثمر رہیں گے۔''

کتنے سلگتے ہوئے سوال تھے اس شخص کے لبوں پر۔ دھیما لہجہ کتنے اسرار' کتنے بھید اپنے اندر رکھتا تھا' مگر وہ یونہی سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔

آہن التمش نے بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو قدرے اوپر اٹھایا تھا۔

''کہو کوئی راہ ہے کہ نہیں؟''

کیسے جنوں کا اسیر تھا' وہ دانا سا شخص اس گھڑی..... ہوش و خرد سے جیسے یکسر بیگانہ تھا۔ اس کا جادو سا لہجہ نتالیہ کمال کے گرد طواف کرتا جا رہا تھا' اور وہ جیسے مکمل طور پر بے بس تھی۔

''تمہیں تو خبر ہی نہیں..... جینا مشکل ہو گیا ہے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ زندگی صحرا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ پل' یہ لمحے' گزر گئے تو پھر ہاتھ نہیں آئیں گے' یہ جگنو ایک بار مٹھی میں نہ آئے تو باقی ماندہ تمام عمر تاریکی میں ڈوب جائے گی' لیکن تمہیں تو کچھ خبر نہیں' کچھ بھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں کتنی یاسیت گھل گئی تھی۔

نتالیہ کمال نے تب ایک لمحے کو نگاہ اٹھا کر اس پر نظر کی تھی۔ کیسی بے بسی سے وہ اس گھڑی اس کی جانب تک رہا تھا۔ یقیناً وہ اس کی سمت سے کچھ بولنے کا منتظر تھا۔ کوئی حرف ملامت ہی سہی' مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ ساکت جامد چپ لبوں پر لئے..... جامد سکوت آنکھوں میں لئے..... اسے سرد مہری سے سلگتے ہوئے' بہت آہستگی سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے رہا کئے تھے' پھر اسی آہستگی سے پلٹ کر وہ وہاں سے ہٹتی چلی گئی تھی۔

آہن التمش دھواں دھواں نظروں سے اس منظر کو تکتا چلا گیا تھا۔

✦ ◈ ✖

پھر وہ بہت چپکے سے وہاں سے چلی آئی تھی' شانے کتنا روکنا چاہا تھا' حدید نے بھی تردد کیا تھا' مگر وہ نہیں رکی تھی۔ گھر آ کر اپنے کمرے میں بیٹھی کتنی دیر تک وائلن کے تاروں سے

کھیلتی رہی تھی' اور شیشے کے اس پار کتنی بوندیں اس خنک رات میں گھاس پر گرتی رہی تھیں۔ کتنے سرد کمرے کی فضا کو اپنے سنگ باندھتے رہے تھے۔

وہ اس شام کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی' مگر فارینہ اچانک ہی چلی آئی تو بے بے نے اسے روکا نہیں۔ فارینہ کو اس سے قبل کبھی اجازت لے کر اس کے کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی' مگر بہت دنوں کی طویل غیر حاضری کے بعد وہ بھی قدرے ہیزی ٹینشن محسوس کر رہی تھی۔ دروازہ کھول کر کمرے میں دھیرے سے چلتے ہوئے اس کے قریب بیٹھنے تک فارینہ نے اسے قطعاً ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔

وہ گم صم بیٹھی اپنی نازک انگلیوں سے وائلن کے تاروں سے کھیلتی رہی تھی' اور کتنے دل گداز سرد فضا میں بکھرتے رہے تھے۔ وہ جیسے خود سے الجھ رہی تھی۔ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ خود سے بھاگ رہی تھی۔

فارینہ کی نگاہیں رم جھم گرتی بوندوں پر جا ٹھہری تھیں۔ کتنی بوندیں شیشے پر رک کر کتنی بہت سی کہانیاں چپکے سے لکھ گئی تھیں' اور فارینہ اکبر کو ایک لمحے میں لگا تھا' نتالیہ کمال کے اندر بھی کہیں ایسی ہی بارش ہو رہی تھی۔

ایسی ہی کئی بوندیں شیشۂ دل پر جم چکی تھیں' اور سارا وجود اس خنک شام سے بھر گیا تھا۔ اسے لگا تھا..... ایسی ہی کسی سرد شام کا کوئی انجانا سا کرب اس دھن میں بھی تھا..... اور

وہ کتنی محویت سے اسے تک رہی تھی۔ جب نتالیہ کمال نے ہاتھ روک کر بہت ہولے سے اپنی آنکھیں وا کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ فارینہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس فقط خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی۔

نتالیہ جیسے اس گھڑی ایک بار پھر مشکل میں تھی۔ اس کی بے وقت آمد نے یقیناً اس کی تنہائی میں خلل ڈالا تھا' اور وہ جو بہت انہماک سے خود سے مکالمہ کر رہی تھی' اس کا تسلسل لمحہ بھر میں ٹوٹ گیا تھا۔

''کیسی ہو تم.....؟''

فارینہ نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ وائلن ایک طرف رکھتے..... کھوئی کھوئی آنکھوں والی سرد شام سی لڑکی نے بہت ہولے سے اسے دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

سرما کے اس خنک موسم میں کسی بھی شال سے بے نیاز وہ اس گھڑی جیسے خود اپنے آپ سے بھی بے نیاز تھی۔ فارینہ نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ باہر بارش کے باعث موسم کی خنکی سوا ہو گئی تھی' اور وہی سرد موسم جیسے اس گھڑی ان دونوں کے روّیوں میں در آیا تھا۔ عجیب ایک کھنچاؤ سا تھا دونوں کے انداز میں۔ جیسے شناسائی کا کوئی واسطہ کبھی رہا ہی نہ ہو۔ فارینہ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے تکتی رہی تھی' پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''کیسے کہوں میں تم سے..... تم جو کچھ بھی سوچ رہی ہو..... وہ فقط حرفِ باطل ہے نہ میں نے تمہیں کوئی فریب دیا ہے' نہ ہی آہن التمش نے تم سے کوئی بے وفائی کی ہے۔ معاملہ سارا یہ ہے کہ تم فقط ایک منفی رخ پر سوچ رہی ہو۔ کچھ دیر کو رک کر اس نے جیسے مدعا بیان کرنے کو الفاظ ترتیب دیئے تھے' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''یقین کرو..... اس شخص کی مجھ سے قطعاً کوئی وابستگی نہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ پاپا نے اپنے بزنس ریلیشن کو کچھ سٹرونگ کرنے کے لئے یہ ڈیل کی تھی۔ التمش انکل اور پاپا دونوں بزنس پارٹنرز تھے' شاید یہ بات بھی زیادہ اہم نہیں' دراصل میں تمہارا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتی۔'' وہ خاصی الجھی ہوئی سی لگی تھی۔ نتالیہ کمال سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔

''بات یہ ہے کہ انگیجمنٹ رنگ پہننے سے قبل میں قطعاً یہ بات نہیں جانتی تھی کہ آہن التمش وہی شخص ہے' جس سے تم وابستہ ہو..... میں تو سرے سے اس جھنجٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ تم جانتی تھیں' یہ بات تبھی جب ماما' پاپا نے اس رشتے کی بابت مجھ سے بات کی تو تو میں نے صاف انکار کر دیا' مگر پھر جب مسلسل مجھے پریشرائز کیا گیا تو مجھے ہاں کرنا پڑی۔

مجھے اس بندے کے نام سے قطعاً کوئی غرض نہ تھی' جیسا سب چاہتے تھے' ویسا ہی کیا۔ بس چپ چاپ سر جھکا دیا۔ آہن التمش بھی جیسے اپنی طرف سے دباؤ میں تھا۔ ہم دو مختلف سمتوں کے دو مختلف افراد تھے' جنہیں بادل نخواستہ ایک سمت میں چلنا پڑا۔ مگر.....'' وہ رک کر اس کی سمت دیکھنے لگی پھر بولی۔

''نتالیہ میں نے یہ تب جانا' جب تم اس پارٹی سے بھیگی آنکھوں سمیت الٹے قدموں واپس لوٹ گئیں' مگر اس وقت میں بے بس تھی۔ تمہاری کیفیت جانتے ہوئے بھی میرے پاس مداوا کچھ نہ تھا۔ میں تمہیں اس درد سے بچانا چاہتی تھی۔ اس کیفیت سے نکالنا چاہتی تھی'

مگر..... لمحہ بہ لمحہ ہمارے درمیان بدگمانیاں بڑھتی چلی گئیں۔ فارم ہاؤس پر بھی ہم اپنے اپنے پیرنٹس کی منشا پوری کرنے آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم میں باہمی انڈرسٹینڈنگ کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ملتے جلتے رہیں' اور ایسا شاید کسی بہتری کے باعث ہی ہوا۔ مجھے آہن التمش کو قریب سے جاننے اور دیکھنے کا موقع ملا اور تب میں نے جانا کہ اس کے اندر باہر..... ہر طرف تم ہی تم ہو..... وہ سمجھوتہ کر کے بھی بارہا تمہاری کھوج میں' تمہاری سمت پلٹتا رہا۔ بارہا وہ میرے ساتھ رہا' مگر درحقیقت کسی اور کا خیال اس کے سنگ رہا' اور وہ تم تھیں۔

نتالیہ کمال فقط تم۔ میں نے اسے قریب سے دیکھا اور جانا کہ کسی اور کی اس کی زندگی میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں اگر اس سے ستبردار ہونے کا سوچوں گی تو اس میں کوئی ہمدردی' کوئی ترس' کوئی تمنائے ستائش قطعاً شامل نہیں ہو گی۔ میں اسے اس لئے نہیں چھوڑوں گی کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے' اس میں کوئی احسان' کوئی ہمدردی شامل نہیں ہے۔ میں فقط اس لئے اس شخص کے ہاتھ کو چھوڑ رہی ہوں کہ میں اس کے ساتھ مزید نہیں چل سکتی۔ سمجھوتے کر کے شاید وہ جی سکتا ہو' مگر میں اپنی بقا یقینی نہیں سمجھتی۔ میرے لئے یہ انتہائی مشکل ہو گا..... ایک کڑی آزمائش اور میں عمر بھر آزمائش میں مبتلا رہنا نہیں چاہتی۔ نہیں رہ سکتی میں کسی ایسے امتحان میں مبتلا..... جس میں پل پل دل جلتا رہے..... جان سلگتی رہے۔ سمجھوتے ملکوں اور سرحدوں کے درمیان ہو سکتے ہیں' دلوں کے مابین نہیں۔ میں کسی سمجھوتے کی خاطر اپنی ساری زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ تم اپنا دل میری طرف سے صاف کر لو۔ اگر تمہیں کوئی دھوکا ہوا بھی ہے' کسی سازش کا شکار تمہیں بنایا بھی گیا ہے' تو اس میں' میں شامل نہیں ہوں۔

میں آج بھی تمہاری دوست ہوں..... آج بھی تمہاری خیر خواہ ہوں' آج بھی تم مجھے اتنی ہی عزیز ہو' اور میں تمہیں کوئی زک قطعاً نہیں پہنچا سکتی۔ جہاں تک بات آہن التمش کی ہے' تو اس سے بہتر جیون ساتھی شاید تمہیں کوئی اور نہ مل سکے..... وہ جس طرح تمہیں سوچتا ہے..... چاہتا ہے..... ایسا کوئی اور نہیں کر سکتا..... تم اس کی سوچوں کا محور ہو..... اس کی زندگی کا ''جز و کل'' ہو۔ کوئی اور شاید اس طرح تم' تمہاری محبت میں مبتلا نہ ہو سکے' وہ تمہارے لئے سچا ہے۔ میرا یقین کرو' بہت چاہتا ہے وہ تمہیں اور تمہارے لئے وہ ایک جہاں سے لڑ سکتا ہے' اور اس کی یہ جنگ جاری و ساری بھی ہے کیونکہ وہ تمہیں قطعاً ہارنا نہیں چاہتا۔ اس لئے اس کی

ہستیں بھی جوان ہیں۔ تم اس سے مزید بدگماں نہ ہو۔ ترک کر دو یہ سلسلہ اب۔

وہ تمہاری طرف ضرور لوٹے گا۔ بس ایک گزارش ہے' جب وہ لوٹے تو اپنے دل کے در وا کر دینا۔ وہ اپنی محبتوں سے بدگمانیوں کے سارے موسم ایک پل میں دھو دے گا۔ تمام سرد جامد موسم سمیٹ کر اپنی پُرحدت محبت کو چار سو بھر دے گا۔ تم اس کا انتظار کرنا' اور در کھلا رکھنا' وہ ضرور آئے گا۔''

فارینہ اکبر نے چپ ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی' مگر کتنی آہستگی سے اس کی پلکوں سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی ہتھیلیوں پر آن گرے تھے۔ فارینہ نے اسے دیکھا تھا' پھر اس کے ہاتھ پر اپنا پُرتپش ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بغور تکتی رہی تھی' پھر یکدم اٹھی تھی اور پلٹ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

نتالیہ کمال تب بھی سر جھکائے اس طرح چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔۔

باہر بارش اب بھی ہو رہی تھی' اور کتنی بوندیں اب بھی شیشے پر جم رہی تھیں۔

✦ ◈ ✦

کتنی جاگتی سرد راتوں کی تھکن اس کے اندر تھی۔ طبیعت کس قدر بوجھل سی ہو رہی تھی۔ اس شام جب بوندا باندی کا تسلسل جاری تھا' وہ شال اپنے گرد لپیٹ کر بے بے کو مطلع کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کئی دنوں کی بارش کے باعث ٹمپریچر خاصا گر گیا تھا۔ ٹھنڈی سرد ہواؤں نے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' اور ٹھنڈک خاصی بڑھ گئی تھی۔ اس وقت بھی سرشام ہی ایک کہر نے پورے ماحول کو گھیر لیا تھا۔ سرد یخ بستہ ہوائیں جسم کے آر پار ہو رہی تھیں' مگر وہ ایک معمولی سی شال لپیٹے بے پرواسی چلتی چلی جا رہی تھی۔ بوندا باندی کا تسلسل بھی پہلے سے بڑھ گئی تھا۔ وہ خاصی حد تک بھیگ گئی تھی' مگر وہ جیسے ان سب باتوں سے بے نیاز ہو' اسے ایک طمانیت سی مل رہی تھی اس بے سمت سفر سے۔

کتنے دنوں کی گھٹن اس کے اندر تھی۔ سرد یخ بستہ ہواؤں میں سانس لیتے ہوئے ایک سکون اس کے اندر سرایت کر رہا تھا' نہ جانے کب تک وہ چلتی چلی جاتی یکدم پیچھے سے آنے والی گاڑی کے مسلسل ہارن نے اس کے انہماک کو یکدم توڑ دیا تھا' وہ جو ناک کی سیدھ میں چلتی چلی جا رہی تھی' پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

آہن التمش نے شیشہ اتار کر اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا' پھر اس کے لئے ڈور وا

کر دیا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑی تکتی رہی تھی' تبھی وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر کر باہر نکلا تھا' اور چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ ایک لمحے کو اسے یونہی خاموشی سے دیکھا تھا' پھر اس کی یخ بستہ کلائی کو اپنے پُرحدت ہاتھ سے تھامتے ہوئے گاڑی میں بٹھایا تھا' پھر دروازہ بند کر کے چلتا ہوا اپنی سیٹ پر آن براجمان ہوا تھا۔

وہ ساکت سی بت بنی بیٹھی تھی۔ آہن التمش نے اسے دیکھا تھا' پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ نتالیہ کمال تب بھی اسی طرح ساکت ایک جانب تکتی رہی تھی۔ تبھی وہ قدرے درشت لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کیا پاگل پن تھا یہ.....''

وہ یقیناً اسے ڈپٹ رہا تھا' مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ ساکت سی ایک جانب تک رہی تھی۔

آہن التمش نے اسے لحہ بھر کو دیکھا تھا' پھر ونڈ سکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''جینا جب اتنا محال ہے تو پھر یہ دوریاں کیوں؟ یہ فاصلے کس لئے؟ کس لئے یہ اتنے تردد؟ یہ ڈھیروں جواز' اجنبی ہو کر جینا جب اتنا ہی کٹھن ہے تو پھر یہ سب حیلے بہانے کیوں؟''

آہن التمش کا دھیما لہجہ تپش سے بھرپور تھا۔ نتالیہ کمال کے اندر جمی برف پر جیسے ایک ضرب پڑی ہو۔

''وہ جس طرح تمہیں سوچتا ہے' چاہتا ہے' ایسا کوئی اور نہیں کر سکتا' تم اس کی سوچوں کا محور ہو' اس کی زندگی کا جز و کل ہو' کوئی اور شاید اس طرح تم سے جتلا نہ ہو سکے۔'' ہی از دی رائٹ پرسن فور یو۔'' فارینہ کی آواز اس کے اردگرد گونجی تھی۔ اس نے خیال سے چونکتے ہوئے خود کو اس ماحول کا حصہ بنانا چاہا تھا' بہت ہولے سے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ اس کی جانب اس گہری قدرے غافل سا ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

نتالیہ کمال نے بہت چور نظروں سے اس ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا تھا' کتنا کم فاصلہ تھا' مگر کتنی صدیوں کی دوری حائل تھی' پھر بھی..... کیا واقعی وہ شخص سچا تھا..... کھرا تھا..... اسے اس قدر شدتوں سے چاہتا تھا' سوچتا تھا۔

دل جیسے یکدم ہی دھڑکنے کے رموز سے پھر واقف ہوا تھا۔ دل دھڑکا تھا اور سارے

وجود میں ایک حرارت سی دوڑ گئی تھی۔ ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ دل جیسے ایک ہی آہنگ میں دھڑکتا چلا گیا تھا۔ وہ اسی طرح اس کی سمت دیکھ رہی تھی' جب آہن التمش نے بنا اس کی طرف دیکھے اپنا بھاری ہاتھ اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا' پھر بھی اس کی جانب سے نگاہ غافل نہیں تھی۔ دل غافل نہیں تھا..... اور..... وہ ایک لمحے میں چونکی تھی۔ اس نے ہاتھ یوں کھینچا تھا' جیسے کسی انگار نے چھو لیا ہو' وہ اس کی جانب سے یکدم ہی دھیان پھیر کر کھڑکی کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ باہر جہاں بارش اب بھی ہو رہی تھی' اور ہوائیں اسی قدر یخ بستہ تھیں۔

آہن التمش نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ گھر کے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی تھی' اور وہ ایک پل میں گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔ اس نے گیٹ کراس کرنے سے قبل جانے کیوں مڑ کر دیکھا تھا' مگر دور تک فقط دھند اور برستی بارش کے سوا کچھ نہ تھا۔

✦ ◈ ✖

شدت عشق خیر ہو تیری
کیسے عالم میں لا کے چھوڑ دیا

اسے لگا تھا' وہ بہت سخت جان ہے' اور اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔

مگر موسم نے اس پر اپنا اثر کر دیا تھا' اور وہ کتنے دنوں تک بستر پر پڑی رہی تھی۔ جس دن وہ تیار ہو کر آفس جا رہی تھی' اس دن بے بے نے چین کا سانس لیا تھا۔

"بس اب دم نہیں مجھ میں تیرے ناز نخرے اٹھانے کا..... قدسیہ کئی بار کہہ چکی ہے' تم کہو تو غور کروں..... تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو میں بھی چین سے مر سکوں گی۔ فیضی کی مجھے اتنی فکر نہیں..... لڑکا ہے..... اپنے آپ سنبھل جائے گا۔ بس یہی خواہش ہے' تجھے اپنے زندگی میں اپنے گھر کا دیکھ لوں۔" بے بے نے بہت غلط وقت پر ایک غلط ذکر چھیڑ دیا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ مزید بولتی رہی تھیں' اور وہ سن کب رہی تھی۔ دل جیسے ایک لمحے میں بیدار ہو چکا تھا۔ بے بے نے اگرچہ کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا' مگر وہ اس نہج پر سوچ ضرور رہی تھیں۔

دل جیسے اسی سنگ میل پر رک گیا تھا۔ ہر طرف ایک ہی بازگشت تھی۔ سارا وجود ایک ہی گردان کر رہا تھا۔ اس نے دو ایک بار حدید کو بھی بغور دیکھا تھا' کچھ بھی تو مختلف نہ تھا۔ کوئی

بھی تو بات چونکا دینے والی نہیں تھی' اس کے کسی انداز میں..... پھر؟ اور وہ کیوں ایسا چاہ رہی تھی کہ کچھ نہ ہو..... کچھ اگر ممکن نہیں تھا تو دل کیوں مسلسل ایک ہی بازگشت سے گونج رہا تھا' کیا وہ واقعی اس کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔

کیا وہ اب بھی.....

اور اس نے اس لمحے واضح انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی حدید نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا ہوا.....؟"

"کچھ نہیں....."

اس نے کہنے کے ساتھ ہی ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا تھا' اور پھر دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتے ہوئے باقاعدہ ڈپٹا تھا' خود کو..... مگر دل ایک ہی سمت چلتا رہا تھا۔

اور پھر اگرچہ وہ منتظر نہیں تھی' مگر اس کے باوجود سارا وجود جیسے سماعت بنا کچھ آہٹوں پر لگا رہا تھا۔

ڈور بیل..... فون بیل..... اس کے پرسنل سیل کی بیپ..... کیسے پل بھر میں دل دھڑکا جاتی..... اور تب وہ خود اپنی کیفیت پر آپ حیران رہ جاتی۔

اس رات جب وہ بے بے کے ساتھ بیٹھی اپنی پسندیدہ مووی دیکھ رہی تھی' ساتھ میں سیر حاصل تبصرہ بھی کر رہی تھی' جب یکدم ہی بے بے نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا' حدید کے متعلق؟"

اور وہ جو پورے انہماک سے سکرین کی جانب دیکھ رہی تھی' اور ساتھ ہی ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی' یکدم ہی ساکت رہ گئی تھی۔ زبان بند ہوئی تھی' مگر نگاہ اسی اینگل پر جامد ہو گئی تھی۔ وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ حالانکہ بڑی مختصر سی بات کی تھی بے بے نے' مگر اس کی ساری جان مشکل میں گھر گئی تھی۔ کتنا سناٹا سا چھا گیا تھا' سارے وجود میں..... مگر دل مسلسل چیختا چلا گیا تھا۔

کیسی ضد تھی' دل کیوں مچلے جا رہا تھا' کیسا اضطراب پورے وجود کو اپنے سنگ باندھ رہا تھا۔

"کیا سوچا پھر تم نے.....؟"

بے بے نے ایک بار پھر دریافت کیا تھا' اور اس نے خود کو بھرپور انداز میں منہمک ظاہر کرتے ہوئے انہیں یکسر بے خبری سے دیکھا تھا۔

''جی..... کس کے متعلق؟''

تب بے بے نے جواباً اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

انہیں مسلسل اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ خاموش ہو گئی تھی' پھر بہت ہولے سے ٹی وی کا والیوم کم کر دیا تھا' مگر بے بے تب مزید کچھ نہیں بولی تھیں' اور وہ اس سارے عمل میں اپنی جگہ چوری بن گئی تھی۔

''آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔'' اس لمحے شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے بالآخر خود انہیں متوجہ کیا تھا' اور تب بے بے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تم کیا چاہتی ہو..... اس کا فیصلہ تم خود کرو..... کوئی زبردستی نہیں ہے تم پر' زندگی تمہیں گزارتی ہے' فیصلے کا اختیار بھی تمہیں ہی ہونا چاہئے۔ اگر تمہیں دل کی بات قائل غور لگے تو کوئی زبردستی نہیں' دل کی دلیل بھی پُراثر ہوتی ہے۔ تم بلاتردد دل کی بھی مان سکتی ہو' مگر عقل کو وکیل کر کے۔''

''مگر بے بے دل کے فیصلے کو خردمندی کے پلڑے میں رکھنا اور پھر دونوں پلڑوں کو برابر دیکھنے کی خواہش کرنا تو بہت عجیب ہے۔ دل کے فیصلوں کو عقل تو مکمل طور پر رد ہی کرتی ہے۔'' وہ بہت آہستگی سے بولی تھی۔ بے بے بہت ہولے سے مسکرا دی تھیں۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔

''ایک عمر ہوتی ہے دل کی بات ماننے کی بھی' ہماری تو گزر گئی جیسے تیسے گزری تھی۔ اب تو وہ عرصہ ہے' جب عقل ہی سب کچھ لگتی ہے۔ خرد ہی مختار کل لگتی ہے' مگر میں تمہاری عمر کے بچوں کو بھی رد نہیں کر سکتی۔ تم فی الحال دل کی بات سننے کی کوشش کرو۔''

''اور جو دل کہے اس کا کیا کروں؟'' نتالیہ کمال نے بالآخر اپنا مدعا کھل کر بیان کر دیا تھا۔

''زندگی ایک بار ہی ملتی ہے' محبت بھی ایک ہی بار ملتی ہے' سو اگر کہیں سے یہ خزانہ ہاتھ لگ جائے تو دل کی بات ماننے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔'' بے بے کا لہجہ مدھم تھا' اور وہ سر جھکا گئی تھی۔

''بے بے!'' اس نے قدرے توقف سے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے' پھر جانے کیوں کچھ نہیں بول سکی تھی' اور تب بے بے نے بھی تردد نہیں کیا تھا۔

پھر کتنے دن اس نے اپنے اندر کی آواز سننے میں لگا دیئے تھے' اور تمام اسرار و رموز سمجھنے میں تمام عقل صرف کر دی تھی' مگر دل کے دلائل بڑے ٹھوس اور مدلل تھے' اور اس کی جان جیسے مزید مشکل میں گھر گئی تھی۔

اس روز جب بے بے کی حالت یکدم ہی بگڑ گئی تھی تو وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔ حدید ملک سے باہر تھا' اور اس لمحے اس نے خود کو کتنا تنہا محسوس کیا تھا۔ کتنے آنسو چپ چپ پلکوں سے ٹوٹتے ہوئے رخساروں پر بہتے چلے گئے تھے۔ ایک لمحے میں دل میں خیال گزرا تھا کہ اگر بے بے کو کچھ ہو گیا تو؟ اور اس سے آگے اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا۔ اور یہ شاید اس کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ شام تک بے بے کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔

''بے بے! کیسی طبیعت ہے اب؟'' اس نے جب جھک کر دریافت کیا تھا' تو وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بہت ہولے سے مسکرا دی تھیں۔

''تبھی تو کہتی ہوں..... چراغ سحری ہوں میں تو..... کچھ اعتبار نہیں..... تمہیں اپنی زندگی میں ہی اپنے گھر کا دیکھ لوں تو موت چین سے آ سکے گی۔''

''پلیز بے بے' ایسی باتیں مت کریں' بہت جینا ہے ابھی آپ کو..... میرے ساتھ رہنا ہے۔''

''تبھی بے بے نے اس کی جانب دیکھا تھا' پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔

''ایک بات کہوں؟''

''جی.....''

''تم حدید کے متعلق سوچ تو سکتی ہو نا' تم دونوں میں انڈرسٹینڈنگ بھی ہے' بچپن سے ساتھ ہو..... ایک دوسرے کے مزاج کو بھی خوب سمجھتے ہو۔''

''آپ ٹھیک ہو جائیے پھر سوچتے ہیں۔'' اس نے انہیں مزید بولنے سے باز رکھتے ہوئے کہا تھا' مگر دل ایک لمحے میں مٹھی میں آ گیا تھا۔

دل کیا وحشی سا ہو کر سرپٹ بھاگتا چلا گیا تھا۔

✦ ◈ ✦

کتاب زیست کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

اور اس صبح اس نے جب بے بے کو اپنے فیصلے سے مطلع کیا تھا' تو بے بے کتنی دیر تک ساکت سی اس کی جانب تکتی چلی گئی تھیں۔

''آپ بھی تو یہی چاہتی ہیں نا' پھر تعجب بھی کیا ہے۔ حدید بہت اچھا ہے' بہت انڈر سٹینڈنگ ہے۔'' وہ وضاحتیں دیتی دیتی بالآخر خود ہی تھک کر چپ ہو گئی تھی۔ بیگ شولڈر پر ڈالتی ہوئی اٹھی تھی' اور باہر نکل آئی تھی۔

کیا عجب ہے..... زندگی یوں بھی تو کرتی ہے..... یوں بھی تو ہو ہی جایا کرتا ہے۔ عجب کیا ہے' خواہشوں کی حقیقت فقط خوابوں جیسی ہے اور درحقیقت۔'' اس نے تھک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

حدید اس روز بھی نہ لوٹا تھا۔ وہ آفس سے اٹھی تو گھر جانے کا قطعاً کوئی موڈ نہ تھا' مگر فارینہ کا فون آیا تھا۔ وہ باہر جا رہی تھی۔

کتنے دن سے وہ اس سے غافل سی تھی یا شاید وہ اس کی جانب سے کسی پیغام کی منتظر تھی۔ بدظن تو نہ تھی۔ سارے شکوے گلے تو اسی روز آنسوؤں کی صورت بہہ گئے تھے' اور دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا تھا' مگر اسے اس کے بعد اپنے اندر سے نکلنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ دیکھتی اور سوچتی۔ فارینہ کے فون نے اسے شرمندہ سا کر دیا تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ گھر پہنچ کر فریش ہو کر اس کی طرف نکلے گی' اگرچہ وجود پر برسوں کی تھکن تھی' کتنا بہت سا بوجھ تھا دل پر..... کتنی بھاری سی ہو رہی تھی طبیعت' جی کتنی شدت سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ کسی سے نہیں کہہ سکتی تھی کچھ بھی۔

کتنی خواہشیں دل کے ایک کونے میں بلک مارے جا دبکی تھیں۔

کیسی جنوں خیزی اب بھی غالب تھی دل پر..... اور وہ دل کو تھپک تھپک کر سلانے کے جتن کر رہی تھی۔

کتنے تھکے ہوئے انداز میں اس نے گھر کی دہلیز پر قدم دھرے تھے' جب ایک ہلچل نے اسے چونکا دیا تھا۔ حدید مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا تھا۔

''آفس ٹائم پانچ بجے ختم ہو جاتا ہے' اور تم نے گھر پہنچنے میں دو گھنٹے لگا دیئے۔ کیا

اوور ٹائم لگانے بیٹھ گئی تھیں؟'' وہ یقیناً مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا' اور وہ ساکت سی تکتی گئی تھی۔ دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر دبانے لگا تھا۔

ایک خواہش سر پٹختی چلی گئی تھی' مگر اس نے ہر طرف سے اپنے کان بند کر لینے چاہے تھے۔

''کتنے لوگ کب سے منتظر ہیں تمہارے۔ انتہائی تھکا ہوا تھا مگر جیسے ہی گھر پہنچا' بے بے کا فون آ گیا اور میں خود کو روک ہی نہیں سکا۔ یہ تم نے منہ پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں؟'' وہ جو وہیں راہداری میں رک گئی تھی۔ حدید یکدم اس کا ہاتھ تھام کر اسے لئے آگے بڑھنے لگا تھا۔

✦ ◈ ✦

گھر میں موجود گہما گہمی بتا رہی تھی کہ قدسیہ آنٹی سمیت سب رسم کرنے آن پہنچے تھے۔ کب سے بے چینی سے منتظر تھے' وہ سب تو..... بات فقط اس کی ہاں کی تھی..... اور اس نے صبح ہی سگنل دے دیا تھا۔ سو یہ سب تو ہونا ہی تھا..... مگر دل..... دل جانے کیوں بے کل ہوا جا رہا تھا۔ حدید اس کا ہاتھ تھامے اسے جیسے کھینچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

اس کے قدموں میں تو جیسے ہمت ناپید تھی۔ اسے لگا تھا' ابھی حدید اسے چھوڑے گا' اور وہ زمین بوس ہوتی چلی جائے گی۔ اس نے سوچا تھا' اور دل چاہا تھا کہ وہ اپنی آنکھیں بہت زور سے میچ لے۔ اتنی زور سے کہ کوئی منظر دیکھ نہ پائے۔

''محترمہ آ گئی ہیں۔

دیر ہوئی آنے میں لیکن شکر ہے پھر بھی آئے تو
آس نے وہاں کا ساتھ نہ چھوڑا پہلے پہل گھبرائے تو

حدید ہنستے ہوئے جانے کس کو متوجہ کر رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھانی نہیں چاہی تھی' مگر بلا ارادہ جو نگاہ اٹھی تو ساکت رہ گئی تھی۔

آہن التمش اس کے روبرو تھا۔ نظروں کے عین سامنے تھا۔

اور کتنے لوگ اس کے ہمراہ تھے۔

تو کیا..... تو کیا وہ فتح ہو گیا تھا۔

محبت جیت گئی تھی؟

دل جیت گئے تھے؟

کتنے چہرے اس سے گرمجوشی سے مل رہے تھے۔ محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ لگاوٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کے سامنے ہی غالباً ڈیڈی تھے۔ کتنی باتیں تھیں' ان کے لبوں پر' کتنا کچھ کہہ رہے تھے وہ۔ پھر اس کا سر بہت ہولے سے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کتنی شفقت سے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ کتنی معذرتیں تھیں..... کتنے پچھتاوے تھے..... کتنی حسرتیں تھیں..... وہ کیا کیا شمار کرتی۔

اسے تو سدا ناممکن لگا تھا' سب کچھ۔

نفرت تھی اسے ان سب لوگوں سے' پھر ان کی آمد سے' مگر ان کی موجودگی سے اتنی طمانیت ہی کیوں دوڑ گئی تھی سارے وجود میں۔ خود سے سوال کرتے ہوئے اس نے فیضی کی طرف دیکھا تھا' جو ڈیڈی کے ساتھ لگا بے حد مسرور سا تھا۔ اور بے بے..... کچھ دن قبل کی بیماری کا شائبہ تک نہ تھا ان کے چہرے پر۔

کیا وقت واقعی سب سے بڑا مرہم ہے؟ کیا واقعی وقت چارہ گر ہے؟ اور سب باتوں کا مداوا کر سکتا ہے۔ کیا بے بے نے ان سب کو معاف کر دیا ہے۔ اپنی بیٹی کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں پر انہیں بخش دیا ہے۔ سب کچھ فراموش کر دیا ہے۔

سب کے چہرے باری باری تکتے ہوئے وہ جیسے حیرت کدے میں بند تھی۔

جب حدید نے بہت شرارت سے جھک کر اسے چھیڑا تھا۔

''کیسی عجیب لڑکی ہو تم..... کم از کم کچھ شرم کر لو..... اب یہی سب تمہاری سسرال میں بھی شامل ہونے جا رہے ہیں' اور وہ حضرت جنہیں مستقبل میں تمہارا سرتاج ہونے کا شرف حاصل ہوگا' وہ بھی عین سامنے موجود ہیں۔''

مگر وہ شرمائی نہیں تھی' نہ ہی مسکرائی تھی' چپ چاپ اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

کیسا والہانہ پن تھا اس کی نگاہوں میں۔

دل ایک پل میں دھڑکنے کے رموز سے آشنائی پا گیا تھا۔

جی پھر سے زندہ ہو گیا تھا۔

سارے بدن میں جیسے زندگی کی رمق دوڑنے لگی۔ اس نے بے بے کی جانب دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر بہت اطمینان تھا اور آنکھوں میں بہت سکون۔ اس کے دیکھنے پر اس کی

جانب متوجہ ہوئی تو نظروں ہی نظروں میں خوشی کے کتنے پیام دے ڈالے تھے اس نے۔ کب کی رکی ہوئی ایک گہری سانس خارج کی تھی' اور پھر فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل آئی تھی۔

کچن میں چائے بناتے ہوئے بھی اس کا سارا کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔ اچانک اس کی پشت پر آہٹ ہوئی تھی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ حدید ہوگا..... تبھی بولی تھی۔

''حدید یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ سب تو.....'' کہتے کہتے وہ یکدم پلٹی تھی' جب اپنے مدِ مقابل آہن التمش کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔

آہن التمش اسے بغور تکتا چلا گیا تھا۔ وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ آہن نے قدم بڑھا کر فاصلوں کو اور بھی محدود کر دیا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی فرش کو تکتی رہی تھی۔ آہن التمش نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لیا تھا' پھر اس کے چہرے کی سمت تکتا ہوا بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''چاہت ہو گر درمیاں تو فاصلوں کی حقیقت بے معنی ہو جاتی ہے۔ محبت ساتھ ہو تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔ دیکھو چاہا تھا تمہیں' سو آج پا بھی لیا' محبتوں کی سچائی اٹوٹ ارادوں پر ہے' جتنی مضبوط جڑ محبت کی ہوگی' اتنی ہی ہمت آپ کے اندر ہوگی' اور اتنے ہی استقلال سے آپ لڑ بھی سکیں گے۔ تمہاری محبت نے مجھے ہارنے نہیں دیا۔ میں رکا تو دل تمہارے حق میں تاویلیں دینے لگا..... تم سے دور رہنے کی ٹھانی تو دل نے بغاوت کر دی' اور ساری جان مشکل میں گھر گئی۔ کہو اب تو اعتبار ہے نا۔'' زیرِ لب مسکراتے ہوئے آہن التمش نے اس دھان پان سی لڑکی کی جانب دیکھا تھا۔

اور وہ جو اتنی دیر سے چپ تھی' یکدم ہی سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ تھا۔

''بے وفا تھا نا میں..... دھوکے باز..... فریبی.....'' سارے الزامات دہرائے..... نتالیہ کمال کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

''ہاں تھے۔'' بڑے وثوق سے وہ یکدم بولی تھی۔

وہ چونکتے ہوئے دیکھنے لگا تھا' تبھی وہ مسکرا دی تھی۔

''مگر اب نہیں ہو۔'' بہت دھیمے لہجے میں کتنا ڈھیر سارا اعتماد تھا' تبھی آہن التمش نے بغور تکتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

''جب محبت تھی تو بدگمان کیونکر ہوئیں۔ تمہیں لگتا تھا کہ میں ایسا ہو سکتا ہوں؟''

نتالیہ کمال نے سامنے کھڑے لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا' پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اگر میں تم سے سچ مچ بدگمان ہوتی تو آج تم میرے سامنے یوں کھڑے گفتگو نہ کر رہے ہوتے..... سب وقتی غصہ تھا' میں بھی انسان ہوں' بندہ بشر ہوں۔ ہوپ لیس ہو سکتی ہوں..... بدگمان ہو سکتی ہوں..... مگر ایسی کیفیات مستقل نہیں رہتیں۔ بندہ حقیقت کو قبول ضرور کرتا ہے' ایک نہ ایک دن۔''

''اور حقیقت کیا تھی؟'' وہ مسکراتے ہوئے فوراً بولا تھا۔

وہ ہونٹ بھینچ کر اسے تکنے لگی تھی۔ پھر یکدم مسکرا دی تھی۔ ''ہم ایک کشتی کے سوار تھے..... سو منزل تو ایک ہی تھی' ملنا ہی تھا' سو مل گئے۔''

اس نے عجیب بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔ تبھی آہن التمش کے جاندار قہقہے نے ماحول کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

✦ ◈ ✦